مارچ ۱۹۷۱ء　　　جلد ۶

اسلامی دنیا

بدایوں

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ نقوی

اغراض و مقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقائق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا
۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا
۳۔ فرقہ وارانہ اختلافات اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔
۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا
۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور اُن کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اصلی رنگ میں پیش کرنا۔
۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کرکے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔
۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوش گوار بنانا۔
۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اُن کو بہ آئین شایستہ باطل کرنا اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے ہر عام انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔
۹۔ مسلمات شیعہ سُنی کے خلاف کوئی شے اس رسالہ میں درج نہ ہوگی۔
۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ و سُنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے
۱۱۔ حضرات علمائے اسلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔
۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں درج ہوا کریگا۔

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں ۱۵ویں سے شایع ہوا کرے گا۔
۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا۔
۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔
۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلا قیمت بھیجا جائے گا۔
۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی۔پی کی اجازت دیں گے اُن کا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں۔
۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہیئے۔
۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہنچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دے کر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ للعہ/ بیرون ہند سے سے/

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام

اسلامی دنیا

کا چوتھا حسین نمبر

زیر سرپرستی حضرت قمر الواعظین لسان الملت ناصر الشریعت ثقۃ الاسلام مولانا مولوی محمد لقا علی صاحب حیدری مد ظلہ العالی

مالک و مدیر مسئول حکیم و ڈاکٹر مولوی سید عنایت علی شاہ نقوی ایل۔ ایم۔ ایس۔ ایل۔ آر۔ ای۔ ایچ۔ ایچ۔ ایم۔ ڈی۔ ای۔ ایچ۔ پی لکھنؤ

جلد ۲ | فہرست مضامین بابتہ ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء | نمبر ۱۳

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

کلام الملوک ملوک الکلام

(سلطان العلوم اعلحضرت حضور نظام حضور پر نور نواب میر عثمان علیخاں نظام الملک نظام الدولہ فتح جنگ نظام دکن)

گلویت نہ تیغ برّاں شدہ — بدن نیز پامال اسپاں شدہ
عزیزاں قتیل آل اطہر اسیر — سرت بر سناں ایں چہ ساماں شدہ
زہے ہمّت نور عین رسولؐ — کہ در راہِ حق چوں تو قرباں شدہ
چہ انساں چہ جن و ملک ہر یکے — عزادار شاہِ شہیداں شدہ
شہا چیست تدبیر عفو گنہ — بگو بہر عثماں کہ حیراں شدہ

شذرات

اسلامی دنیا جس پر خطر دور سے گذر رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں. ہندوستان کی اسلامی دنیا کا حال تو سارے عالم سے نرالا ہی یہاں فرقہ وارانہ اختلافات پیدا کرنے والوں کی وہ کثرت ہے کہ الامان الحفیظ اگر کسی گوشہ سے صلح و آشتی ۔ امن و عافیت کی اطلاع ملتی ہے تو دوسرے گوشہ میں اسکا بالکل ضد پیدا کر دیا جاتا ہے اس کشمکش کے دور میں ہمارا رسالہ اسلامی دنیا بھلا ان مصائب کا شکار ہوئے بغیر کسطرح رہ سکتا تھا جو عالمگیر اثر رکھتے ہیں ۔ خدا خدا کرکے اب ایسی صورت پیدا ہو چلی ہے کہ ہم اپنے رسالہ کو ماہ بماہ شایع کر سکیں گے (انشاء اللہ تعالی) ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ یہ رسالہ کسی دنیوی منفعت، نام و نمود. اعلان و اشتہار کی خاطر نہیں جاری کیا گیا ہے. صرف قربۃ الی اللہ خدمت دینی اسکا نصب العین ہی جن حضرات کے پاس رسالہ پہونچا ہے اور انھوں نے اب تک کل رقم چندہ مقررہ یا جز وادا نہیں فرمایا ہی وہ براہِ کرم اس اطلاع کو آخری اطلاع سمجھ کر اپنے ذمہ جو مطالبہ ہے اسکو ادا فرما دیں. ورنہ دوسرا پرچہ وی پی روانہ ہوگا. جسکا

وصول کرنا اخلاقاً ان کا فریضہ ہوگا۔ جن حضرات کو خریداری منظور نہیں ہے وہ براہِ کرم اس رسالہ کو واپس فرمادیں۔ اور انکاری لکھدیں۔ تاکہ دفتر کو آئندہ غیر ضروری مصارف سے نجات ملے۔ اور انکار لکھنے سے وہ حضرات بھی خط لکھنے اور اس دور میں کچھ صرف کرنے کے بار سے محفوظ رہیں گے۔ ہم بار بار عرض کرچکے ہیں اور آج پھر باعلان اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ رسالہ محض خدمت اسلامی کی غرض سے شایع ہوتا ہے۔ کسی صاحب کو اس کی خریداری پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ جو صاحب بطیب خاطر طلب فرماتے ہیں ان کے پاس رسالہ بھیجا جاتا ہے۔ اور انکا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ بلا طلب مزید رقم چندہ دفتر کو بھیجکر فرض شناسی کا ثبوت دیں۔

نائب مدیر

ریویوز

پنڈت جواہر لال نہرو کا مذہب

مندرجہ بالا نام کی ایک کتاب ہمارے دفتر میں بغرض ریویو موصول ہوئی ہے یہ کتاب فاضل جلیل مولوی شبیہ الحسنین صاحب فاضل بدایونی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ پنڈت جی خود سوشلسٹ ہونے کے مدعی ہیں۔ اور ان کے ہوا خواہ ان کو غیر جانبدار بے تعصب اور لامذہب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ ایک پکے متعصب ہندو ہیں۔ پنڈت جی کی خود نوشت "میری کہانی" کا زبردست مطالعہ کرنے کے بعد مولوی شبیہ الحسنین صاحب نے "پنڈت جواہر لال نہرو کا مذہب" لکھا ہے۔ کتاب کی خوبی صرف مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوگی۔ فخر مسلمانان ہند راجہ صاحب بہادر آف محمود آباد کے نام نامی کے ساتھ اس کتاب کو معنون کیا گیا ہے غیر مسلم اور پنڈت جی کے معتقدین کو کتاب مفت پیش کی گئی ہے۔ مسلم شائقین صرف ۲ کے ٹکٹ بھیجکر طلب فرماسکتے ہیں۔

ملنے کا پتہ:۔ مولوی شبیہ الحسنین قاضی محلہ بدایوں

ذاکری کی پہلی کتاب

سرکار علامہ سید العلماء بقلہ العالی اسلامی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اس دور فتنہ و فساد میں آپ حقیقی نبض شناس قوم ہیں۔ اور آپ نے گذشتہ چند سالوں کے عرصہ میں زبانی اور قلمی جو خدمت دین حنیف اسلام کی فرمائی ہے اسکا بار مسلمانان ہند کے سر پر ہے اور ہم سرکار علامہ موصوف کی صحت و سلامتی کی دعا میں شب و روز مصروف ہیں پچاسوں رسالہ صدہا مضامین اور ہزاروں تقریروں کے ذریعہ سے جو اصلاح قومی آپ نے فرمائی ہے وہ خود شاہد ہے کہ قدرت نے اس مقدس ہستی کو اصلاح قومی کے واسطے ہی خلق فرمایا تھا۔ دنیا اور دین سے متعلق حسبقدر شعبے ہیں

ان سب کے متعلق آپ کے دریائے علم سے تشنہ کام سیراب ہو رہے ہیں آپ نے مواعظ حسنہ کے ذریعہ سے ذاکری کی اصلاح کے واسطے وہ زبردست اقدام فرمایا ہی جس کی مثال ملنا ناممکن ہی. لیکن محسن ملت جناب مرزا عابد حسین صاحب قبلہ رئیس لکھنؤ دام مجدہ کے اصرار پر حال میں چند مسودے تحریر فرمائے اور آئندہ کے واسطے وعدہ فرمایا ہے کہ اس سلسلہ میں کافی ذخیرہ فراہم فرمائیں گے.

" ذاکری کی پہلی کتاب ان چند مسودوں کا مجموعہ ہی میں نے خود اس کتاب کو اول سے آخر تک سرسری طور پر نہیں بار بار پڑھا اور بلا تکلف یہ کہنے کیواسطے تیار ہوں کہ سرکار سید العلماء نے امام مظلوم کی خدمت کرنیوالوں کے واسطے بہترین لائحہ عمل تجویز فرماتے ہوئے ان کو آگے بڑھنے کا طریقہ سکھایا ہے. خدا کرے ہماری قوم اس رہبر کی ہدایات پر عمل کرکے اپنے کو زندہ قوم ثابت کرے.

کتاب کی لکھائی چھپائی دیدہ زیب حجم ۸۸ صفحہ اور اسپر قیمت مع محصولڈاک صرف ۳ روپیہ ناظم مرکزی اصلاح نخاس وڈ لکھنؤ کے پاس غالبًا قیمت بھیجنے پر کتاب مل سکتی ہی

محمد نقار علی حیدری

سید سراج الحسن بیرسٹرایٹ لا آف حیدر آباد دکی حکومت ہائے برطانوی ہند وغیرہ سے دو دو باتیں

اور

پیام صلح و آشتی و رفق و وفاق با قوام عالم

منجانب

سید سراج الحسن بیرسٹر ایٹ لا

مندرجہ بالا دو رسالہ مولوی سید سراج الحسن صاحب دام مجدہٗ بیرسٹرایٹ لا حیدر آباد نے خاکسار کو بغرض مطالعہ مرحمت فرمائے تھے میں نے ان دونوں رسالوں کو بغور پڑھا اور بلا تکلف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بیرسٹر صاحب موصوف کا مشورہ حکومت ہند اور ریاستہائے ہند و نیز باشندگان ہند کو بہترین اور مناسب وقت ہے ان رسالوں کے مطالعہ سے فاضل بیرسٹر صاحب کے زبردست مطالعہ کا پتہ چلتا ہی اور ہر پڑھنے والا بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ موصوف کے دل میں کسقدر درد قومی ہی اور آپنے سیاسیات ہند کا کسقدر گہرا مطالعہ کیا ہی رسالوں کی قیمت کچھ نہیں ہی مندرجہ ذیل پتہ پر لکھنے سے غالبًا صرف ڈاک بھیجنے پر مل سکیں گے پتہ

مولوی سید سراج الحسن صاحب بیرسٹر ایٹ لا کٹل منڈی حیدرآباد دکن

سلام

(از حکیم علی حامد حسین حامد جعفری متعلم درجہ نہم اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں)

شہ کہتے تھے بس ضبط کے قابل نہیں رہا
اے ظالموں حسین کا وہ دل نہیں رہا

خیمہ میں آکے سید مظلوم نے کہا
زینب وہ میرا زینت پہلو نہیں رہا

سوچو تو کیا خطا ہے حسین غریب کی
کیا تم میں کوئی ظالموں عادل نہیں رہا

قائم ہے حشر تک حق و باطل کی یادگار
نام حسین رہ گیا قاتل نہیں رہا

His Eminence Maulana Syed Mohd Sibtain Sahab
Professor Govt College Ludhiana in the centre.
To his right sitting his eldest son late M S Mohd Hasnain M A Editor Alburhan and to his left sitting M. S. Mohd. Asghar B A , Editor Alburhan. Other two sons standing and youngest daughter sitting in front
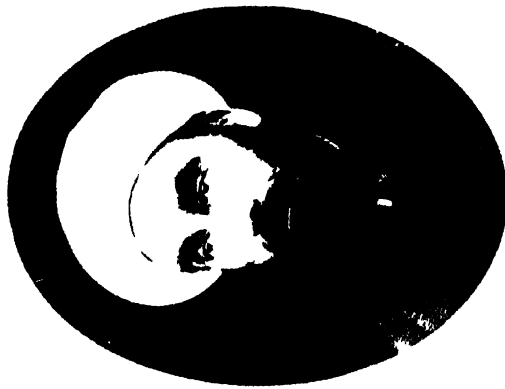
Shaikh-ul-Millat Hujjat-ul-Islam
Sarkar Allama Shaikh Abdul Ali
Hiravi of Tehran.

Their Holinesses Maulana Syed Aqa Hasan the great Mujtahid of Lucknow and M Syed Sibte-Nabi Sahab Shia Dean M U Aligarh with a few friends and Students

NAWAB SYED MOHD TAQI
Rais Shamsabad

Mr. Wiliam Wells now Mr. Hosain Wells
who embraced Islam in 1928 in Singapore at the hands of H Eminence

His Holiness Sirajul Ulama M Altaf Hosen Sb Mujtahid Calcutta

ایام عزا کے ختم ہونے کے بعد شیعان ہند کیلئے ایک لمحۂ فکریہ

سیرت ائمہ سے ہم کو کیا سبق ملتا ہے

(امیر الامراء امیر الدولہ سعید الملک راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر والی ریاست محمود آباد اودھ)

تعزیے دفن ہو چکے۔ صف ماتم اٹھ چکی اب نہ نوحہ زنی کا شور و شین ہے نہ ماتم کی دھڑا دھڑی۔ سوگ بڑھ گئے زمانۂ عزائے حسین مظلوم ختم ہوا۔ آپ کے جوش محبت اور وفور عقیدت کا کیا کہنا سوا دو مہینہ نہ رات کو رات سمجھا اور نہ دن کو دن آرام و سکون کے ساتھ پلک جھپکانا بھلا بیٹھے اور حرام سمجھے ایک ایک دن میں بیس بیس پچیس پچیس مجلسیں سنیں اور داد مومنیت دی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ٹھنڈے دل سے سوچئے۔ اور انصاف سے کہئے کہ آپ نے حاصل کیا کیا۔ اگر رونا دھونا نجات کیلئے کافی ہو تو ان ملاعینہ کے لئے آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں جو خیموں میں آگ بھی لگاتے ہیں اور اہلبیت کے سروں سے چادریں بھی اتارتے جاتے تھے۔ اور روتے بھی جاتے تھے۔ کیا مجلسوں کا مآل صرف چند آنسو بہانے تک محدود ہے۔ کیا حسین کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا آپکا فرض نہیں اگر ہے اور ضرور ہے تو پھر فرمایئے کہ آپ نے اتباع امام میں کتنے یتیموں کی مدد کی۔ کتنی بیواؤں کی سرپرستی فرمائی اور کتنے اعمال خیر کئے۔ ممکن ہے کہ آپنے قاتلان حسین پر لعنت بھی بھیجی ہو۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ ان کے اعمال سے بھی احتراز کیا۔؟

حسین نے حق پر جان دی تھی جبر و استبداد اور سرمایہ داری سے تبرا کیا تھا۔ کہئے آپ نے بھی حق کی حفاظت میں اپنے تن من کو کچھ زحمت دی۔ اور جابر قوموں سے عدم تعاون کر کے سچے مسلمان بننے کا ثبوت پیش کیا۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں گریہ و زاری کے خلاف ہوں اور کشتۂ ظلم و جفا پر آنسو بہانے کو فعل عبث سمجھتا ہوں مصیبت بھری داستان سن کر آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری ہو جانا انسانی فطرت کا جز و ہے جو لوگ گریہ و زاری کو برا سمجھتے ہیں وہ انسانی فطرت سے ناآشنا ہیں مگر یہ سمجھ لینا کہ حسین کی شہادت عظمیٰ صرف اس لئے ہوئی تھی کہ ہم چند آنسو بہا کر خاموش ہو جائیں شہادت کی توہین کرنا ہے۔

گریہ مآل کار نہیں آغاز کار ہے

مآل کار تو وہ بلند مقصد ہے جس کے لئے حسین نے جان دی تھی اللہ اللہ دن دن بھر مزدوری کر کے اپنا اور اپنے

بال بچوں کا پیٹ پالنے والے ائمہ اطہار کے ماننے والے
مفت خوری کے عادی اور محنت و مشقت سے ناکارہ بنتے
جا رہے ہیں اور کسب حلال کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی
مظلوم کی گردن پر چھری چلانا، یتیموں کا حق غضب کرنا۔
اوقاف کے مال کو شیر مادر کر لینا۔ رشوت اور اوپری
آمدنی وصول کرکے اپنا کام چلانا۔ نہیں نہیں یہی نہیں بلکہ
اس مال حرام سے زیارت و حج کے مقدس فرض کو ادا
کرنا۔

حسین اور ان کی آل اطہر کے مصائب سنکر رو دیئے
اور دل کھول کر رو دیئے مگر گریہ وزاری اور ماتم کے
شور وغل میں حسین کی آواز ھل من ناصر ینصرنا
(جو حق کوشوں کے کان میں اب تک گونج رہی ہے)
نہ بھول جایئے نہ اس وقتی ہنگامے سے اس مقصد کو نظر
انداز کیجیے جس کے لئے یہ ساری تکلیفیں برداشت کیں۔

حریت اور مساوات جس پر آج روس کو اسقدر
ناز ہے۔ استبداد اور ظلم و ستم کے خلاف صف بندی جس پر
سن LENIN کے پیرو اسقدر فخر کر رہے ہیں
آپ ہی کے آئمہ کی تعلیم ہے۔

اس زمانہ میں جبکہ روم و ایران کی تقلید میں مسلمان
حکمراں بھی سرمایہ پرستی اور حریت کشی کے مرض میں گرفتار
تھے یہی ائمہ دین تو تھے جنھوں نے اعلان حق کیا اور
ظالم و جابر سلاطین کو "اسلام" کا پیغام سنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
حکمراں طبقہ ان کا مخالف بن گیا اور ان کی جان کے درپے
ہو گیا۔ کسی کو تلوار کے گھاٹ اتارا کسی کو زہر دغا سے
شہید کیا۔

عرب تلوار سے لڑنا جانتے تھے۔ زہر کے استعمال
سے آشنا نہ تھے۔ موت کے اس خفیہ پیامبر کی دریافت
کا سہرا نام نہاد مہذب اقوام کے سر ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
کو زہر دیا گیا۔ خیبر (یعنی جنگ خیبر) کے زمانہ میں ایک یہودیہ
نے بکری کے گوشت میں زہر دیا۔ پھر جب ملوکیت کا دور
دورہ ہوا تو مسلمان بادشاہ بھی اس حربہ کو استعمال کرنے
لگے۔ رسول کا پیارا نواسہ حسن اسی حربہ کا شکار ہوا۔ تاریخ
بتاتی ہے کہ ابن اثال رومی یہودی کی زیر نگرانی امیر
معاویہ کے یہاں زہر خورانی کا باضابطہ محکمہ تھا۔ جس
کی طرف سے انھیں کچھ شبہ گذرتا فوراً ابن اثال کی
معرفت اسکا خاتمہ کرا دیتے اور عباسیوں کی سلطنت میں
تو یہ فن اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہونچ چکا تھا۔ سچ ہے
سلاطین جور اور سرمایہ پرست لوگ تلوار اور زہر ہی کی
مدد سے حکومت کرتے تھے۔ اور آڑے وقتوں میں یہی
دو چیزیں ان کی مشکلکشائی اور پشت پناہی کرتی تھیں

حسین اور ان کے آباؤ اجداد اور اولاد طاہرین کا
فلسفہ کیا تھا؟ حق کی حمایت اور ظلم و استبداد سے تبرا
اور بیزاری۔ ہم میں سے کتنے لوگ اور خود ہمارے رہبران
دین میں سے کتنی ہستیاں ایسی ہیں جو اس فلسفہ پر عمل
کرتی ہیں یا اس کی تلقین کرتی ہیں۔ ذرا قوم کی مردم
شماری کیجیے ہائے حسین! وائے حسین!! کرنیوالے کتنے ہیں
اور نمازیوں کا شمار کیا ہے۔ مرثیہ پڑھنے والوں کی تعداد
کیا ہے اور سمجھ کر قرآن پڑھنے والے کتنے ہیں؟ جب کسی
قوم پر زوال آتا ہے تو خوبیاں تو اسیں سے نکلجاتی ہیں

اس کے علاوہ برسر اقتدار قوموں کی برائیاں بھی آجاتی ہیں. آج یہی حالت ہماری ہے. کہ اپنے ائمہ دین کے محاسن سے ناآشنا ہیں۔ اور مغرب کے ائمہ جور کی برائیوں کے حامل بنتے جاتے ہیں.

ایک بہت پرانا مقولہ ہے. سخاوت اور شجاعت کا چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی جو سخی ہوگا وہ شجاع ضرور ہوگا اور جو شجاع ہوگا وہ سخی ضرور ہوگا برخلاف اس کے بات بات پر تکرار اور رہتاک ورکہیں پر درگذر نہ کرنا بزدلی کی علامت ہے. آیئے اس مقولہ کی تفسیر حسین کی زندگی میں دیکھئے.

اٹھائیس صفر ہے حسین اپنے مسموم بھائی کے جنازہ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن کرنے کو لئے جا رہے ہیں بنی ہاشم کا ایک بڑا گروہ آپ کے ساتھ ہے انصار میں سے سیکڑوں آدمی جنازہ میں شریک ہیں. یکایک کچھ لوگوں نے مزاحمت کی اور کہا ہم اس جنازہ کو رسول کے قریب دفن نہ ہونے دیں گے بنی ہاشم بگڑ گئے تلواریں ابل پڑیں اور قریب تھا کہ خونریزی ہونے لگے کہ حسین نے کہا۔ مجھے نانا کی امت پیاری ہے. میں مسلمانوں کے خون کو بہانا نہیں چاہتا. اچھا یہ اگر میرے بھائی کو یہاں دفن نہیں ہونے دیتے تو میں جنت البقیع میں ان کو دفن کرونگا.

اللہ اللہ ایک طرف تو امام عالی مقام کی یہ صلح پسندی اور دوسری طرف ہماری موجودہ خانہ جنگی اور ہٹ دھرمی مسلمان سیرت حسین کے اس رخ پر غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ بادی النظر میں یہ معمولی واقعہ ہدایت کے کیسے کیسے قیمتی موتی اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے.

اسی طرح اس واقعہ کو لیجئے. جب حر کے رسالے نے آپکا راستہ روک لیا ہے اور آپ نے کوفہ کی راہ چھوڑ کر کربلا کی راہ اختیار کی ہے ہر چند کہ راستہ کی تبدیلی سے ایک حد تک مقصد ہی بدل گیا. مگر حضرت نے خونریزی کو پسند نہ کیا. دنیا کہتی ہے کہ حسین نے سیاسی غلطی کی اور فنون حرب سے ناواقفیت کا ثبوت دیا. حُر کے چند سواروں کو مارنا آسان تھا. اور کربلا میں ہزاروں سے مقابلہ کرنا مشکل لیکن اسکو کیا خبر کہ حسین مجسم اخلاق تھے موقعہ سے فائدہ اٹھانے والے بادشاہ یا جنرل نہ تھے انھوں نے تو جو قدم بھی اٹھایا وہ اصول اسلام اور حکم خدا کی حدود کا خیال کر کے اٹھایا رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ.

آج کتنے مسلمان ہیں جو حق وصداقت کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کو قربان کر دیں اور اصول اسلام بچانے کے لئے جان مال اور اولاد تک کی پرواہ نہ کریں ؟

آج ہم زبان سے تو محبان آل رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور عمل ہمارا ان کے مخالفین سے ملتا جلتا ہے اسلام جو امن و امان کا پیغامبر ہے آج ہماری ہاتھوں فتنہ و فساد کا باعث بنا ہوا ہے مسلمان جو غیروں کو بھی پناہ دینے کیلئے مشہور تھے آج ایک دوسرے کا گلا کاٹنا فخر سمجھتے ہیں. اور یہ سب کچھ اسوقت ہو رہا ہے جب ہم کو اتحاد و اتفاق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کفر و الحاد کی متفقہ طاقتیں ہمارے مقابل صف آرا ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ آپس ہی میں کٹے مرتے ہیں ہمیں تو

یہ ڈر ہے کہ اگر ہمارا یہی طریق عمل رہا تو وہ زمانہ دور نہیں جب کہ مسلمان ہندوستان میں اسی طرح معدوم ہونگے جس طرح آج اسپین میں۔

خدایا مسلمان کس دن بیدار ہوں گے؟

(ماخوذ از سرفراز)

مندرجہ بالا مضمون جو واقعی درد قومی کا بین ثبوت ہے کہ بار بار پڑھا جائے۔ ہر شیعہ اسکو پڑھے اور اپنی زندگی کا جایزہ لے۔ اور اسوۂ حسینی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔ خدا کرے ہماری قوم کے تمام افراد اس نصیحت پر عمل کر کے ایک سال کے عرصہ میں اس امر کا بین ثبوت دیں کہ ہم میں زندگی کے آثار ابھی باقی ہیں۔ اور ہم اپنے قائد ملت کی نصیحت کو سننے اور اسپر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

خاکسار بکاد نایب مدیر

عشرۂ محرم ۶۱ھ کے بعد کی شب

حضرت قمر الواعظین کی جگر خراش تقریر جو گورنمنٹ ریڈیو اسٹیشن کلکتہ سے ۱۰ محرم الحرام ۵۹ھ کو براڈکاسٹ کیگئی

"آج معظم حضرت قمر الواعظین مولانا لقار علی حیدری مدظلہ العالی نے اس سال ۱۰ محرم الحرام کو جو گورنمنٹ ریڈیو اسٹیشن کلکتہ پر جو تقریر فرمائی تھی وہ ناظرین اسلامی دنیا کی اطلاع کے واسطے درج ذیل کیجاتی ہے"

خاکسار حسن افضل بدر نایب مدیر

اسوقت چھ بج چکے ہیں سورج غروب ہو چکا ہے اور آج محرم کی دسویں تاریخ ہے اسلئے چاند کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس قبل غالباً ایسا ہی وقت تھا۔ کربلا میں شب ماہ ہونے کے باوجود تاریکی تھی ستارے ٹوٹ کر گرتے ہوئے معلوم ہوتے تھے زمین ہل رہی تھی سیاہ آندھیاں چل رہی تھیں ایک زبردست لشکر ہتیار ولا تعداد لشکر جس میں سواروں سے زیادہ پیدل اور پیدلوں سے زیادہ سوار بتلائے جاتے ہیں۔ ایک مختصر سی جماعت کو قتل کر کے آسودہ ہوا ہے لیکن اس آندھی اور زلزلہ کی وجہ سے گھوڑے اور اونٹ چراغ پا ہو رہے ہیں آدمیوں کی بدحواسی کا تو کیا بیان ہو سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب قہر خدا میں مبتلا ہوا چاہتے ہیں ضرور ان سے کوئی سخت گناہ سرزد ہوا ہے۔

آؤ پتہ لگائیں کہ یہ ہتیار لشکر کس کا ہے اور وہ مختصر سی جماعت جو ختم ہو چکی ہے اسکا سردار کون تھا۔

ہائے غضب ہوگیا ننگ انسانیت یزید نے مدعی اسلام نہیں بلکہ خلیفۃ المسلمین بن کر پیغمبر اسلام کے پیارے نواسہ کو مع ان کے رفقا کے تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر ڈالا

K B , Captain Mirza Abu Jafar Kashmirie
M A , B S I E S A I R O
Inspector of Schools,
Presidency Division Calcutta

Syed Hasan Esq Kashmiri
Inspector of Police, C I D Calcutta

M Syed Liqai Ali Naqavi Esq
M A , B T
Professor Govt College Allahabad

S. Taher Razavi Esq. **M. A.**
Professor Presidency College
Calcutta

یہ زلزلہ اور آندھی اسی سبب سے ہے کہ ایک بیگناہ بھوکا پیاسا شہید کیا گیا وہ ٹڈی دل کے مثل لشکر یزید کا اور وہ مختصر سی جماعت فرزند رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کی تھی۔ کیا اس چھوٹی سی جماعت میں مرد ہی تھے۔ جو اپنا فریضہ ادا کرکے دنیا سے کوچ کر گئے۔ ذرا اڑتی ہوئی گرد بیٹھے تو کچھ دیکھنے کی کوشش کیجا دے افسوس کہ روشنی کا بھی پتہ نہیں ہے ورنہ کچھ نہ کچھ سراغ چل جاتا۔

ابھی زیادہ رات نہیں گئی تھی کہ کچھ روشنی نظر آنےلگی اب تو ضرور پتہ چل سکیگا۔

یہ روشنی آہستہ آہستہ اس سمت کو بڑھ رہی ہے جس طرف اس چھوٹی سی لاشوں کا انبار ہے۔

لو دیکھو وہ خاک پر سے کوئی اٹھا اور اس روشنی کی طرف بڑھا۔ ذرا کان لگا کر سنو کچھ آواز بھی آرہی ہے روشنی کی طرف بڑھنے والا۔ اے آنے والے خبردار آگے نہ بڑھنا ہم بیکسوں کے پاس مال دنیا سے کچھ نہیں ہے سروں پر چادریں بھی نہیں ہیں ہمارے بچے روتے روتے غش کر گئے ہیں۔ مصیبت زدہ بچوں کو بہلانا بہت دشوار ہے روشنی بڑھتی چلی آتی ہے اور کوئی جواب نہیں ملتا۔

پھر وہی پہلی آواز بہت دھیمی اور لڑکھڑائے ہوئے لہجہ میں لیکن آواز سے رعب اور شان کا پتہ چلتا ہے کہ بولنے والا کوئی صاحب عزت آدمی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیاس کی شدت سے آواز نہیں نکلتی۔

خبردار آگے نہ بڑھنا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ تجھے معلوم نہیں کہ میں شیر خدا کی بیٹی ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ میرا وارث میرا ماں جایا بھائی شہید ہو چکا ہے میرے بچے مارے جا چکے ہیں لیکن بھائی نے مرتے وقت ان بیواؤں اور بچوں کی نگرانی مجھ سے متعلق فرمائی تھی۔ مجھے اسکا مرتے دم تک خیال رکھنا ہوگا۔

روشنی کی طرف سے جواب آیا۔ بی بی میں آپ کی کنیز ہوں۔ میں حر دلاور کی زوجہ ہوں۔ بچوں کے واسطے کھانا اور پانی لائی ہوں اور آپ کو آپ کے شہیدوں کا پرسہ دینا چاہتی ہوں۔

یہ سننا تھا کہ وہ للکار کر آواز دینے والی بی بی آگے بڑھی اور آنے والی کا استقبال کیا اور جب قریب پہونچی تو خاک پر بیٹھ کر کہنے لگی۔

اے زوجہ حر میں تجھ سے شرمندہ ہوں کہ تیرا شوہر ہمارا مہمان تھا۔ اور ہم حق مہمانی ادا نہ کر سکے۔ مہمان نے ہماری نصرت میں جان دی۔

زوجہ حر نے بے چین ہو کر قدموں پر سر رکھ کر کہا۔ میری شاہزادی میں آپ کی اس ذرہ نوازی کے قربان وہ غلام تھا اور میں کنیز ہوں غلام اور کنیز کا حق ہے جاں نثاری کرنا۔

مجھے یہ معلوم نہیں کہ حسین مظلوم کی بہن نے زوجہ حر کو اس کے بیٹے کا بھی پرسا دیا تھا یا نہیں۔ لیکن بنی ہاشم کے گھرانے کا اخلاق تو یہی چاہتا ہے کہ ضرور حضرت فاطمہ زہرا کی بیٹی نے اس سے کہا ہوگا اے دکھیاری ماں میں تجھے تیرے جوان فرزند کا پرسا دیتی ہوں ہائے تیرا دل کیا کہتا ہوگا۔ اے خدا تو حر کو اور اس کے بیٹے کو اپنے رسول کے جوار میں بہتر جگہ کرامت فرما

صاحب مضمون کو یہ معمولی سی بات بھی نہیں معلوم کہ مسلک اہل سنت کے مطابق خلافت کی میعاد صرف ۳۰ سال تھی جو حضرت امام حسن کے چھ ماہ خلافت کرنے پر ختم ہوگئی تھی یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت از امیر معاویہ تا حال سب کو سلاطین اسلام کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں۔ اور امیر المومنین کہتے ہیں۔ الا عمر ابن عبد العزیز کو جنہیں تمام اوصاف خلافت تامہ بکمالہ موجود تھے۔

اس مضمون کے سلسلہ میں ایک نظم بھی درج کی گئی ہے جو حوالہ مضمون میں دیا گیا ہے اور واقعات مندرجہ نظم کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کی گئی ہے اس نظم میں یزید کو اسطرح خلیفہ برحق ثابت کیا گیا ہے کہ جناب معاویہ نے مدینہ منورہ پہونچکر اکابر صحابہ سے ایک مجمع عام پر یزید کی قابلیتوں اور خوبیوں کا اظہار کرنے کے بعد ان سے بیعت لی اس صحبت میں سعید بن عثمان اور عبداللہ بن عمر وغیرہ شامل تھے۔

لیکن قابل مصنف نے اس واقعہ کے تمام پہلوؤں کو جنہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے سر الشہادتین میں اور دیگر مورخین نے اسی تاریخوں میں بیان کیا ہے چھوڑ دیا۔

واقعہ جو مستند مورخین اور علماء نے ظاہر کیا ہے یہ ہے۔ کہ جب جناب معاویہ ایک باقاعدہ جرار جمعیت لے کر بیعت یزید کے لئے مدینے پہونچے انھوں نے بعض ناواقف صحابہ کو یزید کے غیر حقیقی اوصاف بیان کرکر اور بعض کو بہلا پھسلا کر اور بعض کو ڈرا دھمکا کر بیعت یزید پر رضامند کر لیا۔ تب انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر وغیرہ کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ ان سب نے جن کے نام مرقوم ہیں کھلے لفظوں میں معاویہ سے انکار کر دیا یہاں تک کہ ترغیب و ترہیب وسوسہ کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ اور یہ لوگ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جناب معاویہ ان کے خلاف تحریری کارروائی کریں۔ اور اپنے ڈرانے اور خوف دلانے والے الفاظ کو عملی جامہ پہنائیں۔ یا اس خیال سے۔ دست بردار ہوکر واپس چلے جائیں۔ تب معاویہ نے یہ سیاسی پہلو اختیار کیا۔ کہ میں مجمع عام میں تم لوگوں کا بیعت کرنا ظاہر کردونگا۔ تاکہ میرا جرار لشکر مطمئن ہو جائے۔ اور کسی قسم کی شورش نہ کرے اور تم لوگ اپنی زبان سے کچھ نہ کہنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان حضرات نے نہ بیعت یزید کی اور نہ اس پر کسی وقت اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

ان واقعات کا حال جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو معلوم ہوا۔ تو انھوں نے بالمشافہ جناب معاویہ کو جو کچھ سرزنش کی اور جو کچھ گفتگو طرفین میں ہوئی وہ بالتفصیل کتب سیر میں موجود ہے۔

اس واقعہ کو یزید کی خلافت کا سنگ بنیاد قرار دینا یا اپنے ایمان کو خیرباد کہنا یا فیلئے اسلام میں اپنی نافہمی اور لاعلمی کی حماقت پر مہنوانا نہیں تو

Sarkari Millat
His Eminence Maulana Mufti Syed Mohd. Ahmad Sahab Qibla Mujtahid of Sonepat

Shamsulwaizin Maulana Syed Zafar Hasan of Amroha.

Late Mirza Mohd.Jafar Sb. Auj.
of Lucknow
The best Poet of his age.

S. Sarfaraz Hosain Sahab Khabeer
Best Poet of Lucknow

Mirza Saqib Qazilbash
The renowned Poet of Lucknow.

Syed Mohd. Abidi Zaidi
S/o Alhaj Nawab Mir Asghar
Hosain of Bidauli and Grandson
of the Nazim of Oudh. Died 1938.

اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

ماسوا اس کے میں کہہ چکا ہوں کہ اہل سنت کے نزدیک خلافت حضرت امام حسن کے ۶ مہینہ خلافت بموجب حدیث صحیح حضرت رسول کریم الخلافة بعدی ثلثون میں سنت ختم ہو گئی تھی۔ لیکن اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے تب بھی یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ جناب معاویہ کو یہ حق تھا بھی کہ نہیں کہ وہ اپنے یزید کے لئے خلافت کی بیعت لیں۔

میں کہتا ہوں کہ جناب معاویہ کو یہ حق کسی طرح حاصل نہ تھا۔ کیونکہ اگر ان کے زمانہ سلطنت کو زمانہ خلافت بھی مان لیا جائے تو یہ خلافت تابع اس معاہدہ کی تھی جو جناب امام حسن اور معاویہ میں ہوا تھا۔ جس کی لازمی شرط یہ تھی کہ امیر معاویہ اپنے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کریں گے۔ اور اپنے بعد امر خلافت کو عام اہل اسلام کی رائے پر چھوڑیں گے۔ اگر جناب معاویہ نے ایسا کیا تو کیا وہ نقض عہد کے مواخذہ سے بری ہو سکتے ہیں ممکن ہو کہ میرے اس بیان کی تکذیب کے لئے خلیفہ ثانی کی خلافت کے واقعہ سے استدلال کیا جائے۔ کیونکہ ان میں میرے دادا حضرت خلیفہ اول نے خلیفہ مقرر کیا تھا لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ حضرت صدیق نے صحابہ میں سے کسی ایک کو بھی حضرت عمر کی خلافت پر مجبور نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب لوگوں نے بھی خلیفہ ثانی کی بیعت کی اور بعد وفات حضرت صدیق کی اگر وہ بیعت نہ کرتے تو خلیفہ اول کا فرمانا ان پر کس حد تک قابل پابندی تھا۔ یہ مسئلہ قابل غور ہے جس پر بحث بیکار اور تبصرہ بے سود ہے۔ یہاں نہ معاملے کی وہ نوعیت ہے نہ وہ صورت

میرے اپنے مسلک کے مطابق خلیفہ ہر وہ مسلمان ہو سکتا ہے جو خلافت کی اہلیت رکھتا ہو۔ خواہ وہ کسی زمانہ اور کسی خاندان سے کیوں نہ ہو۔

خلافت کی اہلیت میں خود بیان نہیں کر سکتا لیکن بیان کرنے والے نے خود بیان کر دی۔ اور خود لفظ خلیفہ ( ) لغوی معنی اس کی وضاحت کر رہے ہیں

قال اللہ تعالیٰ فی الکتب المجید وفیما قال الحمید وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم

دوسری جگہ باری عزت فرماتا ہے یا داود انا جعلنک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الہوی

ان دونوں آیتوں سے لفظ خلافت کا مفہوم اور خلیفہ کے اوصاف معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور ہر مسلمان اس نتیجہ پر پہونچ جاتا ہے۔ کہ خلافت کا مستحق وہی ہے جس کے عمل صالح جس کا حکم عدل و انصاف کا حکم ہو تمام علماء تمام مورخ اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یزید ان اوصاف سے قطعی معرا تھا۔

خود حضرت عمر ابن عبدالعزیز خود اسی خاندان بنو امیہ کے ایک رکن تھے۔ یزید نے پناہ مانگنے اور اس کے خلیفہ ماننے والوں کو سزا دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

کیا ان سے زیادہ قابل مصنف کی واقفیت ہو سکتی ہے یا ان کے تبحر علمی یا ان کی دیانت و امانت اور زہد و تقویٰ پر احباب و اغیار موافق و مخالف کسی کو آج تک

حرف گیری کا موقعہ مل سکتا ہے۔

اب اس مسئلہ کو آئندہ کے لئے ملتوی رکھتے ہوئے یزید اور قاتلان امام حسین پر لعنت کرنے یا ان کے کفر کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔ اس مسئلہ کے لئے بھی میرے نزدیک خدا کے حکم کے سامنے نہ کسی فتوے کی ضرورت ہے نہ کسی حکم کی۔

تمام مورخین اور تمام علمائے اہل سنت نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کو اس لئے مامور کیا کہ یا وہ یزید کے لئے حسین کی بیعت لے یا حسین کا سر لائے۔ چنانچہ جناب امام نے جس کو کہا یہی کہا۔ اور شمر ابی الجوشن اور عمر ابن سعد نے امام کی اس آخری استدعا کو کہ مجھے یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔ تاکہ میں خود اپنا معاملہ اس سے طے کر لوں ٹھکرا دیا گیا اور جنگ شروع کر دی گئی۔ اور صرف ایک نہیں بلکہ ۷۲ مومن مع امام حسین کے شہید کر دیئے گئے اور بلا کسی قصور کے

اب آیت مندرجہ عنوان کو پڑھنے کے بعد کون مسلمان ہے جو اس کہنے میں تامل کریگا کہ ایک مومن کا قتل کرنے والا جب خدا کے حکم کے مطابق جہنمی اور لعنتی ٹھہرایا گیا ہے۔ تو حسین کے قتل کرنے اور کرانے والے اس سے مستثنےٰ قرار دیئے گئے ہیں

شرح عقائد شرح مقاصد تاریخ الخلفاء اٹھا کر دیکھیے۔ اور یزید اور اس کے اعوان انصار پر لعنت کرنے کا جواز اپنی زبان سے پرہے۔ مہاجرین میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔ مولانا شاہ عبدالرزاق صاحب حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب و حضرت مولانا عبدالباری صاحب حضرت مولانا عبدالباقی صاحب مہاجر مدینہ وغیرہ سب یزید کے لعنتی ہونے کے قائل ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ شخص جس پر خدا لعنت کرے۔ اور خدا جس کو اپنا دشمن قرار دے کبھی اور کسی مذہب میں بھی خواہ وہ اسلام ہو یا مجوسی ہونا۔ زرتشتی یا اسرائیلی یعنی عیسوی وموسوی یا ان کے علاوہ تحسین و آفرین کا مستحق قرار پا سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ میں نے ہر مذہب کو اپنی استعداد کے لحاظ سے دیکھا ہے اور جہاں پایا یہی پایا ہے۔ کہ خدائے قدوس کے صالح اور پاک بندوں کو ہلاک کرنے والے کا ٹھکانا بجز جہنم یا دوزخ یا نرکھ کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اور ایسے انسان ہمیشہ خدا کی پھٹکار لعنت اور عذاب میں رہتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

ظہور احمد محوی حنفی حمیدی صدیقی بدایونی۔

رباعی

پیدا ہے وفا کربلا کا تجھ سے
معیار بلند ہے وفا کا تجھ سے
اے تیرگی بو لہبی کے فاتح
روشن ہے چراغ مصطفےٰ کا تجھ سے

امام حسین علیہ السلام کے جاں نثار اصحاب کے لاثانی کارنامے

(از حضرت علامہ ڈاکٹر سید مجتبےٰ حسین صاحب کامونپوری پی۔ ایچ۔ ڈی (الازہر)

امام کے خطبہ پر حسینی شیروں کا جوش وخروش

امام نے کربلا پہونچکر ایک خطبہ فرمایا،

لوگ باطل سے باز نہیں آتے، اور حق کی طرف قدم نہیں اٹھاتے۔ فانی لا اری الموت الا سعادۃ والحیاۃ مع الظلمین الا برما میں تو موت کو سعادت ہی سمجھ رہا ہوں۔

حضرت کی یہ تقریر سن کر جاں نثار ابل پڑے اور ابل کر پرجوش تقریروں سے امام کا خیرمقدم کیا۔

فقال زھیر بن القین قد سمعنا ھداک اللہ یا ابن رسول اللہ مقالتک فلو کانت الدنیا باقیۃ وکنا فیھا مخلدون لاثرنا النھوض معک علی الاقامۃ فیھا وقال ھلال بن نافع البجلی واللہ ما کرھنا لقاء ربنا وانا علی نیاتنا وبصائرنا نوالی من والاک ونعادی من عاداک وقال بریر بن حضیر واللہ یا ابن رسول اللہ لقد من اللہ علینا ان نقاتل بین یدیک فیقطع عنک اعضانا ثم یکون جدک شفیعنا یوم القیامۃ (ناسخ ۲۴۳)

زہیر بن قین نے کہا فرزند رسول! ہم نے آپ کا ارشاد سنا اگر دنیا باقی رہے اور ہمیں اس میں ابدی زندگی ملے تو بھی ہم دنیا کی ابدی زندگی پر آپ کی ہمراہی کو ترجیح دیں گے۔ پھر ہلال بن نافع بجلی نے کہا خدا کی قسم ہم نے اپنے خدا کی ملاقات کو مکروہ نہیں سمجھا۔ اور ہم اپنی نیتوں اور بصیرتوں پر قائم ہیں۔ آپ کے دوستوں سے محبت رکھیں گے اور آپ کے دشمنوں کے دشمن رہیں گے۔ پھر بریر بن حضیر نے خدا کی قسم کھا کر کہا فرزند رسول ہم پر تو اللہ نے آپ کے سامنے جہاد کا موقع دے کر احسان کیا۔ اعضا ہمارے آپ کی نصرت میں ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے۔ پھر آپ کے نانا قیامت میں ہمارے شفیع ہوں گے۔

فقال لہ یا ابن رسول اللہ انت تعلم ان جدک رسول اللہ لم یقدر ان یشرب الناس محبتہ وقد کان منھم منافقون یعدونہ بالنصر ویضمرون لہ الغدر ویلقونہ باحلی من العسل ویخلفونہ بامر من الحنظل حتی قبضہ اللہ الیہ وان اباک علیا قد کان فی مثل ذلک فقوم قد اجمعوا علی نصرہ وقاتلوا معہ الناکثین والقاسطین والمارقین حتی اتاہ اللہ اجلہ فمضی الی رحمۃ اللہ ورضوانہ وانت الیوم عندنا فی مثل تلک الحالۃ فمن نکث عھدہ وخلع بیعتہ فلن یضر الا نفسہ واللہ

مفن عندنہا نباً راشدًا، معافاً مشہ قاً والا شفقت معن باًفواللہ ما اشفقنا من قدراللہ ولاکرھنا من لقاء اللہ وانا علی نیاتنا و بصائرنا نوالی من والاک ونعادی من عاداک (ناسخ ۲۲۴/۲)

بریر بن خضیر نے کہا فرزند رسول! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے نانا رسول خدا اپنی محبت کا پیالہ لوگوں کو نہ پلا سکے کچھ ان میں منافق تھے جو زبان سے نصرت کا وعدہ کرتے تھے اور دل میں عذر کا ارادہ رکھتے تھے ملتے وقت شہد سے زیادہ شیریں اور غیبت میں اندرائن کے پھل سے زیادہ تلخ۔ یہ صورت ان لوگوں نے رسول کی وفات تک کی۔ یہی حالت آپ کے والد علی کی بھی تھی۔ ایک جماعت نے ان کی مدد پر اتفاق کیا۔ اور ان کے ساتھ مل کر ناکثین وقاسطین ومارقین سے جہاد کیا۔ یہاں تک وہ بھی شہید ہوگئے۔ آپ بھی آج ہمارے سامنے اس حالت میں ہیں جو شخص آپ سے عہد شکنی کرے اور بیعت توڑے وہ اپنے نفس کو ضرر پہنچائے گا۔ اور خدا اس سے بے نیاز ہے۔ آپ ہمیں خواہ مشرق خواہ مغرب میں لے چلیں۔ نہ ہم تقدیر الٰہی سے ڈرتے ہیں اور نہ خدا کی ملاقات ہم کو ناگوار ہے ہم اپنی نیتوں اور بصیرتوں پر قائم ہیں آپ کے دوست کے دوست آپ کے دشمن کے دشمن رہیں گے، جون غلام ابوذر غفاری جب امام کی خدمت میں اجازت کیلئے آئے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اور اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔ جون نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا وہ قابل غور ہے۔

نقال یا ابن رسول اللہ انا فی الرخاء الحس قصاعکم وفی الشدۃ اخذلکم واللہ ان ریحی لمنتن وان حسبی للئیم ولونی لاسود فتنفس علی بالجنۃ فی طیب ریحی ویشرف حسبی ویبیض وجہی لا واللہ لا افارقکم حتی یختلط ہذا الدم الاسود مع دمائکم (ناسخ ۲۶۲/۲)

جون نے کہا اے رسول کے بیٹے راحت کے زمانہ میں تو میں آپ کا پیالہ چاٹوں اور سختی کے موقع پر آپ کو چھوڑ دوں۔ بیشک میرے جسم کی بو ناگوار اور میرا حسب رذیل ہے۔ رنگ میرا سیاہ ہے آپ مجھے جنت میں پہونچا کر میری تکلیف دور فرمائیں تاکہ میرے جسم کی بو بھلی معلوم ہو اور حسب میرا شریف اور رنگ میرا سفید ہو جائے۔ خدا کی قسم میں آپ کو نہ چھوڑوں گا جب تک میرا خون سیاہ آپ کے خونوں میں مخلوط نہ ہو جاوے۔

حسینی خطیبوں کی یزیدی فوج کے سامنے عارفانہ تقریریں

قانون الٰہی کے موافق جو ہلاک ہو وہ حجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو۔ اور جو زندہ رہے وہ حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے۔ انفال پ۱۰

اسی وجہ سے اہل ایمان اتمام حجت کو ایک بڑا فریضہ جانتے ہیں۔ اور مواعظ ونصائح اور ہدایات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

Holy Shrine of the Head of Imam Hosen in Cairo, Egypt

S. JAWAD AHMED
Prosecuting Inspector Lakhimpur

His Holiness Hazrat, Ayatullah Aqa Mirza Mohd Hassan Naeni, The Great Mujtahid of Iraq

S. S. Husain Esq.
(B. A., ALIG.)
Inspector Co-operative Societies U. P. Lucknow.

S. Waheedul Hasan
B. A., LL. B., Govt. Pleader, Cawnpore

Mr. Mohd. Askari Manager Sadat Hostel in the centre.
to his right } S. Ameer Ali Khan } Grandsons of K. B. Nawab Abdulla Khan
to his left } S. Wazeer Ali Khan } of Jansath.

اصحاب حسین نے ایسے تنگ وقت میں کہاں تک اس اصول کو پیش نظر رکھا اور موعظت ونصیحت کو کس انداز واسلوب سے عمل میں لائے۔ مقلبین اس کا معیار مقرر کرنے میں حیران ہیں۔ وہ جوشش تھا جو آج اسٹون اور برک کی مشہور اسپیچوں کو نصیب نہیں فصاحت و بلاغت وہ کہ جس کے جواب کی ہزاروں کے مجمع میں سے کسی ایک کو بھی جرات نہیں ہوئی۔

بریر بن خضیر ہمدانی کا لاجواب خطبہ:- یا قوم اتقوا اللہ فان ثقل محمد قد اصبح بین اظہرکم ھؤلاء ذریتہ وعترتہ وبناتہ وحرمہ فھاتوا ما عندکم وما تریدون بھم افلا تقبلون منھم ان یرجعوا الی المکان الذی جاء منہ ویلکم اھل الکوفۃ انسیتم کتبکم وعہودکم التی اعطیتموھا واشھدتم علیھا یا ویلکم دعوتم اذ دعوتم اھل بیت نبیکم وزعمتم انکم تقتلون انفسکم دونھم حتی اذا اتوکم اسلمتموھم الی ابن زیاد وحلاتموھم عن الفرات بئس ما خلفتم نبیکم من ذریتہ ما لکم لا سقاکم اللہ یوم القیامۃ بئس القوم انتم (ناسخ ۲۵۱ اسرار الشہادۃ ۱۶۶)

اے قوم خدا سے ڈرو یقین مانو کہ محمد کی گراں مایہ امانت تمہارے سامنے ہے۔ یہ محمد کی ذریت اور ان کی عزت اور ان کی بیٹیاں اور ان کے حرم ہیں۔ تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے اور ان کے متعلق کیا ارادہ ہے کیا تمہیں ان کی یہ خواہش منظور نہیں کہ یہ جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں۔ وائے ہو تم پر اے اہل کوفہ تم کیا اپنے خطوط کو بھول گئے۔ اور اپنے ان عہدوں کو فراموش کر دیئے جو تم نے کئے تھے اور جس پر تم نے گواہیاں کیں تھیں۔ ہائے افسوس تم نے ان کو اپنے نبی کا اہلبیت سمجھ کر بلایا اور یہ گمان کیا کہ تم ان کے سامنے اپنی جانیں دیدو گے مگر جب وہ آگئے تو تم نے انھیں ابن زیاد کے سپرد کر دیا۔ اور انھیں آب فرات سے روک دیا اور اپنے نبی کی ذریت سے کس قدر برا سلوک کیا۔ خدا تمہیں قیامت میں سیراب نہ کرے۔ تم بہت بری قوم ہو۔

اسلام نے آخری حربہ جو مخالفین کے مقابلہ میں استعمال کیا تھا وہ بظاہر کچھ زیادہ وزنی نہیں تھا۔ مگر حقیقت میں نہایت سنگین تھا جس کا نام مباہلہ ہے۔

(پھر جو لوگ قرآن کا دل ہونے کے بعد عیسیٰ کے بارے میں تم سے محبت کرتے ہیں۔ ان سے کہدو آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم سب مل کر گڑگڑا کر خدا سے ایک دوسرے پر لعنت کی درخواست کریں (آل عمران ۳/۶۲)

یہ حربہ ہر شخص استعمال نہیں کر سکتا۔ اس حربہ سے وہی کام لے سکتا ہے جسے اپنی حقانیت کا پورا علم ہو جسکے سامنے سے حجاب اٹھ گئے ہوں۔ دیکھو حسینی مجاہد دشمن پر کیوں کر حجت تمام کرتا ہے۔ اور کس طمانیت کے ساتھ مباہلہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

قال ابن حماد وخرج یزید بن معقل فقال یا بریر بن خضیر کیف تری اللہ صنع بک قال واللہ صنع بی خیرا وصنع بک شرا فقال کذبت بل تذکرہا

انا اما شئت فی بنی لوذان" وانت تقول ان عثمان کان علی نفسہ سرفا وان معاویۃ ضال مضل وان امام الهدیٰ والحق علی ابی طالب فقال اشهد ان هذا رأی وقولی فقال یزید هل وانا اشهد انک من الضالین فقال له بریر هل لک ان اباهلک ان یلعن الله الکاذب ولیقتل المبطل ثم اخرج اباریک فخرجا فتباهلا ان یلعن الله الکاذب ولیقتل المبطل ثم تبارزا واختلفا ضربتین ضرب یزید بن معقل بریر بن حضیر فلم یضره شیئاً وضربه بریر ضربة نقدت المغفر وبلغت الدماغ فسقط والیه فی راسه (ناسخ ۲۴۳)

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ یزید بن معقل نے میدان میں نکل کر کہا۔ اے بریر تمہیں احساس ہوا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔ بریر نے کہا سچ ہے میرے ساتھ اس نے بڑی بھلائی کی۔ اور تیرے ساتھ برائی سے پیش آیا۔ یزید نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو ذرا اس وقت کو یاد کرو جب ہم تمہارے ساتھ میں سوداں میں جارہے تھے۔ اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان اپنے نفس پر اسراف کرتے ہیں۔ معاویہ گمراہ کن ہے۔ اور امام ہدایت وحق علی ہیں۔ بریر نے کہا بیشک میری رائے اور میرا قول اب بھی یہی ہے۔ یزید نے کہا میں تم کو گمراہ سمجھتا ہوں۔ بریر نے کہا اچھا تم اس بات پر ہم سے مباہلہ کر سکتے ہو۔ خدا جھوٹے پر لعنت کرے۔ پھر وہ باطل پرست کو قتل کرے پھر ہم تجھ سے مقابلہ کریں ہیں نظریہ کے بعد دونوں نے میدان میں نکل کر مباہلہ اور مقابلہ کیا۔ اور دو ضربوں کی رد و بدل ہوئی۔ یزید کا وار خالی گیا۔ اور بریر نے ایسی تلوار ماری جو خود کو کاٹ کر دماغ تک پہونچ گئی اور تلوار زخم سے نکلنے بھی نہ پائی کہ وہ گر کر ہلاک ہوگیا۔

حنظلہ بن سعد شامی کا بے نظیر خطبہ

حنظلہ بن سعد شامی (یہی سعد بن حنظلہ ہیں) امام کے سامنے کھڑے تھے اور جتنے تیر لشکر یزید سے آتے تھے اپنے سینہ پر روک لیتے تھے۔ اور اسلام کش لشکر سے کہتے تھے یا قوم انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب مثل داب قوم نوح وعاد وثمود والذین من بعدهم وما الله یرید ظلما للعباد ویا قوم انی اخاف علیکم عذاب یوم التناد یوم تولوا مدبرین ما لکم من الله من عاصم یا قوم لا تقتلوا حسینا فیسحتکم الله بعذاب وقد خاب من افتریٰ (ناسخ ۲۴۴ اسرار ۲۹۲)

اے قوم میں تجھ پر یوم الاحزاب اور قوم نوح وعاد وثمود اور ان کے مابعد والے لوگوں کی طرح عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا اور اے قوم میں تجھ پر عذاب روز قیامت کا خوف کرتا ہوں جس روز کہ تم منہ پھیر کر جہنم کی طرف پلٹو گے۔ اور عذاب خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اے قوم حسین کو قتل نہ کرو ورنہ عذاب خدا میں گرفتار ہو جاؤ گی۔ دیکھو جس نے خدا پر افترا کیا وہ گھاٹے میں رہا۔

وخرج زهیر بن القین علی فرس له فی السلاح

فقال یا اهل الکوفة ان حقا علی المسلم نصیحة المسلم ونحن حتی الان اخوة علی دین واحد مالم یقع بیننا وبینکم السیف فاذا وقع السیف انقطعت العصمة وکنا نحن وانتم امة واحدة ان اللہ قد ابتلانا وایاکم بذریة محمد لینظر ما نحن وانتم عاملون انا ندعوکم الی نصرهم وخذلان الطاغیة عبید اللہ بن زیاد فانکم لا تدرکون منه ومن عمر بن سعد الا سوء تقطعات ایدیکم وارجلکم ویمثلان بکم علی جذوع النخیل ویقتلان امثالکم امثال حجر بن عدی واصحابه وهانی بن عروة واشباهه ـ قال فسبوه ـ فقال لهم یا عباد اللہ ان ولد فاطمة احق بالود والنصر من ابن سمیة فان کنتم لم تنصروهم فاعیذکم باللہ ان تقتلوهم (اسرار الشهادة ۲۶۸)

زہیر بن قیس اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار لگائے برآمد ہوئے اور فرمایا کہ اے اہل کوفہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی نصیحت کا حق حاصل ہے اور ہم تم ایک دین پر ہونے کی وجہ سے بھائی بھائی ہیں. جب تک ہم سے تم سے تلوار نہ چلے اور جب تلوار چل گئی تو برادری منقطع ہوگئی ہم تم ایک امت ہیں. اللہ نے ہمیں اور تمہیں ذریت محمد کے بارے میں آزمایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں. ہم تم کو ذریت محمد کی نصرت اور عبید اللہ بن زیاد سرکش سے دستبردار ہونیکی دعوت دیتے ہیں. اس لئے کہ تم اس سے اور عمر بن سعد سے سوائے برائی کے کچھ نہ پاؤگے وہ دونوں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے اور درخت خرما کی شاخوں میں تم کو لٹکائیں گے اور تم لوگوں کو حجر بن عدی اور انکے ساتھی ہانی بن عروہ وغیرہ کی طرح قتل کرینگے۔ راوی لکھتا ہے کہ اس تقریر کا جواب دشمنوں کی طرف سے دشنام کے ساتھ دیا گیا. مگر آپ نے تحمل کرکے جواب دیا بندگان خدا! اولاد فاطمہ بنت رسول اللہ ابن سمیہ کی محبت ونصرت کے زیادہ حقدار ہے اگر تم ان کی نصرت نہیں کرتے تو میں ان کے قتل کرنے سے تم کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں. ان کے قتل ہی سے باز رہو۔

حر بن یزید ریاحی کی معرکتہ الآرا تقریر

یا اهل الکوفة لامکم الهبل والعبر دعوتم هذا العبد الصالح حتی اذا جاءکم اسلمتموه وزعمتم انکم قاتلوا انفسکم دونه ثم عدوتم علیه لتقتلوه امسکتم بنفسه واخذتم بکلکله واحطتم به من کل جانب لتمنعوه التوجه الی بلاد اللہ العریضة فصار کالاسیر فی ایدیکم لا یملک لنفسه نفعا ولا یدفع عنها ضرا وحلاتموه ونسائه وصبیته واهله من ماء الفرات الجاری تشربه الیهود والنصاری والمجوس ویتمرغ فیه خنازیر السواد وکلابه وها هم قد صرعهم العطش بئسما خلفتم محمدا فی ذریته لا سقاکم اللہ یوم الظماء (ناسخ ص۲۵)

کوفیو! تمہاری مائیں روئیں پیٹیں تم نے اس نیک بندے کو بلایا اور جب وہ تمہارے پاس آیا تم نے اس کو چھوڑ دیا پہلے تم نے یہ گمان کیا تھا کہ تم اس کی مدد کروگے پہلے تم نے یہ کہا تھا کہ تم اپنی جانیں اس پر نثار کروگے. پھر تم اس کے

ساتھ دھوکے سے پیش آئے۔ اور اس کے قتل کا ارادہ کرکے اسے مجبور بنا دیا۔ اور اُسے ہر طرف سے گھیر لیا تاکہ وہ خدا کے وسیع ملک میں نہ جا سکے۔ اب وہ تمہارے ہاتھوں میں گویا اسیر ہے۔ نہ اپنے کو نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ مضرت کو دور کر سکتا ہے۔ تم نے اسکو اور اسکے بچوں کو فرات کے آب جاری سے روک دیا ہے جسے یہود و نصاریٰ پی رہے ہیں۔ اور عراق کے سور اور کتے اس میں لوٹ رہے ہیں۔ اور اب وہ پیاس کے مارے تڑپ رہے ہیں کیا بُرا سلوک کیا تم نے ذریت محمد سے خدا تم کو قیامت میں سیراب نہ کرے۔

تبصرہ ان خطبوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد جہاں ان خطیبوں کے حسن تکلم اور قادر الکلامی، فصاحت و بلاغت۔ جوش ایمانی انتہائی استقلال و شجاعت کی کھلی ہوئی نشانیاں موجود ہیں وہاں جدال حسن اور اتمام حجت کے بھی بے نظیر نمونے نظر آ رہے ہیں۔ الحق ایسے نازک وقت میں یہ عینیت اور اصول تبلیغ کی یہ مراعات اور اتمام حجت کا یہ لحاظ انہیں بہادروں کا کام تھا۔ وقت اور موقع کا خیال مخاطبین کی حیثیت کا لحاظ ادائے مطلب کا طرز۔ حجت کے تمام کرنے کا طریقہ استدلال کا عنوان یہ سب ہی باتیں تو ان خطبوں میں قابل غور اور لائق فکر ہیں۔

دیکھو ایک مختصر سی۔ مظلوم اور مجبور اور چاروں طرف سے گھری ہوئی جماعت کا ایک تشنہ لب خطیب بریر بن خضیر ایک ظالم و جابر و متغلب اور اسلام کش کلمہ گویوں کی بے شمار جماعت کو حدیث ثقلین یاد دلا کر حجت تمام کر رہا ہے اور اس مرجع ملامت قوم کو اس کے ناروا حرکات اور غدارانہ چالوں پر متنبہ کرکے جدال حسن کی تعمیل کر رہا ہے اور کس خوبی سے اس محو یہ شامی مجمع میں بھی علی کی حقیقت اور اغیار کی ناحق کوشش کو واضح کرکے انتہائی شجاعت و یقین کے مظاہرے میں مباہلہ کی دعوت دیتا ہے۔ اور دوسرا خطیب حنظلہ بن سعد کس طرح مثالیں دے دیکر اس منحوس قوم کو عذاب الٰہی اور اس کے عدل سے ڈراتا ہے اور تیسرا خطیب زہیر بن قین کلام نرم کی تعمیل میں کیسے کیسے نرم الفاظ۔ ناصحانہ انداز برادرانہ و مخلصانہ طور سے اس ناانصاف قوم کو سمجھاتا ہے۔ اور اسکے لالچ کے اتمام پر اسکو متنبہ کرکے دشنام کا جواب صبر و تحمل سے دے کر کسی طرح اپنے مطلب پر آتا ہے۔ اور اس خونخوار مجمع کو دختر رسول کا واسطہ دے کر مظلوم حسین کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور چوتھا خطیب حر بن یزید ریاحی ایک تازہ مسلمان ہونے سے غیض و غضب اور جوش میں ڈوبا ہوا ہے اسلئے اس کے ابتدائی الفاظ کسقدر سخت ہیں مگر فوراً ہی وہ اپنے مطلب پر آ جاتا ہے اور اس ظالم قوم کو متنبہ کرکے اپنے حق کو ادا کر دیتا ہے۔ لیکن وہ دشمن ناشنو کی طرح متوجہ نہیں ہوتے۔

جنت کے دلکش نظارے حسینی اصحاب کی معراج

مسکرا کر شہ والا نے کہا کیا دیکھا
وہ پکارے ثمر الفت مولا دیکھا
جیتے جی جنت فردوس کا جلوا دیکھا
اپنے گھر دیکھ لئے سایۂ طوبےٰ دیکھا

دیر اب کتنی ہے مرنے میں ہمارے مولا
جان و دل لے گئے حوروں کے اشارے مولا

شاعر نے جس مضمون کو ادا کیا ہے وہ اسلام کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔ شیخ قطب الدین راوندی ابوحمزہ ثمالی سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت علی بن الحسین فرماتے تھے۔ جس شب کی صبح کو شہید ہونے والے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے فرمایا ،، یزیدیوں" کو میرے سوا کسی سے غرض نہیں۔ پر وہ شب حائل ہے۔ تم واپس چلے جاؤ۔ میں اپنی محبت تم سے اٹھائے لیتا ہوں۔ صحابہ نے ایک زبان ہو کر کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ امام نے فرمایا کل کوئی نہیں بچے گا۔ صحابہ نے کہا خدا کا شکر اس نے ہمیں آپ کے ساتھ شہید ہونے کے شرف سے ممتاز فرمایا۔ امام نے اس آزمائش کے بعد فرمایا:۔

ارفعوا رؤسکم وانظروا فجعلوا ینظرون الی مواضعھم ومنازلھم فی الجنة وھو یقول ھذا منزلک یا فلان وکان الرجل یستقبل الرماح والسیوف بصدرہ ووجھہ لیصل الی منزلہ فی الجنة

(ناسخ۔ اسرار) الخرائج والجرائح۔ بحار شفاء الصدور)

اچھا اپنے سر اٹھا کر دیکھو۔ ان لوگوں کو اپنے مقامات اور منزلیں جنت میں نظر آنے لگیں۔ امام فرماتے جاتے تھے اے فلاں یہ تیری منزل ہے۔ یہ تیری منزل ہے اور اسی وجہ سے نیزوں اور تلواروں کو اپنے سینوں سے روکتے تھے کہ جنت میں اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

مقتل ابومخنف اور مہیج الاحزان میں ذیل کی عبارت ہے
قال یا اصحابی ان ھذہ الجنة فقد فتحت ابوابھا والتصلت انھارھا۔ واینعت ثمارھا۔ وزینت قصورھا وتولفت ولدانھا وحورھا وھذا رسول اللہ والشھداء الذین معہ وابی وامی یتوقعون قدومکم ویتباشرون بکم وھم مشتاقون الیکم

(مقتل ابومخنف ۴۲ مہیج ۱۹۴)

فرمایا یقین جانو یہ جنت ہے جس کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور نہریں اسکے متصل ہیں وہ میوے اس کے رسیدہ ہو گئے۔ قصر اس کے مزین ہیں۔ حور و غلمان اسکے آراستہ ہیں۔ یہ رسول اللہ اور ان کے ساتھ کے شہداء اور میرے والدین تمہارے آنے کے منتظر ہیں تم کو بشارت دے رہے ہیں اور تمہارے مشتاق ہیں۔

صدوق عمارہ کی سند سے علل الشرائع میں روایت کرتے ہیں کہ آل محمد سے پوچھا گیا کہ حسین اصحاب مرنے پر اس قدر کمربستہ کیوں تھے۔ فرمایا ان کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے گئے تھے۔ تاکہ حوروں سے بغلگیر ہوں اور جنت میں اپنی جگہ پر قابض ہو۔ (شفاء الصدور ۲۹۶)

معززاصحاب کی آنکھوں سے پرکدورت دنیا میں ہر مرتبہ حجاب کا اٹھنا اور انکا جنت کو گہری نظر سے دیکھ لینا ہماری آنکھوں سے ان کے فضائل اور خصوصیات کے پردے اٹھائے دیتا ہے کیونکہ یہ مشاہدہ عرفاء کے اصطلاحی مکاشفہ سے بہت بالاتر تھا۔ اسلئے مراد عرفاء کی مکاشفہ سے یہ ہے کہ "جسم برزخی" عین کاشف" کے سامنے آجائے اور یہاں جسم برزخی کا مشاہدہ نہ تھا بلکہ عین جنت آنکھوں کے سامنے تھی۔

(اسرار صفحہ ۲۷)

تبصرہ

کہا جاتا ہے (۱) کہ انسان جنت کو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ جو روایات بتاتے ہیں کہ جنت میں دیکھی گئی ان کی تائید جب تک قرآن سے نہ ہو اسوقت تک میزان اعتبار میں انکا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن کی ذیل کی آیت اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہے۔

والذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ فلن یضل اعمالھم سیھدیھم ویصلح بالھم ویدخلھم الجنۃ عرفھا لھم (محمد ۱؎) وہ لوگ جو خدا کی راہ میں قتل ہوگئے ان کی کارگذاریوں کو خدا اکارت نہ کرے گا۔ اور عنقریب ان کو منزلِ مقصود پر پہونچا دیگا۔ اور ان کی حالت درست کر دے گا اور انھیں جنت میں داخل کر دے گا جسکا انھیں پہلے سے شناسا کر رکھیگا۔ جلہ عرفھا لھم اس امر پر کہ دنیا میں جنت دیکھنے کا امکان ہے کافی روشنی ڈال رہا ہے اور شہیدوں کے لئے دنیا ہی میں معائنہ جنت کی تجویز کو تقویت دے رہا ہے۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ اگر ایک انسان جنت کی زیبائشوں سے اپنی آنکھوں کو جلوہ گاہ بنائے تو اسکی جامع مثال ارضی مجاذب اور مقناطیسی و مرکزی کشش ہے یعنی اگر حسین اصحاب نے جنت کا معائنہ اور حور و قصور کی زیارت کر لی تو انکا جنت کیطرف کھنچ جانا ایک لابدی امر تھا۔ اور ایسی صورت میں ان کے کارنامہ جوذر سے اور اختیار سے نہ تھے بلکہ جو کچھ اس موقعہ پر کہا جاسکتا ہے وہ جنت کی پر زور کشش ہے مقناطیس اگر لوہے کو کھینچ لے تو اس سے لوہے کی کوئی مدح نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ مقناطیس کا زور تجاذب بیان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جنت کے دیکھنے اور انسان کے کھنچ جانے میں کوئی جزم عقلی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے جنت کا نظارہ قلب میں کوئی تڑپ نہ پیدا کرے۔ شیطان نے جنت کے زاویوں کا حسن اطمینانی نظر سے معائنہ کیا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ مگر باوجود اس کے جنت اسکو کھینچ نہ سکی۔ اس نے نہایت آزادی سے خدا کی نافرمانی کی۔ اور جنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہدیا۔ (اعراف ۱۴؎)

ہمیں جنت کے جاذب نظر ہونے میں کلام نہیں لیکن اگر ناظر جذب ہونے کا ارادہ نہ کرے تو وہ کمند ڈال کر جذب نہیں کر سکتی۔ اب رہا جذب مقناطیسی پر معائنہ جنت کا قیاس وہ کسی طرح درست نہیں ہے مقناطیس میں قوت جاذبہ ضرور ہے۔ مگر وہ لوہے کو اس لئے کھینچتا ہے کہ لوہے میں بھی جذب ہونے کی صلاحیت ہے، وہ پتھر کو جذب نہیں کر سکتا کیوں کہ پتھر میں جذب کی صلاحیت نہیں ہے۔ مقناطیس میں قوت جاذبہ ہے لیکن اگر لوہے اور مقناطیس کے درمیان کوئی پتھری چیز حائل ہو اور پھر بھی لوہا مقناطیس کی طرف اڑ جائے تو ہم جانیں۔ معائنہ جنت میں کشش ہے اور اصحاب حسین میں کھنچ جانے کی صلاحیت مگر وصال اور جنت کی شاہراہ میں حب نفس کا بڑا وزنی پتھر حائل ہے اپنی ہی گردن کے خون کے ریلے سے اس پتھر کو بہا دیں تو منزل مقصود تک پہونچیں۔ پھر قابل غور یہ بات ہے کہ جنت تو ان کو ایکمرتبہ دکھا دی گئی تھی۔ اگر جنت کی تصویر ہر وقت ان کے پیش نظر رہتی تو وہ تصویر کو سامنے رکھکر

اپنی جان تلف کر کے اپنے خون سے اس میں رنگ بھر سکتے تھے۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔

اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ اگر پتیلی کو لبریز کر کے آگ پر رکھو گے تو وہ ابل پڑے گی ایک بھوکے کے سامنے لطیف کھانے چن دیئے جائیں گے تو وہ ٹوٹ پڑیگا۔ ایک شخص کو اگر اسکی امید سے بہت زیادہ بلند بام ترقی پر چڑھا دیا جائے گا تو وہ انتہائی مسرت میں اپنے کو کوٹھے سے گرا کر ہلاک کر دیگا۔ وہ مخبوط الحواس ہو جائے گا۔ دیکھو ایک وصال کا بھوکا جب کامیاب ہوتا ہے اور اسے دولت کی زیارت نصیب ہوتی ہے تو وہ اس نعمت کے ملنے کی وجدانی مسرت اسے شادی مرگ میں مبتلا کر دیتا ہے غالب نے اس فلسفہ کو ذیل کے شعر میں نظم کیا ہے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

اس نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنت کا معائنہ اصحاب کے کمال عرفان اور حالات کی دلیل ہے۔ اگر اس موقع پر کچھ اور تنگ نظر افراد ہوتے تو وہ اس سے اپنے بہبود کے خلاف جلد بازی سے کام لے کر جنت کے دیدار کا خودکشی سے استقبال کرتے، انتہائے شوق بے امتیاز اور غیر معتدل عنوان سے گردنوں کو ناپتا۔ اور اس خیال کی اجازت نہ دیتا کہ ہم جنگ کی ابتدا کر رہے ہیں۔ یا دفاعی اقدام کر رہے ہیں۔

علاوہ اس کے ایک بے دین جماعت کہہ سکتی ہے کہ معاذ اللہ یہ بنی ہاشم کی طلسم کاریاں۔ اور ساحرانہ کرشمے ہیں۔ مگر حسین کے جانثاروں نے خود سے اپنے ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال لی تھیں۔ اگر اس جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو فرط شوق میں امام سے اجازت کی بھی ضرورت نہ سمجھتا۔ اور اپنے کو لشکر مخالف پر ڈال دیتا۔ مگر حسین کے اصحاب کی شان شوق "عمومی نتایج سے بالکل جداگانہ تھی کوئی شخص بغیر اذن امام کے ایک قدم آگے نہیں بڑھاتا تھا۔ اور اگر کوئی اتفاقی بڑھ گیا تو فوراً واپس آتا تھا۔ اور امام سے عفو کا طالب ہوتا تھا اتنے بڑے معرکہ میں ان امور کا خیال ایک حیرت انگیز طمانیت اور سکون کا پتہ دیتا ہے۔ عروہ (حر کا غلام) اپنے مالک کی شہادت کے بد بیخود ہو کر بغیر اجازت امام جنگ کے لئے چلے گئے تھے جب یہ خیال آیا تو فوراً پلٹے اور عرض کیا کہ فرزند رسول مجھے عفو فرمایئے۔ میں آپ سے بغیر رخصت حر کے قتل سے بے خود ہو کر بڑھ گیا تھا۔

مجتبیٰ حسن کاموں پوری
ڈاکٹر تاریخ و فلسفہ اخلاق و علوم تربیت حمیدہ
از یونیورسٹی مصر وصدر الافاضل جامعہ سلطانیہ
و فقہ فاضل الہ آباد۔

سلام

رشحات قلم حقیقت رقم امیر ابن امیر عالی جناب نواب تراب یار جنگ بہادر سعید دام اقبالہٗ جاگیردار حیدرآباد دکن

بسر کرتا ہوں اپنی عمر اسی امید وارماں میں
جو مرنا ہے تو مر جاؤں غمِ شاہِ شہیداں میں

احد میں، بدر میں، خیبر میں اور خندق کے میداں میں
علیؑ کی تیغ کیا تھی ایک حملہ تھی لعزو ایماں میں

خدا حافظ ہے اُن سب کا جوان میں رہنے والے ہیں
پڑے ہیں چند خیمے گرم ریتی پر بیاباں میں

ذرا دیکھو نگاہِ غور سے تو اے مسلمانو
پڑے ہیں تفرقے کیسے مسلماں در مسلماں میں

علیؑ کی تیغ جس غزوے میں چمکی یہ دُہائی تھی
خدائی جس کے قبضہ میں ہے آیا ہے وہ میداں میں

علیؑ کا بستر احمدؐ پہ سو رہنا ضروری تھا
نہ ہوتا یہ تو پھر کیا تھا شبِ ہجرت کے ساماں میں

فرات آ جائے کھچ کر پاس قدموں کے تعجب کیا
علی اصغرؑ کو لے کر شاہِ دیں آئے ہیں میداں میں

کنارہ جن کا جنت ہے وہ ہے بحرِ غمِ سرورؑ
مجھے ساحل نظر آنے لگا اشکوں کے طوفاں میں

سعید اپنا عقیدہ ہے کہ ہیں آٹھوں بہشت اپنے
پہنچ جانا ہے ہم کو روضۂ شاہِ خراساں میں

سلام دیگر

ہوئی معراج آنکھوں کو غمِ سبطِ پیمبر میں
ہمارے آنسوؤں کے تار ہیں زہراؑ کی چادر میں

نجف نظروں میں ہے میں ہوں غدیرِ خم کا متوالا
شرابِ حُبِّ حیدر بھر رہا ہوں دل کے ساغر میں

نہ تھے پیوند وہ تھے آیۂ تطہیر کے جلوے
بنی تھیں صورتیں قرآن کی زہراؑ کی چادر میں

زباں پر یا علی آنکھوں میں اشک ماتمِ سرور
پہنچنا ہے تو پہنچوں گا اسی صورت سے محشر میں

سعید اپنی جبیں کی یہ لکیریں صاف کہتی ہیں
زیارت چودہ معصوموں کی لکھی ہے مقدر میں

His High Eminence Dr S Mujtaba Hasan Kamoonpuri—Doctor of Philosophy and Islamic History (Al Azhar Egypt)

Syed Sultan Hosain Esq
Lucknow

Khan Bahadur M. S. Sajjad Hosain Sahab Bahadur
Retired Assistant Resident
Gwaliar.

S Haidar Abidi Esq.
B Sc (Alig.)
Hon Magistrate and Rais
Naugawan Sadat, Dist Moradabad

Late Nawab Ahsan Ali Khan Sahib Bahadur

Al-Haj Nawab Ehsan Ali Khan Sahib Bahadur

Hur.—Reason says, "Connive at shame and seek also no honour;" but Love says, "Why hast thou held thy tongue from speaking?" Unsheath the glittering sword, and put the world in confusion; slay the horse and his rider one after the other, and make streams of blood flow.

'Abbas.—I am standard-bearer of the army of Husain the king over land and sea. Nay, I am a slave born in the house of the family of God's Prophet. Be good enough to tell me the number of thy army, and please give me full information about the same.

Hur.—Who art thou, good-tempered young man, that inquirest about the number of the army of 'Ubaid the son of Ziyad? Why art thou come out against us to prevent our march? Tell me, thou heaven-throned one, to whom art thou tied by affinity or consanguinity. Thou wonderfully resemblest 'Ali as regards thy complexion. Tell me, art thou related to the king of Karbala or not?

'Abbas.—I am he whose name is 'Abbas, from the terror of whose sword heaven's back is bent into a bow! I am he whose father is 'Ali, the friend of God, who could over-throw lions in the field of courage! If I draw out my sword from its sheath, lions' hearts shall melt into water from fear. Seeing thou hast learned now what my name is, be so kind as to let me know what thine is in truth.

Hur.—I am called Hur. None throughout Arabia can equal me in war. I am one who with my hair-splitting sword can rend the heart and breast down to the waist. If I draw out my flint-splitting sword, heaven and earth shall withdraw themselves through fear. With the dust of the hoofs of my gold-stirruped horse I can darken the bright face of the shining sun. I am not boasting, O just and pious man; if thou canst not believe me come and see.

Note—Gentlemen who have not sent in their subscriptions as for should kindly remit atonce and oblige.

MANAGER.

to intercept him. 'Alas! said Husseyne, 'encumbered with all this family how can I return ?" 'Up,' replied his friendly monitor, 'quit the road and retire to one side.' Husseyne accordingly decamped, and quitting the direct road, proceeded on one side to a place called Kerbela, where he again pitched his tents.'—Price's "Chronological Retrospect of Mahommedan History," vol. i. p. 397, ed 1811.

Husain (encamping in the vicinity of Kufah)—Fate, in this journey, will release us from the confinement of this world; Destiny's hand will pass us soon from humility to exaltation. The unstable spheres made me wander away from the divine sanctuary, and are now impelling me with strong impulse to the sacred shrine of Karbala. I see heaven during this journey is about deprive Zainab of patience, and Umm Lailah of endurance, by bereaving me of my son.

Zainab—I know well this journey is freighted with misfortunes, but what the spheres have ultimately in view I cannot tell. From the tinkling of the caravan bells one can well infer that the journey is a dangerous one.

Husain—Aye, dear sister, this journey comprises numerous troubles; it involves painful sorrows for brothers, distracting grievances for sons! The bank of that river must embrace the elegant stature of thy noble Abbas, deprived of his hands, as a palm tree of branches.

'Ali Akbar.—O friends, the ramparts of the city of Kufah are quite manifest to the view; I can see the very branches of her palm plantation from here. Give notice, O Zephyr, to the inhabitants of the city of the arrival of roses at the rose-garden; whisper in their ears that the sweet-tongued parrot is come.

Husain.—The aspect which thou viewest cannot be a rose-garden, O nightingale. If it be a garden at all it must be one filled with thorns. The long, slender things which thou seest with thine eyes cannot be palm trees, dear one, they are spears and lances borne by the people of Kufah.

daughter. By God, the same bed shall never hold us two any more" and she immediately leaped out of bed and ran away. He, however, soon procured another of his country-woman to supply her place, who afterwards reported that she was not able to sleep all that night, because of a light which she saw streaming up towards Heaven from the place where Husain's head lay and white birds continually hovering about it. Haula (Khooli) the next morning carried the head to Obeidulla, who treated it with great indignity and even struck it over the the mouth with a stick; upon which Zaid, the son of Arqom, said to him, "Cease striking with the stick for I swear by Him, besides Whom there is no other God, I have seen the lips of the Apostle of God (Peace be upon him) upon these lips." Obeidulla angrily replied that if he was not an old man and out of his wits he would strike his head off.'

THE MIRACLE PLAY

OF

HASAN & HUSAIN.

Colonel Sir Lewis Pelly, K. C. B., K. C. S. I.

WITHDRAWAL OF

Husain from the Road to Kufah.

HURRYING on to the treacherous city of Kufah, Husain "with his little troop had arrived and encamped within three stages of Kadesiah. And a person of the name of Khur bee Yezzeid, secretly attached to the family of Ally, having been directed by Omar Saud to level the wells and places of refreshment in the desert, came rather unexpectedly on the encampment of the Imaum, whom, when he found that he was thus far on his way to Kufah, he earnestly entreated to return without delay, for that his agents had been put to death and that Omar, the son of Saud, with four thousand men, was just at hand

control." "O son of Marjana ! "replied Zainub, "If at all my brother wanted the Caliphate, it was an inheritance of his grandfather. But, think of thyself and consider the day on which God will be the Judge and the Prophet the complainant and Hell will be thy Penitentiary." "O daughter of the brave soldier and orator Ali ! " said the governor with shame, "you are courageous enough to argue with me " "Courage" replied Zainub, ' is no qualification for a lady , but I know how to talk." At this stage, Imam Zain-ul-abidin interfered and said to Ibni-Ziad "O son of mean birth ! how long will you behave with such incivility with my aunt ?" The governor got wild at this interference and ordered one of his men to behead the Imam, who smiled at the order and said "You threaten me with death. Do you not yet know that we have practised death and that martyrdom is our glory ?" But Zainub at once caught hold of her nephew and said, "O son of Ziad ! except this one we have no other male member in our family. Do not deprive us of this only son."

It is strange that a stone-hearted fellow like Ibni-Ziad melted away at this appeal of Zainub and abandoned the idea of beheading Imam Zain-ul-abidin. It was all the work of the Almighty Who controls all Destinies and can save His obedient servant and preserve him to live on earth, as the representative of His Image on earth. The analogy of this can only be found in the Old Testament in the case of Moses. Moses was brought up in the palace of Pharoah, the greatest enemy of the Israelites, and his only intention was to efface from the earth all the descendants of Jacob and to deprive it of all godly creatures, as he thought their existence a bar against the unholy belief of his divinity.

Simon Oakley records the following incidents connected with the head of Husain:—

Haula (Khooli) who had his head went away post with it to Obeidulla, but, finding the castle shut, he carried it home to his house and told his wife that he had brought her the rarity of the world. The woman was in a rage and said, "Other men make presents of gold and silver and you have brought the head of the son of the Prophet's

Dr K A A Ansari
Ph D C E, M I E I M S I,
A M T P.I.,
Member German academy
Town Planning etc,
The Mall Agra

Maulvi Shabeehul Hasnain
B. A & H P S/O
Late His Holiness
Mustanadul Ulama Alhaj
M Mohd. Ejaz Ali of
Budaun

2 **Mr A. Arakie**
the best Table Tennis
player in Calcutta
For details see Islamic
world for April 1940.

1 **Mr M. A. Kabuli**
Who is expected to repre-
sent India for the world
championship of
Table Tennis
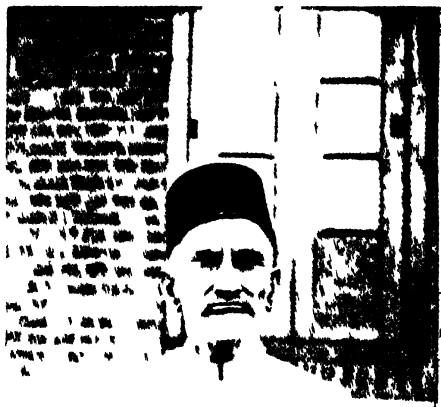
S Baqir Hosain
RaisBarsat-Karnal

Alhaj His Holiness- Amjadul Ai
zil M Qazi Ali Amjad Hosain
of Budaun

His High Eminence Shamsul-
Atibba M H. Jafar Hasan
of Budaun
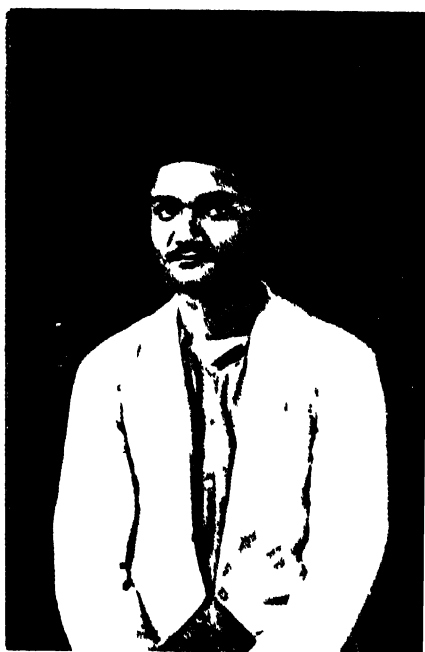
S Wazir Hosen grand son o
Nawab Mir Nawazish Ali
Khan Br of Lucknow.

Ummi Kulsoom asked him what he wanted. He said, "You have all been liars and your grandfather was a liar too. God has humiliated you and has left you to my mercy." "O enemy of God ! O illegitimate son !" retorted Ummi Kulsoom, "a liar is a sinner. It is the sin that really disgraces a man and thou art only too fit to be called a sinner. Wait thou for the eternal fire burning incessantly for thee." Obeidulla replied, "You make mention of the fire of Hell. But I have cooled my soul by persecuting you all." "Yes," replied Husain's sister, "you have shed the blood of the most sacred and pious servants of God, namely, the Ahlul-Baith of the Prophet." Obeidulla was about to order his soldiers to behead Ummi Kulsoom; but one of his friends advised him not to be irritated by her cuting replies, as she was only a woman.

Zainub, who was sitting without a head-covering and was hiding her face with the hair of her head and the sleeves of her jacket, now repeated a few lines, the translation of which is given below.

Damned be your mothers ! You have butchered my brother in a helpless state. In return, you will certainly obtain a fire ever flaming. God is a witness to the facts that you killed my brother, thought it allowable to treat his family with disrespect and robbed them of all their property. You have shed the blood, which you were prohibited to do by the Koran and by the Prophet. You have taken his family out without head coverings to hide the faces of its members. How hard it is for me, for my mother, father and grandfather that we should stand here bound in chains and to see the head of my beloved brother mounted on a lance !"

Obeidulla asked of his soldiers as to who recited those heart-rending lines. When he learnt that it was Zainub, he asked her to speak to him, for the sake of her grandfather, the Prophet. She said, "What more do you want ? You have disgraced us in the presence of all the people, good and wicked." He said "Did you see how God treated your brother who wanted to snatch away the Caliphate from Yezid's hands ? His hopes were frustrated and God had left him under my

sudden noise interrupted her. She soon noticed a crowd with the head of her brother in the middle accompanied by the heads of eighteen other martyrs who were related to Husain. This moved Ummi Kulsoom to tears and in a passion of grief and anger she cried, "What answer can you give when the Prophet questions you on the maltreatment of his family after his demise ? Had he told you to ill-treat his family in compensation for his labours to train you from being a set of nomads to being a civilised nation ? I fear the wrath of God may come down on you as it came upon the previous nations.

Sahli Saidi, an Associate of the Prophet, says: "This year I had been to Mecca for the pilgrimage and, when I returned to Kufa, I found the people to have struck work. The shops were all closed. Some were weeping and some laughing. I went to one of them and asked him the cause of the conflicting agitation prevailing all over the country. He took me to a remote corner and explained what had taken place at Karbala. Suddenly, the sound of a bugle distracted my attention from his words and I noticed a number of flags waving, accompanied by military columns, hooting and sounding their drums heavily. The head of Husain, that was mounted on a lofty lance, caught my sight. It was extraordinarily beautiful and shone like a luminous body and was repeating some Koranic verses. The sight created an awe in me and a suffocating grief rendered me speechless." I was gazing at it steadily, my eyes streaming with tears.'

The heads and the captives were then taken to the palace of Obeidulla bin Ziad. When Imam Zain-ul-abidin witnessed the son of Ziad seated arrogantly on his richly decorated chair, the Imam rebuked him, saying. "Shortly yourselves and ourselves will stand before God and He will question you and us, as regards your actions and our actions in this world Are you prepared to answer those questions ?" The governor said nothing, but looked towards the ladies and asked which of them was Ummi Kulsoom. When he got no reply, he again said. "For the sake of your grandfather, please speak to me."

camels and taken towards Kufa. The enemy had buried the bodies of their own soldiers killed in the conflict and left those of Husain and his brave supporters un-interred. When the family of the murdered Imam passed by the bodies exposed to such ignominy, the only surviving son of Husain gazed at the scene and was about to faint and succumb to death, when Zainub inspired life into him with these words, "My nephew ! This has been the decree of the Almighty accepted by your father. Let not your soul be afflicted with the pitiable spectacle."

Abu Makhnaf writes: "I was present in Kufa when the pillaged family of Husain reached there. Imam zain-ul-abidin was seated on the bare back of a camel bound in chains. His thighs were bleeding and he was uttering, "O cursed people ! May not the Lord moisten your soil with showers ? You have not paid any regard to our grandfather. the Prophet. What reply can you give, if we and the Prophet jointly question you on the Day of Reckoning ? You carry us on camels without either litters or saddle cloths on them. You treat us like ordinary people, as if we are not the Founders of Religion. O Omiades ! what does your silence mean at our distress and hardship ? Why do you not reply to our cries ? Out of joy, you clap your hands behind us and you tease us on the way. May you be destroyed ! Was not our grandfather, the Prophet, who saved the world from falling into the pit of ignorance ?"

"The Kufian ladies," continues Abu Makhnaf, "distributed three walnuts and an equal number of dates to each of the children among the Prophet's family. But Ummi Kulsoom, Husain's younger sister, snatched them from the hands of the children and threw them away, saying that the Prophet's family had been disallowed to accept alms. The Kufian ladies raised a chorus of mourning when they heard that the Prophet's family was so roughly handled. Ummi Kulsoom then said, "Your males destroy us and you ladies weep over our misfortunes. The excesses of these people have passed all limits and their crimes have reached so far as to bring down Heaven to Earth and smash mountains to pieces.' Ummi Kulsoom had not finished the last sentence when a

one place, the lance pierced deeper than it did anywhere before. He pressed it still further into the ground; but, alas! when he pulled it out, the body of the infant came out with it. Even his head was severed and mounted on a lance, where it shone like a star among the heads of the grown up martyrs.

Next, the tyrants turned towards the tents which they pillaged and stripped the ladies of their apparel and head-coverings. Imam Zain-ul-abidin was lying on a skin. They threw him off and carried away the skin. They then set fire to the tents; the ladies and children began to run about in confusion, for fear of being burnt alive. Zainub, with perfect presence of mind, collected them all at a certain spot in the open air and, assisted by some of her unfortunate lady associates, she brought her ailing nephew there, with a great effort.

Some of the enemy went to the dead bodies to steal away what they could find on them. Yahya bin Kaab carried away Husain's garment (undercoat), Ashas bin Qees his shirt and a member of the Wahbia Tribe ran away with his sword. "The horse of Husain," says Abdulla bin Abbas, "as I have heard from those present on the field of Karbala was frantically wandering here and there after the brutal murder of its master and, with a thundering neigh, searched for the body of Husain. When it was found, the horse cloured its forehead with the blood of his neck and began to dash sometimes its own head and sometimes the fore-feet on the ground with extreme grief and despair. When Omar bin Saad saw this, he ordered his men to catch it. But the horse killed several of them by its kicks.' Like one rendered mad, it ran away to the family of the martyrs. When Zainub Ummi Kulsoom, Sukaina and others saw the horse with no rider on it and the saddle inverted, they gave vent to an expression of the most violent mourning.

The unfortunate family of Husain spent the night and the following day on the open plain of Karbala, surrounded by the brutal forces. On the third day, they were mounted on the bare backs of

become violent in their speech, and say things which are best unsaid. They should remember the lines of Maulana Room تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی We find in our Majlises every year an ever increasing number of our Sunni brethren who are always very welcome in our midst to come and listen to the great debt which Islam owes to the grandson of the Prophet and his faithful followers, and to share our sorrow at the tragedy which enacted on the plain of Kerbala. We pray for all our preachers specially for M L. A. Haidari and we again look forward to his coming next year with love and sincerety.

Misfortunes of Husain's Family.

HAD the battle of Karbala been a fight for the acquisition of territory and had the myriads that were sent by the inhuman monarch and his brutal governor fought with Husain for the political supremacy of Yezid, there should have been an end to the display of this animosity and savagery with the atrocious murder of Husain. But their devilish nature, their inborn hatred of godliness and virtue and their brutal temper, ever ready to oppress the innocent and persecute the meek, did not permit them to stop their tyranny but led them to commit still worse crimes. Just to obey, to the very letter, the orders of the pitiless governor of Kufa, Omar ordered ten of his horsemen to have their steeds newly shod and commanded them to trample over Husain's body several times, to and fro, with the result that the ribs were smashed to pieces and bits of flesh were strewn here and there on the sand.

The severed heads of the martyrs were mounted on the lances. But, as the body of Ali Asghar, Husain's infant, was missing, a lancer was ordered to make a search. He came near the place where he expected Husain to have buried his son and began to find out the exact spot by examining, with the aid of his lance, the softness of the soil. In

Advantage was taken of the presence of Maulana Liqa-i-Ali Haidari at Calcutta by those gentlemen who were keen to offer an opportunity to their intimate friends to listen to his discourses. Such Majlises were held at the residences of Mr. Khalilee and Mr. Dossani, while another Majlis was held on the 25th inst at the residence of Khan Bahadur Mirza Abu Jaffer, Inspector of Schools. The Majlis was attended by a very large number of educated Muslims, both Shias and Sunnis and among those who were present could be seen, Khan Bahadur Buddruddin Ahmed, Mr. Badiur Rahman, Assistant Director of Public Instruction for Mohamedan Education, Mr. Fakhruddin Ahmed, Secretary. Public Service Commission, Prof. Mahfuzul Huq, Prof. Taher Razvi, Mr. M. A. M. Kashani, Mr. M. A. C. Kashani. Mr. M. H. Kashani, Mr. Furrukh Mirza, Rev. Allama Hindi and others. For this Majlis the subject proposed to Maulana Haidri, by Khan Bahadur Abu Jafer was "The debt which humanity owes to the Martyr of Kerbala. "In a very exhaustive lecture lasting for nearly two hours the Maulana explained the real significance of the great sacrifice and the debt which humanity owes to the great Hero of Islam. The last Sermon was in Sibtainabad Royal Imambara at Matia Burj. The audience consisted of Ulemas, members of Ex Royal Family of Oudh and prominent Muslims-Shias and Sunnis. The learned discourse of the Maulana removed many doubts and misgivings about the Majlises of the great Hero.

We in Calcutta are very fortunate that for the last few years preachers of the calibre and class of Maulana Liqa-i- Ali Haidari and others come every year amongst us and refresh our memory with the teachings of Islam and its true spirit. In the lectures and addresses given by them in general and by Maulana Liqa-i-Ali in particular there is a very happy absence of any adverse hint or comment which might in any way hurt the feelings and the susceptibilities of moslems of other school of thought. We all welcome this change and thank Maulana Liqai Ali who always displays real missionary spirit by being scrupulously clean and polite in his remarks. He should be an example to others who in their enthusiasm and keenness for applause from the masses

S Ale Raza Esq.
Advocate, Lucknow,
S/o The Honourable Mr. Justice
Raza, Judge Chief Court
Lucknow.

S. Ali Hasain Esq. Zaidi
Advocate,
Muzaffarnagar

K.B. G.H.
Dussani Esq.
A leading merchant
of Calcutta
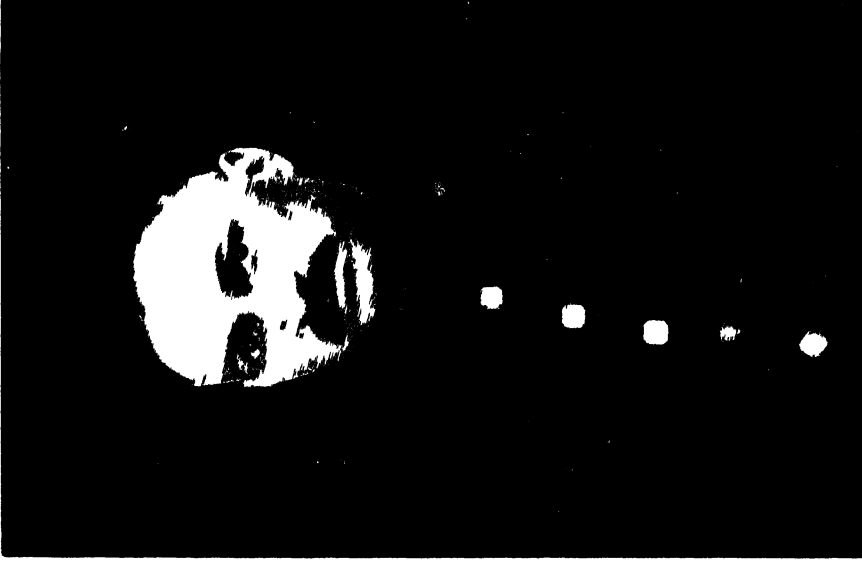
number of learned preachers in the person of Maulana Mohamad Liqai Ali Sahab Haidari, Maulana S. Kalbe Hasan Sahab alias Kabban Sahab and Maulana Mohamad Razi Sahab, while khan Bahadur Mirza Abu Jaffer M. A. inspite of his multifarious official duties gave two brilliant and dashing speeches at Golkothi Imambara and one at shahi Imambara Matia Burj to overflowing houses. The Carmichael Hostel Majlis committee organised and held the annual Majlis at Carmichael Hostel on the 8th with Maolvi Fazlul Huq the premier of Bengal in the chair. The meeting was addressed by Maulana Liqai Ali Haidari who was introduced to the audience by Khan Bahadur Mirza Abu Jafer M. A. I E. S. At the meeting many other members of the cabinet and the Education Department were present, and all of them were very much impressed with the lecture given by the learned Maulana, and the Majlis concluded with a very appropriate short speech by the premier who said that it is the duty of every moslem to respect and revive the memory of the great hero of Islam who gave new life to the true faith by the great sacrifice on the plain of Kerbala.

Another Majlis held at Muslim institute was largely attended both by ladies and gents. Proper Purdah arrangements were made for the ladies and loud speakers were installed for them as well as for the convenience of the male audience. The learned lecturer (M. L.A. Haidari) gave a very lucid exposition of the part played by women in the early days of Islam, and how Islam can claim to be the only religion which gave due honour to women and raised their social status. He traced the history of the sacrifice of the great women champions of Islam, from Hazrate Khatija to her grand daughter Hazret Zainab. All the ladies and gents were deeply impressed and the meeting was a great success. The same lecturer (M. L. A. Haidari) addressed another meeting of Muslims at Suhrawardy High School and at the Imambara of Bibi Anaro at Tantibagan. At both these places the audience were fully rewarded for the trouble taken as the Maulana gave very learned discourses on the principles of Islam and some of the common vices which every true moslem should try to avoid.

desolation which periodically purifies and chastens, enriches and transfigures the soul of Islam crucified on the cross of Trial and Tribulation. Strange though it may seem, the deadly wound which has penerated deep into the heart of Islam was inflicted by Muslim hands. But the perpetrators of the sacrilege merely professed the faith of Muhammad with their lips and were pagans at heart and his hereditary foes thirsting for revenge and blood for the fallen Gods of Heathen Arabia swept away along with cobwebs of cruel customs and superstitions by the sublime teachings and the grand message of the Prophet—the unity of God and the Equality of man".

MOHARRAM IN CALCUTTA

(By Mr. M. M. Ispahani.)

After a very crowded and busy fortnight of Majlises and Alam processions we in Calcutta have once more settled down to our daily routine of life. It is a pleasure to record that the Moharram under review has been comparitively a quiet one as there was a complete absence of the bitterness and excitement which for the last few years unfortunately some how or other used to be imported during Moharram and had become one of the main features of the Moharram Majlises. Every body was in a more charitable and accomodating mood and a little adjustment avoided any clashing of time between any two important Majlises. This is a very happy sign and let us hope that every year we shall see the same good sense and feeling prevailing among the members of the community; and for the few days of Moharram we shall all sink our differences, whether social or political and as one body we shall pay homage to the memory of the great Martyr whose service to Islam and humanity the world will always recognize.

This year we have been again fortunate to have amongst us a

they turned him off from there with arrows; Re-entering his tent, he took his infant in his arms; they transfixed him with a dart. And his sons and his nephews were killed in his arms. He lifted his hands to heaven, and uttered a funeral prayer for the living and the dead. Raising himself for one desparate charge, he threw himself among the Ommeyades, who fell back on every side. But faint with loss of blood he soon sank to the ground, and then the murderous crew rushed upon the dying hero. They cut off his head, trampled on his body, and with savage ferocity subjected it to every ignominy. They carried his head to the castle of Kufa and the inhuman Obaidullah struck it on the mouth with a cane. "Alas" exclaimed an aged Moslem. "On these lips have I seen the lips of the Apostle of God." "In a distant age and climate," says Gibbon, 'the tragic scene of the death of Hussain will awaken the sympathy of the coldest reader." It will be now easy to understand, perhaps to sympathise with, the frenzy of sorrow and indignation to which the adherents of Ali and of his children give vent on the recurrence of the anniversary of Hussain's martyrdom.

The above facts have been given from authoritative histories. Now let me conclude with the words of a great scholar of history, the Late Iftikharul Millat Sir Abdullah Al-Mamoon Suhrawardy. "Once more the world of Islam is plunged into a frenzy of wild grief and anguish and thrown into a paroxysm of noble rage and righteous indignation. Once more the distressed soul of Islam is smarting and writhing under the deep and deadly wound inflicted on it by cruel and impious hands and is seeking relief in loud lamentations and the knocking of breasts. Once more the agonised heart of Islam is deeply stirred and throbs and pulsates painfully in rhythmic cadence with the wailing cry of "Hussain, Hussin" which rend the air, bursting from the fathomless depths of unfathomable grief. It is the tenth of Muharram, the first month of the Arabian Calendar, and the anniversary of the Martyrdom of the Prince of Martyrs" of Al-Hussain the 'Martyr of Karbala" Let us pause for a moment and analyse and examine the cause and origin of this undying sorrow and imperishable grief, this unutterable woe and

of the Ommeyade rule, he felt it his duty to respond to the appeal for deliverance. Hossain started for Kufa because the spiritual leadership of Islam was seized by a tyrant and the teachings of the Holy Prophet were in imminent danger, rather the very existence of Islam was at stake. He had hardly reached his destination than he was overtaken at a place called Karbala by an Ommeyade army sent by the brutal and ferocious son of Ziad, surnamed the Butcher, who was acting as the lieutenant of Yazid. (Ziad was the illegitimate son of Abu Sufian, the father of Muaviyah, and was therefore simply called Ibni Abih, "the son of his father' without the mention of any name).

TRAGEDY OF KARBALA

For days their tents were surrounded; and as the murderous ruffians dared not come within the reach of Hussain's sword, they cut the victims off from the waters of the Euphrates, causing terrible suffering to the small band of martyrs. In a conference with the chief of the enemy, Hussain proposed the option of an honourable condition that he should be allowed to be safely conducted to the presence of Yezid. But the commands of the Ommeyade tyrant were stern and inexorable–that no mercy should be shown to Hussain or his party, and that they must be brought as criminals before the 'Caliph' to be dealt with according to the Ommeyade sense of justice. As a last resource, Hussain besought these monsters not to war upon the helpless women and children, but to take his life and end the unequal contest. But they knew no pity. He pressed his friends to consult their safety by timely flight, they unanimously refused to desert or survive their beloved master. One of the enemy's chiefs, struck with horror at the sacrilege agains the grandson of the Prophet, deserted with thirty followers—"to claim the partner-ship of inevitable death". In every single combat and close fight the valour of the Fatimides was invincible. But the enemy's archers picked them off from a safe distance. One by one the defenders fell, until at last there remained but the grandson of the Prophet. Wounded and dying he dragged himself to the riverside for a last drink;

The annalists say, he was the first who preached seated to the people, the first who appointed eunuchs for his personal service, and the first with whom his courtiers jested familiarly." Astute unscrupulous, clear headed, miserly, but lavishly liberal when necessary, out wardly observant of all religious duties, but never permitting any human or divine ordinances to interfere with the prosecution of his plans or ambitions—such was Muaviyah.

On Muaviyah's death Yezid ascended the throne according to his father's testament. The accession of Yezid gave the death-stroke to the republican principle that "the commander of the faithful" should be elected by the plebiscite of the people—a principle to which the Arabs were so devoted, and which had led them to ignore the right of the Prophet's family to the spiritual and temporal headship of Islam.

HUSSAIN TAKES UP ARMS

Yezid was both cruel and treacherous, his depraved nature knew no pity or justice. His pleasures were as degrading as his companions were low and vicious. He insulted the ministers of religion by dressing up a monkey as a learned divine and carrying the animal mounted on a beautifully comparisoned Syrian donkey wherever he went. Drunken riotousness prevailed at court, and was naturally imitated in the streets of the capital. Hussain, the second son of Ali, had inherited his father's virtues and chivalrous disposition. The only quality, says Sedillot, that he lacked was the spirit of intrigue which characterised the decendants of Ommeya. He had served with honour against the Christians in the siege of Constantinople, and combined in his person the right of descent both from the Prophet and Ali. In the terms of peace signed between Muaviyah and Hassan, his right to the Caliphate had been expressly reserved. Hussain had never deigned to acknowledge the title of the Tyrant of Damascus, whose vices he despised, and whose character he regarded with abhorrence, and when the Moslems of Kufa besought his help to release them from the curse

and even thought of seizing his person and making him over to the enemy. Thoroughly disheartened Hassan retracted his steps towards Kufa, firmly resolved to resign the Pontificate. Mistrust of his Irakian supporters, so lavish of promise, so faithless in performance, led him to lend a willing ear to the proposals of Muaviyah. The negotiations resulted in a treaty by which the Caliphate was assigned to Muaviyah for life; upon his death it was to devolve on Hussain, the younger son of Ali. After his abdication Hassan retired with his family to Medina, but did not long enjoy the pension secured to him under the compact, as many years did not pass before he was poisoned at the instigation of Yazid, the son of Muaviyah.

Upon the abdication of Hassan, Muaviyah became the defacto-ruler of Islam. Thus, by one of the strangest freaks of fortune recorded in history, " did the persecutors of Mohammed usurp the inheritance of his children, and the champions of idolatry become the supreme heads of his religion and empire." The seat of Government, which Ali had fixed at Kufa, was now removed to Damascus, where Muaviyah surrounded himself with the pomp and pageantry of the Persian and Byzantine monarchs.

REVOLT IN THE HEJAZ

In the year 51 A. H. Muaviyah proceeded to Medina and Mecca to secure the covenant of the people of Hejaz. Here, too, his menaces or his arts were partially successful.

Four men, then foremost among the Moslems—Hussain the son of Ali, Abdullah the son of Omar (the Caliph), Abdur Rahman the son of Abu Bakr, and Abdullah the son of Zubair—refused to take the oath on any condition, and their example gave heart to the Hijazians. Abdullah the son of Zubair, whom Muaviyah called " the crafty fox of the Koraish," had himself an eye to the Caliphate; the others were actuated by abhorrence of Yezid, whose wickedness was notorious.

Muaviyah died in the month of Rajab 60 A. H. (April 680 A. D.).
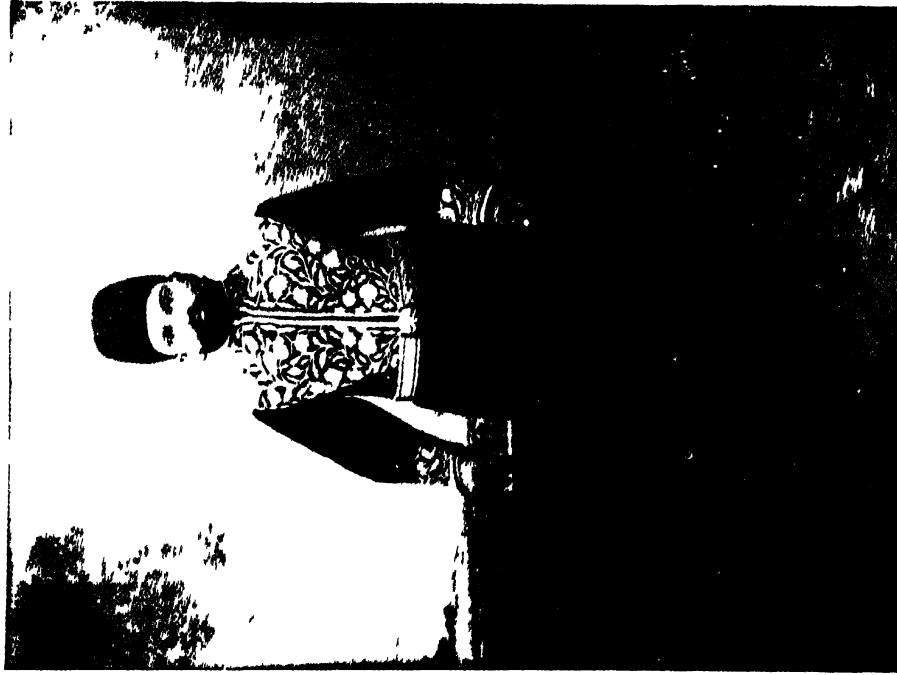
The Honourable Nawab SYED MOHAMMED
Sahab Bahadur of Madras
who presided over the A I Congress Session at
Karachi and the A I Shia Conference
at Jaunpur

Prince SYED MOHAMMED ASKARI of
Mysore Royal family
S o Nawab Syed Mohd Sahab Bahadur of Madras
Calcutta

Prince Shahanshah Bakht Israil Ali Mirza Bahadur
Grandson of Late King Wajid Ali Shah Bahadur of Oudh
Matia Burj Calcutta

Nawab Mir Ahmad Ali Khan Bahadur
M A, M Ed, (Leeds)
Bar-at-Law Hyderabad

Mr Hashmat Ali Esq Retired Mir Munshi Gwaliar in the centre No 5
Nos. 1, 2, 3, 4, & 6 his sons & No 7 bearer

Ali did not leave the fate of the assassin indefinite. This is perhaps the first instance in the history in which the injured is the judge of his assassin and also perhaps the first instance of the exhibition of high sense of justice and mercy under such a circumstance.

Ali asked his son Hassan that in case he survived the disposal of the assassin would rest with him. In case he died, he asked his son to forgive him, if he could. If not, he forbade him to strike the assassin more than one blow and that also of the same intensity as the latter had inflicted upon him. The sentence speaks of the rare sense of justice and mercy which hardly finds a parallel in the history of the world. In summing up his work Masudi says:—"If the glorious name of being the first Moslem comrade of the Prophet in exile, his faithful companion in the struggle for the faith, his intimate associate in life and his kinsman, if a true knowledge of the spirit of his teachings and of the Book, if self-abnegation and practice of justice, if honesty, purity, and love of truth, if a knowledge of law and science, constitute a claim to preeminence, then all must regard Ali as the foremost Moslem. We shall search in vain to find, either among his predecessors, save one, or among his successors, those virtues with which God had endowed him."

HASSAN USURPED

After the most sad death of Ali, his eldest son Hassan was elected to the vacant Caliphate by the unanimous suffrage of Kufa and its dependencies but the inconstancy of the volatile people that had wrecked the hope of the father soon drove the son to abdication. Hardly had the new Caliph been seated on the pontifical throne when Muaviyah invaded Irak. Hassan was thus compelled to take the field before he had either strengthened himself in his position or organised the administration thrown in to confusion by the death of his father. Sending, forward a general of the name of Kais to hold the Syrians at bay, he proceeded with his main force to Madain. Here a false report of the defeat and death of Kais excited a meeting among the young Caliph's troops; they broke into his camp, plundered his effects,

copies of Koran on lances. This trick was successful. Here I would do nothing more than to quote the view of the celebrated doctor (Imam) Hasan of Basrah who says that "two men threw into confusion the affairs of the Muslims—Amar the son of Al-Aas, when he suggested to Muaviyah the lifting of the Koran on lances and they were so uplifted and Mughaira who advised Muaviyah to take the covenant of allegiance for Yazid. Were it not for that, there would have been a council of election till the day of resurrection, for those who succeeded Muaviyah followed his example in taking the covenant for their sons."

MURDER OF ALI

The Caliphate was put before an arbitration. Here also Amr-Aas played a trick upon the simple Abu Musa Ashaari, the arbitrator on the side of Ali, and Muvaiyah was declared the rival Caliph. Muaviyah thought Ali to be a thorn on his side and in order to remove him had recourse to his usual methods. Ali was struck down by the hand of an assassin while saying his prayers at the public mosque of Kufa, and "thus vanished," says Osburn, "the popular regime which had for its basis a patriarchal simplicity, never again to appear among any Musalman nation."

Ali combined a noble independence of character with his simplicity of nature. Nothing could prevent him from doing what he considered to be right. He was mild, beneficient, humane and always ready to help the weak and distressed. "Chivalrous, humane, and forbearing to the verge of weakness," says the Rt. Hon'ble Ameer Ali, "as a ruler he came before his time."

Ali manifested nobility of nature and tendency of mercy even with his dying breath. When assassin was brought before him enchained, he found him out of breath and thirsty. His charitable nature could not allow him to see the assassin in such a bad plight. He asked his eldest son Hassan to have him unchained and in consideration of his thirst offered him the cup of 'sherbat' which was brought for him.

example of his predecessor he made a mistake which paved the way to Ommayyades' intrigues." After discussion the choice of the electorate fell upon Osman, son of Affan a member of the Ommayydes family. This venerable old man, although a scion of the Ommaya dynasty, was by nature not a chip of the old block. He was very meek and mild of nature and unequal to the duty which devolved on him He was a tool in the hands of the Ommayydes to strengthen their position. Acting solely under the advice of Mervan he filled important and responsible posts with the Ommayyades. Thus a reign of misrule and oppression set in, which culminated in the ruthless assassination of the aged Caliph.

REBELLION OF OMMAYYDES

On the tragical death of Osman, the son of Abu Talib Ali who throughout his life remained devoted to Islam and its cause; the one who was a great patron of learning and has been called by the Prophet as the "Gate of knowledge"; the one who was always consulted in the affairs of the State by the great Omar and who, in fact, had been a prominent member of the Council of State during the preceding administrations was called upon on 23rd June, 656 A. D or 24th Zul Hijah 34. A. H. to fill up the post of the Caliphate by general suffrage and thus the first and the last Re-public of Islam was formed, He, however, came at a time when he ommayade had gained the ground. He was beset with the hostility of the Ommayydes from the very beginning. As a man of strong character he set himself to the tedious task of the dismissal of corrupt Governors appointed by Osman. This the Ommayydes took to be a death-blow of their plan and the chief of them, Muaviyah, the son of Abu Suffian, who held the Government of Syria and had enriched himself, raised the standard of rebellion Ali met him at Siffin, to the West of Rakka and endeavoured to have a settlement. But Muaviyah was inflated by pride and wanted impossible conditions. The inevitable, therefore, was necessary, Muaviyah was defeated in three successive battles and was on the point of fleeing away when, a trick of his accomplice Amr-son of Al-Aas, saved him. He made his mercineries to hoist

one for Islam. Rightly was it said by Hazrat Ayesha:—"When the Prophet of God died, the Arabs cast away their faith, the Jews and Christians raised their head, the hypocrites concealed their hypocrisy no longer, and the Muslims looked like a forlorn hard in a cold wintery night." "Mohammad had often indicated" says the Rt. Hon'ble Ameer Ali, "Ali as his successor, but had laid down no definite rule. This gave scope to individual—ambitions, to the detriment of Islam, and in later times became the fruitful cause of dynastic wars and religious schism. Had Ali been accepted to the Headship of Islam, the birth of these disastrous pretensions that led to so much bloodshed in the Moslem world, would have been averted." "And indeed the birth the alliance, the character of Ali," says Gibbons, "which exalted him above the rest of his country men, might justify his claim to the vacant throne of Arabia. The son of Abu Talib was, in his own right the chief of the family of Hashem and the heriditary prince or the guardian of the city and temple of Mecca." Ali, therefore, combined in his person heriditary right with that of election. "One would have thought," says Sedillot, "that all would have bowed before the glory so pure and grand; but it was not to be."

The ever vigilant Ommayyades were ready to put into effect their designs after Mohammad's death but the great Omar rose to the occasion and blunted their teeth of ambition. Had it not been for this formidable man, the Ommayyades would have tried to enact the tragedy of Kerbala half a century earlier, just on the death of the Prophet.

Thus, on account of the high political-mindedness of the great Omar the intrigues of Ommayyades proved a failure and Abu Baker was elected to the Caliphate who on his death appointed Omar to succeed him. On his death "Omar could easily have," says the Rt. Hon'ble Ameer Ali, "nominated Ali or his own son, the virtuous Abdullah, surnamed Ibn Omar as his successor to the Caliphate; but with the conscientiousness which characterised him he entrusted the election of six notables of Mecca. In deviating, however, from the

his brother—Muttalib. Muttalib died about the year 520 A. D. and was succeeded by his nephew Shayba, who is better known by his sur-name, Abdul Muttalib, a son of Hashem.

COMING OF MOHAMMAD

Omayya, the ambitious son of Abdus Shams. who was passed over by his father in favour of his uncle Hashem, was jealous of the growing influence and popularity of the Hashimites. The high character of Abdul Muttalib and the veneration in which he was held by the Koraish, however, deterred Ommaya from putting his ambitious designs into action. Abdul Muttalib had several sons, notably, Abd Mannaf, surnamed Abutalib, Abbas, Hamza and Abdulla, the father of the Arabian prophet. Abdullah was married to Amina but died a premature death in his twenty-fifth year. A few days after his death Amina gave birth to his posthumous child, who was named Mohammad (Peace of God be on him). Mohammad lost his mother while he was six years of age. Thus deprived of the parental care, Mohammad was thrown upon the care of his old grandfather, Abdul Muttalib. Abdul Muttalib died about the year 579 A. D. confiding the care of his grand-son to Abu-Talib, who succeeded him in the patriarchate of Mecca. The transference of his authority by Abdus-Shams to his brother Hashem in superssion of his son Ommaya explains undying hatred of the latter against the Hashimites and the series of intrigues and bloodshed which characterise the early history of Islam. Abu Sufian, a descendant of Ommaya, stood much in the way of the propagation of Islam and tried his level best to defeat Mohammad and his cause and even to take his life. But this was not to be. In face of the opposition of the members of the Ommaya dynasty Mohammad steadfastly continued gaining ground and before his death saw the completion of his mission and reclamation of the Arabs from the gross barbarism which they were steeped in.

DISPUTE OVER SUCCESSION

In the presence of seething intrigues and ambitions of Ommay-yades the period just after the death of the Prophet had been a critical

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

"SPECIAL HUSAIN NUMBER"

Vol 3. } MARCH, 1940. { No., 3.

THE HERO SAINT OF KARBALA

OR

THE PRINCE OF MARTYRS

(By Miss A. N. Jefferey)

IN order to understand fully the circumstances under which the butchery of Karbala took place it will be better to trace events from the third century of the Christian era and I shall give a brief summary of the same. Among the Arabs of Hedjaz the principal tribe was that of the Koraish who was descended from Fihr who lived in the third century of the Christian era. He was of the lineage of Maad, son of Adnan, a descendant of Ismail.

In the fifth century, Kossay, a descendant of Fihr made himself the master of Mecca and gradually of the whole of Hedjaz. He died about 480 A. C. and was succeeded by his son Abdud Dar. Upon Abdud Dar's death a dispute arose as to the succession among his grandsons and sons of his brother Abd Mananf. The dispute was settled in the partition of authority. The administration of the water supply of Mecca and raising of taxes was given to Abdus Shams, a son of Abd Mannaf. The guardianship of Kaaba, of the Council Chamber, of the Military Standard was given to the grandsons of Abdud-Dar.

Abdus Shams conceded his authority in favour of his brother Hashem. Hashem died about the year 510 A. D. and was succeeded by

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 3. March & April 1940. Nos. 3 & 4.

Regd. No. A. 378.

UNDER THE KIND PATRONAGE OF

H. E. H. the Nizam of Hyderabad & Berar.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN.

U. P.

HUSAIN NUMBER.

Vol 3. | MARCH & APRIL 1940 | Nos., 3 & 4

THE GOLDEN TOMB OF IMAM HOSAIN,
THE KING OF MRTYRS,
AT KARBALA

[illegible] Uddin at the Nizami Press, Budaun. and Published by Ashraf Ali.

جلد ۱۲	فہرست مضامین بابت ماہ مئی و جون سنہ ۱۹۴۲ء	نمبر ۳و۴

شذرات

***

اسلامی دنیا اس وقت ایک سخت نازک دور سے گزر رہی ہے اور ہمارا رسالہ بھی اوسی دور میں تمام نزاکتوں سے دوچار ہو رہا ہے۔ ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار ہم نے رسالہ میں شایع کیا۔ حضرت قمر العارفین دام ظلہ العالی سرپرست رسالہ نے اکثر مقامات پر بڑے بڑے مجمع کے روبرو زبانی ارشاد فرمایا کہ اس رسالہ کے اجراء کا مقصد محض خدمت دینی ہے اور جن حضرات کو اس کے ساتھ دلچسپی نہ ہو وہ براہ کرام زبانی یا تحریری اطلاع دے دیں کہ رسالہ اُن کے پاس نہ بھیجا جائے، لیکن سوائے چند ہمدردان قوم و ملت کے کسی نے انکار کی ہمت نہ کی۔ ہم اون تمام محترم ہستیوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہماری کمزوریوں پر نظر فرماتے ہوئے رسالہ کے اجراء کی آیندہ اجازت نہ دی اور ہم نے بکمال خندہ پیشانی اون کے خطوط کا خیر مقدم کرتے ہوئے فہرست خریداران میں اون کے اسمائے گرامی کے مقابل لکھدیا کہ آیندہ سے اجراء رسالہ ملتوی۔ اب انشاءاللہ طرفین کو زحمت سے نجات ملے گی۔

لیکن ہمارے وہ تمام کرم فرما جنہوں نے بکمال خوشی رسالہ کے اجراء کی اجازت دی تھی اور باوجود طلب تقاضا اب تک توجہ نہیں فرمائی اُن کی خدمت میں یہہ آخری درخواست ہے کہ براہ کرم اپنا بقایا زرچندہ جس کی ادائگی کے متعلق جناب سرپرست مدظلہ العالی نے حیدرآباد سے مطبوعہ خط ماہ اپریل گزشتہ میں جاری فرمایا تھا دفتر کو جلد از جلد روانہ فرمادیں اور اگر آیندہ کے واسطے اجراء رسالہ منظور نہیں تو انکار فرمادیں۔ ورنہ اون کی اس خاموشی سے طرفین کو زحمت ہوگی ہمدردان رسالہ اسلامی دنیا کو یہہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوگی کہ باوجود رسالہ کی مختلف قسم کی کمزوریوں کے بحمداللہ اس کے چاہنے والوں کی فہرست میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن اس خبر سے اون حضرات کو یقیناً صدمہ ہوگا کہ بقایا واجب الوصول کی مقدار آٹھ ہزار کے قریب ہے۔ خدا کرے ہمارے محترم بزرگ جلد ادا فرمانے کی کوشش کریں تاکہ رسالہ اپنے نصب العین کو حاصل کرسکے۔

سرکار مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر مرحوم ہندوستان کے اون چند مایہ ناز ہستیوں میں سے ایک تھے جن پر عرصہ تک ملک اور اہل ملک فخر کریں گے۔ اس ماہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء میں موصوف نے اس دار فانی کو ہمیشہ کے واسطے خیرباد کہا اور اپنے پس ماندگان کو تنہا نہیں بلکہ اون ہزاروں، یتیموں اور بیواؤں اور نادار انسانوں کو اپنا ماتمدار چھوڑا جو اون کے جود و کرم سے اپنی مصیبت کے ایام راحت کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ ہم کسی آیندہ اشاعت میں موصوف کی قابل ذکر زندگی پر تبصرہ کریں گے بالفعل ہم صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد مرحوم کا داعی اجل کو لبیک کہنا

ہندوستانیوں کے لیے بالعموم اوراہلِ حیدرآباد کے لیئے بالخصوص ایک مصیبتِ عظیم ہے۔ ہم کو مہاراجہ بہادر مرحوم کے صاحبزادوں اور دیگر اعزا سے کامل ہمدردی ہے اور ہم اُن کے اس غم میں صرف زبانی شریک ہوکر خانہ پری کرنا نہیں چاہتے [illegible] اسلامی دنیا کے صفحات پر انشا اللہ تعالیٰ اشاعت آیندہ میں ہم اپنے غم والم کا اظہار حقیقی طور پر کریں گے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ حضرت اخی المعظم جناب قمر الواعظین مدظلہ العالی کو جب وہ مہاراجہ بہادر کی ڈیوڑھی پر ملاقات کے واسطے تشریف لے گئے تھے اپنا مضمون " دینِ حسینؑ " اور ۱۹ عدد سلام غیر مطبوعہ مرحمت فرمائے اور رخصت کے وقت کمال محبت اور خلوص سے بغلگیر ہوکر فرمایا :۔ " بسلامت روی و باز آئی " آج ہم کس دل سے اوس مایۂ نازِ انسانیت کے انتقال پر ملال کی خبر کو درج کریں۔ ہم کوشش کریں گے کہ انشاءاللہ اسلامی دنیا کے صفحات پر جب تک ہو سکا مہاراجہ بہادر مرحوم کا کلام شائع کرتے رہیں گے تاکہ اوس مداحِ اہلبیت حضرت رسالتمآب کی یادگار قائم رہے۔ آج ہم صرف ایک سلام درج کرتے ہیں۔ ناظرین آیندہ اشاعت میں " دینِ حسینؑ " اور دیگر کلام کا انتظار فرماویں۔

ہم صرف اس جملے پر اپنے اس مقالہ کو ختم کرتے ہیں :۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

حسن افضل بدر

سلام

مہاراجہ یمین السلطنت سر کرشن پرشاد شادؔ مرحوم سابق وزیر اعظم حیدرآباد

شہ والا کے سینہ پر شقی ہے
برہنہ سر۔ بہن سر پیٹتی ہے

کمر اکبرؑ نے مرنے پر کسی ہے
بحسرت ماں پسر کو دیکھتی ہے

پڑا ہے بے کفن سرورؑ کا لاشہ
زمینِ کربلا تھرا رہی ہے

لیئے زانو پہ سر شبیرؑ چپ ہیں
پسر کو موت کی ہچکی لگی ہے

ضریحِ پاک کی کرلیں زیارت
یہی اب شادؔ کے دل سے لگی ہے

تذکرۃ المشاہیر

نواب محمد ابوالحسن خاں صاحب بہادر ثالث۔ شوکت جنگ

حسام الدولہ سابع دام عزہ وعلاہ

آپ خاندان شوکت جنگی کے ایک زبردست رکن اور حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے معزز و قدیم امراً سے ہیں جن کی وفاداری جان نثاری خیرخواہی ضرب المثل اور اولوالعزمی اور علوہمتی شان و شوکت قدر و منزلت مسلم ہے آپ نے اردو فارسی میں انتہائی درجہ تک تعلیم حاصل کرکے اسناد حاصل کی ہیں اور اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد تمامی اعزاز و مناصب جاگیرات و خطابات آبائی سے سرفرازی پائی اور اپنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ذاتی ذوق و شوق کی وجہ سے بہت جلد میٹرک تک کامیابی حاصل کی۔ آپ تین۳ سال کے تھے کہ آپ کے سر سے والد بزرگوار کا سایہ اُٹھ گیا والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ قانون کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں نیز مال اور عدالتی سررشتہ جات میں آپ نے بدرجۂ اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائی۔ مجلس وضع آئین و قوانین اور صفائی بلدہ چادرگھاٹ کے رکن اور میر مجلس ایک زمانہ دراز تک رہ کر ملکی خدمات انجام دیں۔ آپ سیر و سیاحت کے بڑے دل دادہ ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے بڑے بڑے اور مشہور و معروف مقامات کی آپ نے سیاحت فرمائی اور دوران سیاحت میں وہاں کے حالات آئین و قوانین اور طرز حکومت و معاشرت کی اسٹڈی کی آپ کے جنرل معلومات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب بھی آپ اپنے معلومات کو وسعت دینے میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔

امرا حیدرآباد دکن میں آپ کی ایک ممتاز ہستی ہے۔ الحق کہ آپ کی ذات ستودہ صفات سے ہر کسی کو فائدہ پہونچتا ہے۔ حضور اقدس و اعلیٰ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کو آپ پر اعتماد کلی ہے اور آپ کو بھی ملازمان بندگان عالی مدظلہ العالی سے خاص عقیدت ہے وفاشعاری، فرماں برداری اور جان نثاری آپ کا آبائی شیوہ ہے چنانچہ آپ بھی الولد سر لابیہ کے مصداق ملک و مالک کی بہی خواہی کو اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ ظل اللہ کی مداحی میں رطب اللسان

رہتے ہیں جو آپ کی عین عقیدت مندی پر دال ہے۔ وضع امیرانہ کے پابند جلیل القدر عالی حوصلہ زندہ دل علم دوست سادات نواز اور غربا پرور امیر ہیں آپ کی جاگیر کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ سادات اور غربا کی پرورش میں صرف ہوتا ہے۔ نہایت حلیم الطبع منکسر المزاج نواب ہیں۔ باوجود جاہ و جلالت شان و شوکت کے غرور و تمکنت آپ میں نام کو نہیں ہر کسی سے بہ کشادہ پیشانی پیش آتے ہیں خاص کر غریبوں سے نہایت تپاک سے ملتے ہیں اہل علم کی عزت اور سادات کی حرمت کرتے ہیں۔ خلق اللہ کی خدمت اور ان کے ساتھ دامے درمے سخنے قدمے سلوک کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

شادی اور اولاد:۔ آپ کے والد مرحوم کی عین حیات میں آپ کی شادی نہایت تزک و احتشام سے "نواب میر مہدی علی خاں" شمشیر جنگ مرحوم اول معین المہام و رکن کیبنٹ کونسل کی چھوٹی صاحبزادی صاحبہ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے دو لائق فائق صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں خداوند کریم نے عنایت فرمائیں۔

(۱) نواب محمد کاظم علی خاں بہادر کاظم بی اے (عثمانیہ)

(۲) نواب محمد جعفر علی خاں بہادر اور صاحبزادی محل نواب مرزا حسین خاں مرحوم خلف نواب معتمد الدولہ جن کے فرزند نواب محمد علی خاں بہادر ہیں (۲) محل نواب عنایت جنگ بہادر (۳) محل ڈاکٹر نواب میر جعفر علی خاں بہادر پی۔ ایچ۔ ڈی جرمن۔ فرزند نواب شجاع الملک مرحوم نبیرہ خانخانان مرحوم۔

(نواب محمد کاظم علی خاں بہادر) آپ ہمارے معزز صاحب تذکرہ کے لایق فرزند اکبر اور نواب شمشیر جنگ مرحوم اول کے نواسے ہیں آپ نے اپنے والد ماجد کے زیر نگرانی قابل اساتذہ سے اردو فارسی عربی انگریزی کی تعلیم اولاً گھر پہ حاصل فرمائی زاں بعد مدرسہ عالیہ میں شریک ہوئے اس کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل فرمائی۔ اور پانچ شہریور ۱۳۴۳ف میں سلک ملازمت سرکار عالی میں بحیثیت دوم تعلقدار داخل ہوئے اُس وقت آپ کا مستقر ضلع ورنگل تھا۔ آپ کی ذاتی قابلیت اور نمایاں کارگزاری کی بنا پر آپ کو محکمہ سرکار معتمدی مالگزاری میں بحیثیت مددگار معتمد صیغہ مرافعہ پر طلب کیا گیا جس کو نہایت قابلیت سے انجام دے رہے ہیں اور ہمیں قوی اُمید ہے کہ بہت جلد مال کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو کر اس سے زیادہ ملک و مالک کے گراں قدر خدمات انجام دینے کا موقع ملیگا اور خطابات سے بھی مفتخر فرمائے جائیں گے۔ آپ مجسم اخلاق خوش لہجہ خوش مزاج خوش رفتار نواب زادے ہیں۔ آپ پر ہمارے معزز صاحب

تذکرہ جس قدر فخر و ناز کریں کم ہیں جو جو خوبیاں آپ میں مجتمع ہیں دوسرے افراد میں کم دکھائی دیں گی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ مذہب کے شیدا مولا کے فدائی ہیں۔ سنہ ۱۳۴۱ھ میں آپ کی شادی نواب شجاع الملک خلف اکبر نواب خانخاناں مرحوم کی دختر سے ہوئی جن کے بطن سے آپ کے صاحبزادہ مہدی علی خاں اور صاحبزادی ہیں۔ آپ ایک بہترین شاعر بھی ہیں کاظم تخلص فرماتے ہیں۔ حیدرآباد کے نامی گرامی شعراء میں آپ کا شمار ہے۔ اصناف سخن پر آپ کو قدرت حاصل ہے۔ مگر جہاں تک علم ہے آج تک آل اللہ کی منقبت کے سوائے کسی دوسرے صنف سخن پر طبیعت آزمائی نہیں فرمائی سلاست زبان اور فصاحت بیان کے اعتبار سے آپ کا ہر شعر آبدار ہونے کے علاوہ حقیقت اور عقیدت کا آئینہ دار ہے۔

آپ ہر سال ۱۲ محرم کو اپنی دیوڑھی میں مجلس عزا سید الشہدا علیہ التحیۃ و الثناء برپا کرتے ہیں اپنے تازہ طویل مرثیہ سے غلامان حیدری اور عزاداران حسینؑ کو محظوظ و مثاب فرماتے ہیں۔

(نواب محمد جعفر علی خان بہادر) ہماری معزز صاحب تذکرہ کے چھوٹے فرزند ارجمند ہیں آپ نے بھی اپنے والد کے زیر نگرانی قابل اساتذہ سے اردو فارسی اور انگریزی تعلیم حاصل فرمائی بعد ازاں بعد مدرسہ عالیہ میں شریک ہو کر انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں کامیابی حاصل فرمائی سنہ ۱۳۴۱ھ میں سلک ملازمت سرکار عالی میں بحیثیت مہتمم کروڑگیری داخل ہوئے آپ کی شادی سنہ ۱۳۴۱ ہجری میں نواب میر علی محمد خاں شمشیر جنگ ثانی کی دختر سے ہوئی۔

جن سے بالفعل ایک دختر ہے۔

مختصر حالات عالیجناب میرزا عبد اللطیف خاں صاحب المخاطب بہ نواب لطیف نواز جنگ بہادر دام اقبالہ

آپ بلدہ فرخندہ بنیاد حیدرآباد میں سنہ ۱۳۰۵ف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں پائی۔ اس کے بعد مدرسۂ عالیہ نظام کالج میں شریک ہوئے۔ اور انٹرنس میں بمبئی یونیورسٹی سے کامیاب ہوئے۔ السنہ مشرقیہ کے امتحان منشی میں آپ بدرجہ اعزازی دآنرز کامیاب ہوئے اور امتحان عہدہ داران مال اور جوڈیشل ڈپارٹمنٹ میں بدرجہ اعلیٰ کامیاب ہوئے۔ آپ نے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مولانا حیدر علی صاحب قبلہ مرحوم سے پائی اور اس کے بعد صدر العلماء مولانا مولوی سید غلام حسین صاحب

قبلہ مرحوم اور مولانا مولوی سید علی حیدر صاحب قبلہ المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی مرحوم سے فیض درس حاصل کیا۔ آپ اس وقت مددگار معتمد سرکار عالی صیغۂ تجارت وصنعت وحرفت کے عہدہ پر مامور ہیں آپ کو حضرت اقدس واعلیٰ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے ولیعہدی کے زمانہ میں مصاحبت کا فخر وامتیاز حاصل رہا۔ آپ کے والد نواب میرزا علی محمد خاں معتمد جنگ معتمد الدولہ بہادر مرحوم ثانی ایک عرصہ تک حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں نظام سادس کے اے۔ ڈی۔ سی۔ تھے۔ آپ کے دادا میرزا عبد اللطیف خاں مرحوم اول معہ اپنے والد نواب میرزا علی محمد خاں معتمد جنگ معتمد الدولہ بہادر اول کے نواب سر سالار جنگ مختار الملک مرحوم و مغفور کے عہد وزارت میں نواب صاحب ممدوح کی خواہش پر بمبئی سے بلدہ حیدر آباد تشریف لائے۔ بمبئی میں نواب معتمد الدولہ بہادر اول منجانب دولت عالیہ عثمانیہ ترکی کونسل جنرل اور سرکار عظمت مدار کی جانب سے جسٹس آف دی پیس تھے۔ نواب سر سالار جنگ مرحوم و مغفور کے مد نظر بلدہ حیدر آباد کی تنظیم تھی اس لیئے نواب صاحب ممدوح نے بغرض امداد و مشورہ آپ کو بمبئی سے طلب فرمایا تھا۔ مدارس عدالت اور مختلف محکمہ جات کے قیام میں نواب معتمد الدولہ نے سر سالار جنگ مرحوم و مغفور کو بڑی امداد دی اور محکمۂ اجرائے اعمال کے آپ اعلیٰ عہدہ دار مقرر ہوئے اور جاگیر و منصب نوبت و علم و نقارہ و عماری اور خطابات سے سرفراز فرمائے گئے حضرت غفران مکان نے اپنی جبل سالہ جوبلی کے موقع پر ملک پیٹھ میں جبکہ طلبا کی جانب سے ایڈریس پیش ہوا تھا تو جواب میں سر سالار جنگ اول کے نام کے ساتھ مرزا علی محمد خاں صاحب جنت نصاب کا نام بھی لیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ ان دونوں کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج میں اتنے طلباء اپنے گرد دیکھ رہا ہوں۔ نواب معتمد الدولہ اول سنہ ۱۸۵۲ء میں لندن بھیجے گئے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے آپ کے اعزاز میں ڈنر ترتیب دیا تھا۔ آپ کو گورنمنٹ کے جانب سے کرسٹ عطا ہوا جس کے استعمال کی آپ کے خاندان کو از روئے سند معطیہ اجازت ہے۔ مارکوئیس آف ولزلی کے عہد میں آپ نے گورنمنٹ اور سلطان برغش مسقط کے مابین جو نزاعات تھے اس کا تصفیہ باحسن وجوہ کرادیا۔ سلطان برغش نے آپ کو ایک گنگا جمنی چھڑی تحفتاً عطا کی تھی جو اب تک موجود ہے۔

نواب معتمد الدولہ اول کے چچا زاد بھائی نواب میرزا عبد اللطیف خاں مرحوم مصنف تحفۃ العالم منجانب سرکار نظام کلکتہ میں سفیر تھے۔ نواب لطیف نواز جنگ بہادر مثل اپنے آبا و اجداد کے جاگیر و مناصب سے سرفراز فرمائے گئے ہیں اور آپ کا خاندان ہمیشہ مورد الطاف و نوازشات شاہانہ رہا ہے۔ آپ ایرانی النسل شوستری ہیں آپ کے جد اعلیٰ سید نعمت اللہ جزائری شوستری تھے۔

آپ کی پہلی شادی پرنس میرزا کام بخش بہادر مرحوم

ومغفور فرزند ہز مجسٹی واجد علی شاہ مرحوم ومغفور کی منجھلی صاحبزادی سے بمقام کلکتہ ہوئی اور ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی بڑی صاحبزادی جناب امام علی خاں مرحوم ومغفور سے ہوئی ہے جو پرنس اصغر میرزا مرحوم ومغفور کی بھانجی ہیں۔

نواب میر احمد علی خاں صاحب صوبہ دار صوبہ گلشن آباد میدک

آپ ایرانی النسل اور سادات رضوی سے ہیں۔ سلسلہ نسب امام رضا علیہ السلام سے ملتا ہے آپ کے جد اعلیٰ میر محمد رضا ایران کے علاقہ (استرنگ) سے سترہویں صدی عیسوی میں بعہد شہنشاہ اورنگ زیب وارد ہندوستان ہوئے محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ حکومت میں دیوان دکن مقرر ہوئے۔ اس کے بعد میر عطش اور گورنر گجرات کے اعلیٰ عہدوں اور معز الدولہ حیدر قلی خاں ناصر جنگ کے معزز خطابات سے ممتاز فرمائے گئے۔

نواب میر محمد رضا حیدر قلی خاں بہادر کی شادی میر محمد کاظم دولت آبادی کی لڑکی سے ہوئی جن کے بھائی شہنشاہ اورنگ زیب کے ہم لف تھے۔

آپ کا سلسلہ حسب نادر شاہ ایرانی سے ملتا ہے جن کے فرزند نصر اللہ خاں حیدر آباد تشریف لائے اور نظام الملک آصف جاہ بہادر نے ان کو اپنے ارکان دربار میں شریک فرما کر معزز فرمایا۔

آپ کے والد میر امیر علی خاں صاحب سررشتہ مال کے ممتاز و تجربہ کار عہدہ دار تھے۔ خدمت اول تعلقداری پر فائز تھے۔

آپ کی ولادت ۲۳ دسمبر ۱۸۸۲ء کو ہوئی تعلیم نظام کالج میں پائی۔ کئی سال تک آپ کو حضرت اقدس و اعلیٰ شہریار دکن کے ولیعہدی کے زمانہ میں مصاحبت کا فخر و امتیاز حاصل رہا۔

۱۹۰۹ء میں دائرہ ملازمت سرکاری میں داخل اور خدمت تحصیلداری پر مامور ہوئے ۱۹۱۱ء میں ایڈی کانگی نواب سالار جنگ بہادر مدار المہام پر متعین ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں مہتمم صاحب کروڑگیری اور ۱۹۱۹ء میں دوم تعلقدار ہوئے ۱۹۲۷ء میں اول تعلقداری (کلکٹر ضلع) کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

۱۹۳۵ء میں بمنظوری شہریار دکن عہدہ جلیلہ صوبہ داری صوبہ گلشن آباد میدک سے سرفراز فرمائے گئے۔ اور ۱۹۳۶ء میں وظیفہ حسن خدمت

حاصل کیا۔

آپ کے فرزند اکبر ڈاکٹر میر امیر علی خاں صاحب امریکہ کے تعلیم یافتہ اور مارکٹنگ افسری کی خدمت پر کارگزار ہیں۔ دوسرے فرزند میر عابد علی خاں صاحب ج۔ سی۔ یس۔ خدمت دوم تعلقداری (ڈپٹی کلکٹر) پر مامور ہیں۔

تیسرے فرزند میر عباس علی خاں۔ ایم۔ اے تک تعلیم پانے کے بعد ایچ سی۔ ایس کی تیاری کر رہے ہیں اور دو خورد وسال فرزند میر اصغر علی خاں و میر اکبر علی خاں بھی زیر تعلیم ہیں۔

سلام

از شہزادۂ والاشان نواب معظم جاہ بہادر المتخلص بہ شجیعؔ

شک نہ تھا بعدِ نبی حیدرِ صفدر ہوتے | ختم ہوتی نہ نبوت تو پیمبر ہوتے
دست و بازوئے یداللہ کے آگے کیا تھا | ایک در کی جگہ خیبر کے جو سو در ہوتے
شہ نے فرمایا تم اس طرح ستاتے مجھکو | ظالمو آج جو دنیا میں پیمبر ہوتے
قتل سرورؑ کو کیا ہائے مسلمانوں نے | کاش کافر ہی یہ بدکار و ستمگر ہوتے
کہتے تھے شاہؑ کہ اکبر تھے نبی کے ثانی | علی اصغرؑ جو جواں ہوتے تو حیدر ہوتے
تھا یہ مخصوص علمداریِ اسلام کے ساتھ | ہاتھ کٹتے جو یداللہ نہ حیدرؑ ہوتے

حکم پر چلتے جو سب اپنے پیمبر کے شجیعؔ
پھر نہ اسلام میں فرقے یہ بہتّر ہوتے

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

از

نواب شہید یار جنگ بہادر شہید حیدرآباد دکن

شباب ہے بہار کا گھرا ہوا سحاب ہے تڑپ رہی ہیں بجلیاں فضا میں اضطراب ہے
ہوا میں سُر بھرے ہیں یا ترانۂ رباب ہے وفورِ حسن و عشق ہے جہاں میں انقلاب ہے
شراب ہے شباب ہے شباب ہے شراب ہے

ہر ایک ذرہ کی زباں پہ داستان عشق ہے کہیں خیال حسن ہے کہیں بیانِ عشق ہے
بہار و باغ و یار و مے یہی جہانِ عشق ہے بہار جانِ حسن ہے شراب جانِ عشق ہے
وہ دن میں آفتاب ہے وہ شب میں ماہتاب ہے

ہر ایک نخل و برگ سے عیاں نمو کا جوش ہے نہ جام کی طلب ہے یہ نہ یہ سبو کا جوش ہے
چہک رہی ہیں بلبلیں یہ گفتگو کا جوش ہے گلوں کے چہرے سرخ ہیں یہ سب لہو کا جوش ہے
یہ عالم بہار ہے یہ عالم شباب ہے

عدوِ بہار باغ کے نہ کیوں حجاب سے کٹ گئیں گلوں کی بلبلوں سے اور بڑھ گئی ہیں ہمتیں
ہے سبزہ خواب ناز میں کہ لے رہا ہے کروٹیں جو اُلجھی اُلجھی بکھری بکھری سنبلوں کی ہیں لٹیں
ہوائے ناز لے اڑی نہ پیچ ہے نہ تاب ہے

ہے آمد بہار کی چمن میں گرم اب خبر ہے ریزش سحاب سے زمیں چمن کی تر بتر
ہوا میں مستی آ گئی ہے جھومتے ہیں اب شجر زمیں بلند ہو رہی ہے ہے نمو کا یہ اثر
ہے داخلہ بہار کا خزاں کا پا تراب ہے

گلوں میں بلبلوں میں اب نہ چھیڑ ہے نہ جنگ ہے بہار کا یہ فیض ہے شباب کا یہ ڈھنگ ہے
کسی کا رنگ کندنی کسی کا سرخ رنگ ہے ہر ایک پھول ہو بہو شباب کی اُمنگ ہے
نہ زیست کا شمار ہے نہ عمر کا حساب ہے

نہال سبزہ ہو گیا نسیم ناز سے چلی　　ہے صحن باغ زمردیں بچھا ہے فرش مخملی
ہر ایک پھول کو ادا نسیم کی لگی بھلی　　شگفتہ پھول ہو گئے تو ہنس پڑی کلی کلی
ادا کی وہ مثال ہے یہ ناز کا جواب ہے

گلوں کی آن دیکھنا ذرا بناوٹ دیکھنا　　نسیم کا خرام ناز آؤ جاؤ دیکھنا
گلوں سے اس کا ساز باز اور لگاوٹ دیکھنا　　جو آرہا ہے بلبلوں کو اس پہ تاؤ دیکھنا
رقابتوں کی چشمکیں کہ زندگی خراب ہے

غلط ہے یہ کہ بلبلوں کی آہ میں اثر نہیں　　جو اضطراب ہے ادھر وہ اضطراب اُدھر نہیں
خزاں کا خوف کیا او نہیں جنھیں خدا کا ڈر نہیں　　ستم کشوں کے حال کی گلوں کو کچھ خبر نہیں
کتاب حسن و بیخودی کا پانچواں یہ باب ہے

دلوں میں جو عناد تھا بہار نے مٹا دیا　　وہ کان سے سنا نہ تھا جو آنکھ سے دکھا دیا
شباب کے سرور نے بھی ہائے کیا مزا دیا　　گلوں کو بلبلوں سے اب شناسا گلے ملا دیا
نہ شرم ہے نگاہ میں نہ آنکھ میں حجاب ہے

بہار جوش پر ہے اب خزاں کا ابر چھٹ گیا　　کتاب رنج و غم کا یہ ورق ہی لو اُلٹ گیا
شب وصال آگئی ہے روز ہجر کٹ گیا　　خدا کا شکر واعظوں کا سارا زور گھٹ گیا
نہ خواہش ثواب ہے نہ کاوش عذاب ہے

چمن چمن ہے داستاں صبا کا فیض عام ہے　　خزاں خزاں کا ان دنوں میں ذکر ہی حرام ہے
بہار ہے شباب پر نہ صبح ہے نہ شام ہے　　کسی کو کوئی غم نہیں بہار اس کا نام ہے
نہ خوف ہے نہ فکر ہے نہ نیند ہے نہ خواب ہے

وہ زاہدوں کے طنطنے وہ اُن کی خود نمائیاں　　بہار نے کھلائے گل تو کھل گئیں برائیاں
کرخت ان کے چہروں پہ غرور کی وہ جھائیاں　　وہ اُن کی بے حجابیاں وہ اُن کی بے حیائیاں
تصرفات زہد سے گناہ بھی ثواب ہے

بہار ہے چمن پہ آج رحمت کریم سے　　صدائے نعرہ آتی ہے ہر ایک دل دو نیم سے
تجلیات جلوہ ریز جوشش نسیم سے　　کسی کو شک ہو اس میں گر تو پوچھ لے کلیم سے
چمن کے جلوے کہہ رہے ہیں طور کا جواب ہے

چمن میں رحمتوں کا آج ہر طرف وفور ہے　　کلی میں اُس کا جلوہ ہے گلوں میں اُس کا نور ہے

ہر ایک گل سے قدرت خدا کا اب ظہور ہے　　رقم گلوں کی پتیوں پہ داستان طور ہے
نہ حائل نظر ہے کچھ نہ اب کوئی حجاب ہے

ہے سرو گر قیام میں چنار ہے قعود میں　　رکوع میں ہیں ڈالیاں تو پھول ہیں سجود میں
عنادل اور قمریاں ہیں طاعتِ ودود میں　　وہ حمد میں ہیں تر زباں یہ محو ہیں درود میں
چمن کی سیر اندنوں میں داخل ثواب ہے

ہر ایک غنچہ آمدِ بہار کی رسید ہے　　گلوں کی بلبلوں کو اور خواہش مزید ہے
یہ موسم بہار ہے زمانہ یہ سعید ہے　　گلوں کے دل کھلے ہوئے ہیں بلبلوں کی عید ہے
یہ دورِ لاجواب ہے یہ عہد انتخاب ہے

ہوئے ہیں اور سرخ پھول بلبلوں کے پیار سے　　صدائے نغمہ آرہی ہے آج آبشار سے
نسیم خود ہی مست ہے گلہ نہیں ہزار سے　　گلوں کی بو لپٹ گئی ہے دامن بہار سے
بسی ہوئی سب زمیں یہ فیض اکتساب ہے

بہار سے بڑھی ہوئی جہاں میں کوئی شے نہیں　　صبا کی نغمہ ریزیوں سے بڑھ کے کوئی لے نہیں
جواب خوش نوائیوں کا بلبلوں کی ہے نہیں　　نسیم کی شمیم سے فزوں سرور مے نہیں
جو مست کردے بے پیئے یہی تو وہ شراب ہے

زلیخا معترف ہے اب نگاہ انتخاب کی　　ہیں دامن عزیز مصر پتیاں گلاب کی
نہ ان کی پاک دامنی ہے منتظر جواب کی　　زباں پہ بلبلوں کی ہیں کہانیاں شباب کی
ہر ایک محو خواب ہے کسی نبی کا خواب ہے

گلوں کو راز عشق کی خبر بھی ہے ذری ذری　　سنا رہے ہیں بلبلوں کو آج وہ کھری کھری
چمن کی ساری کیاریاں گلوں سے ہیں بھری بھری　　ہے آسماں ہرا ہرا زمیں بھی ہے ہری ہری
شباب کی بہار ہے بہار کا شباب ہے

گلوں کی اُف رے کثرتیں کہ برگ بے نشان ہوئے　　یہ قابلِ بیاں ہوئے جہاں میں داستاں ہوئے
یہ بلبلوں کی قسمتیں کہ وقف آشیاں ہوئے　　یہ اوس پیکے ہیں پلے یہ دھوپ میں جواں ہوئے
چمن کا ذرہ ذرہ آج رشک آفتاب ہے

گلوں سے بلبلوں کی آج گفتگو ہے راز میں　　وہ مست اپنے ناز میں یہ محو ہیں نیاز میں
پھنسا ہے غزنوی کا دل بھی دامنِ ایاز میں　　بہار لوٹنے لگی شراب خانہ ساز میں

ہے لالہ جام واژگوں گلابی اک گلاب ہے

نسیم پہ فضا کو بھی یہ احتمال ہو گیا — کہ بلبل اور گل میں آج کچھ ملال ہو گیا
جلال گل کو آگیا کہ رنگ لال ہو گیا — بہار اور بڑھ گئی عجب کمال ہو گیا

چمن پہ رنگ آگیا جمال پر عتاب ہے

خزاں کو آج باغ میں بڑی شکست ہو گئی — صبا کا زور بڑھ گیا یہ اور پست ہو گئی
چمن میں آکے خود بہار مے پرست ہو گئی — گلوں کے منہ کو چوم کر وہ اور مست ہو گئی

شباب اوس پہ حسن بھی دو آتشہ شراب ہے

چمن کو باغباں نے آج بوستاں بنا لیا — تو بلبلوں نے بھی گلوں کو قدرداں بنا لیا
یہ باغباں کا قول ہے کہ گھر کہاں بنا لیا — گلوں کی پتیوں سے آج آشیاں بنا لیا

نہ خوف ہے نہ فکر ہے مزے میں محو خواب ہے

بہار کا یہ فیض ہے کہ پھول ہیں کلی کلی — وہ بھولی بھولی صورتیں ادائیں وہ بھلی بھلی
چٹک کے کہہ رہی ہے یہ چمن میں اب گلی گلی — خفی علیؑ جلی علیؑ ولی علیؑ علیؑ علے

فرشتہ سر جھکاتے ہیں علیؑ کی وہ جناب ہے

نصیریوں کا ہے خدا ہمارا کارساز ہے — اونہیں جو اس پہ فخر ہے ہمیں بھی اس پہ ناز ہے
علی نبی کا رازداں، علی خدا کا راز ہے — خدا جو بے نیاز ہے علیؑ بھی بے نیاز ہے

نہ اُس کو احتیاج ہے نہ اِس کو اضطراب ہے

علیؑ سے قدرت خدا جہاں میں آشکار ہے — علیؑ خدا کا عبد ہے ہمارا کردگار ہے
علیؑ کی ذات پاک پر جہان کا مدار ہے — علیؑ شمیم دوست ہے علیؑ جمال یار ہے

خدا کی بارگاہ میں ہمیشہ باریاب ہے

خدا ہے عارف علیؑ علیؑ خدا شناس ہے — علیؑ مدار دین ہے یہ دین کی اساس ہے
علیؑ خدا ہے یا نبی وہ وہم یہ قیاس ہے — علیؑ خدا کے ساتھ ہے علیؑ ہمارے پاس ہے

خدا جو بے مثال ہے علیؑ بھی لاجواب ہے

خدا کے کارخانہ کا علیؑ سے انتظام ہے — وہی نبی آخری کا اولیں امام ہے
علی کی کبریائی میں ہمیں بھی کچھ کلام ہے — علیؑ خدا کا وصف ہے علیؑ خدا کا نام ہے

علیؑ ابوالحسن بھی ہے علی ابوتراب ہے

علیؑ خدا شناس بھی علیؑ خدا نما بھی ہے — علیؑ ولی کبریا وصی مصطفےٰ بھی ہے
علیؑ ہے مقصد خدا نبی کا مدعا بھی ہے — نصیریوں کا ادعا ہے اُن کا یہ خدا بھی ہے
علیؑ ہی اپنا آپ ہی زمانہ میں جواب ہے

علیؑ مثیل کبریا علی مثال کبریا — علیؑ جمال کبریا علیؑ جلال کبریا
علیؑ کی ذات سے کھلے ہیں سب کمال کبریا — علیؑ پہ بعض بندوں کو ہے احتمال کبریا
علیؑ ہے عرش آشیاں علی فلک جناب ہے

اسی نے دوش مصطفےٰ کو نردباں بنا دیا — جھکے ہیں سر جہاں کے سب وہ آستاں بنا دیا
بتوں کے گھر کو سجدہ گاہ انس و جاں بنا دیا — قدم زمیں پہ رکھ دیا تو آسماں بنا دیا
یہ حاکم جناں بھی ہے یہ مالک الرقاب ہے

خفی بھی مدتوں رہا یہ پھر جلی بھی ہو چکا — ولا میں غرق رہ چکا بس اب ولی بھی ہو چکا
یہ غم بھی ہم بھی کھو چکا سنبھلی بھی ہو چکا — خدا خدا بھی ہو چکا علی علیؑ بھی ہو چکا
نہ اب کوئی سوال ہے نہ حاجت جواب ہے

علی سے کیا مقابلہ کلیم وہ کلام یہ — نبی ہیں گر تو کیا ہوا رسول وہ امام یہ
ستارے سارے انبیا تو ہے مہ تمام یہ — شریک ہے درود کا نماز میں سلام یہ
وہ ذرہ ہائے نور ہیں علیؑ ہی آفتاب ہے

نہیں ہے آرزو کوئی میرے دل تباہ میں — میں کھو گیا ہوں راہ میں میں مٹ گیا ہوں چاہ میں
تجلیاں ہزارہا ہیں اک میری نگاہ میں — وہ تیری جلوہ ریزیاں پڑا ہوں اشتباہ میں
نہ چپ رہوں نہ کہہ سکوں عجیب یہ عذاب ہے

علیؑ طلسم رنگ و بو یہ راز ہست و بود ہے — علیؑ جمال آرزو یہ خواہش نمود ہے
علیؑ ہے ساز گفتگو یہ عقدہ وجود ہے — یہ شمع شوق جستجو یہ جلوہ شہود ہے
وجود بخش کائنات اسی کی آب و تاب ہے

یہ تاجدار انما یہ شہسوار لافتا — یہ کامگار قل کفیٰ یہ شہریار ہل اتیٰ
یہ دوستدار مصطفےٰ یہ رازدار کبریا — یہ اعتبار ماسوا یہ سوگوار کربلا
حسینؑ اس کا لال ہے جو سید الشباب ہے

یہ اصل میں ولا بھی ہے خدا کا یہ ولی بھی ہے — اسی سے ہر رسول کی ہر ایک بلا ٹلی بھی ہے

بلند اس کا مرتبہ یہہ عالی . و علیؑ بھی ہے کلام پاک ہے یہی یہ آیت جلی بھی ہے
کھلی ہوئی جہان میں خدا کی یہہ کتاب ہے

یہہ رونقِ صلواۃ بھی یہہ حاملِ برات بھی یہہ پردہ دار ذات بھی یہ مظہر صفات بھی
اسی سے ہے ممات بھی یہہ رونق حیات بھی شفیع کائنات بھی یہہ رہبر نجات بھی
جو اس کا ہے وہ حشر میں نہ خائف حساب ہے،

صفی بھی ہے نجی بھی ہے ذبیح بھی کلیم بھی مسیح بھی خلیل بھی حبیب بھی حکیم بھی
یہہ ہادی طریق بھی صراط مستقیم بھی علیم بھی خبیر بھی رحیم بھی کریم بھی
ہیں شہر علم مصطفےٰ علیؑ اسی کا باب ہے،

خدا کی کبریائی میں علیؑ سا دوسرا نہیں علیؑ کو بس علیؑ کہو علیؑ ہے یہہ خدا نہیں
ہے سجدہ گاہ انبیا علیؑ کا نقش پا نہیں علیؑ ہے حد سے کچھ سوا علیؑ کی انتہا نہیں
علیؑ کی اور معرفت خیال ہے یہ خواب ہے

وہ عرش اعظم علا علی کی جلوہ گاہ ہے خدا ہے اس کا معترف رسول خود گواہ ہے
رُخ علیؑ پہ گر جمی نگہہ تو وہ نگاہ ہے اگر ذرا پلٹ گئی نگاہ بھی گناہ ہے
علی کی سمت دیکھنا نماز کا ثواب ہے

علی کی معرفت پہ ہاں کسے عبور ہوگیا نصیریوں کی عقل میں عجب فتور ہوگیا
سمجھ کی نارسائیاں کہ یہہ قصور ہوگیا علی کو کہدیا خدا علی سے دور ہوگیا
خدا کہے تو جان لو علی سے اجتناب ہے

خدا کو مانتے ہیں سب کوئی کہے خدا ہے کیا قیاس و عقل و علم سے نہ آج تک یہہ حل ہوا
کوئی بتائے تو مجھے نصیریوں کا مدعا علےؑ کو کیا سمجھ کے ہاں انہوں نے کہدیا خدا
خدا بعید فہم سے خدا کا کیا حساب ہے

علیؑ خدا کا نور ہے خدا کی کائنات میں علی شریک کار ہے حیات میں ممات میں
خدا کا مظہر اتم یہہ ذات میں صفات میں خدا کی سب خدائی ہے علی کی ایک ذات میں
اس آئینہ میں آفتاب حق کی آب و تاب ہے

علی کی منزلت کہوں کہوں علی کا مرتبہ علی کا گر ملا پتہ خدا کا مل گیا پتہ
علی ہے ایک آئینہ میان عبد و کبریا اِدھر سے دیکھو بندہ ہے اُدھر سے دیکھو ہے خدا

یہہ مظہر اتم کبھی کبھی یہی حجاب ہے

نبی علیؑ کو کہتے ہیں گناہ کا خیال ہے — علیؑ پہ بعض بندوں کو خدا کا احتمال ہو
یہہ نفس خاتم الرسل یہہ وجہہ ذو الجلال ہو — نبوت اس کی بات ہے شریعت اس کی چال ہو

نبی ہو یا رسول ہو اسی سے فیضیاب ہے

جو کچھ دیا کسی کو بھی علےؑ نے بر ملا دیا — کبھی رسول کر دیا کبھی نبی بنا دیا
ابو البشر ہوئے صفی جو قلب با صفا دیا — یہی علےؑ ہے جس نے ہاں کلیم کو عصا دیا

یہہ جتنے انبیا ہوئے علی کا انتخاب ہے

کسی کو تخت و سلطنت کسی کو تاج زر دیا — کسی نبی کے لال کو عزیز مصر کر دیا
کسی کو بے طلب دیا کسی کو بے خبر دیا — مسیح کو زباں بھی دی زباں میں پھر اثر دیا

علیؑ ہو جس سے ہم سخن وہ صاحب کتاب ہے،

علیؑ ہماری روح ہو علیؑ ہماری جان ہے — علیؑ خدا کا نور ہے علیؑ خدا کی شان ہے
علیؑ کے مدح خواں نبی خدا بھی مدح خوان ہے — علیؑ نہیں تو کچھ نہیں علیؑ ہے گر جہان ہے

علیؑ سے جو بھی پھر گیا وہ خانماں خراب ہے

خدا کا ہم صفات ہو بس اب صفات کیا کہوں — رسول کا شریک ہے علیؑ کی ذات کیا کہوں
علیؑ کا اک اشارہ ہو یہ کائنات کیا کہوں — کسی سے آج میں بھلا علیؑ کی بات کیا کہوں

خدا کا ہمنشیں ہے یہہ نبی کا ہمرکاب ہے

علیؑ سے عشق ہو گیا تو زیست کا مزا ملا — علیؑ کسی کو مل گئے تو دل کا مدعا ملا
خدا بنا دیا انہیں نصیریوں کو کیا ملا — علیؑ ملے نہ اب انہیں نہ اب انہیں خدا ملا

ادھر سے بھی عتاب ہے ادھر سے بھی عذاب ہے،

نصیریوں سے کچھ ہمیں غرض نہیں حسد نہیں — یہہ اُن کا اعتقاد ہے ہمیں کچھ اس میں کد نہیں
علیؑ کو کہدیا خدا ستم کی کوئی حد نہیں — علیؑ کی کوئی حد نہیں یہہ قول کچھ سند نہیں

یہہ بحر معرفت کبھی نگاہ میں سراب ہے

علیؑ کو گر خدا کہا علی کی منزلت نہیں — خدا کا کیا بگڑ گیا خدا کی منقصت نہیں
نصیریوں کو عقل سے ذرا مطابقت نہیں — علیؑ کی معرفت تو ہے خدا کی معرفت نہیں

جو جلوہ ہو وہ جلوہ ہی حجاب پھر حجاب ہے

سناؤں تم کو ایک بات اصل ہے جو راز کی　　علیؑ ہی حد فصل ہے حقیقت اور مجاز کی
علیؑ ہیں ہیں نشانیاں خدا سے بے نیاز کی　　خدا ہے ساز زندگی علیؑ صدا ہے ساز کی
نوا ہے یہہ جو لیے ہے وہ یہہ تار وہ رباب ہے

یہہ جنبۂ حدوث بھی یہہ جلوۂ قدم بھی ہے　　یہہ قہر ذوالجلال بھی کریم کا کرم بھی ہے
حریم جلوہ گاہ ناز رونق حرم بھی ہے　　خدا کے کارخانے میں اسی کا ایک دم بھی ہے
علیؑ نہیں تو پھر جہاں میں زندگی خراب ہو

یہہ فخر مرسلاں بھی ہے یہہ مالک جناں بھی ہو　　امام انس و جاں بھی ہے امیر مومناں بھی ہو
یہہ طور پر عیاں بھی ہے یہہ عرش پر نہاں بھی ہو　　چنیں بھی ہو چناں بھی ہو یہاں بھی ہو وہاں بھی ہو
کبھی یہہ آفتاب ہے کبھی یہی سحاب ہے

خلیل کا سکون قلب دل کا مدعا رہا　　ابوالبشر کے عفو کا یہی تو اسرار رہا
کلیم کا عصا رہا مسیح کی دعا رہا　　کبھی یہہ مصطفےٰ کے ساتھ بن کے مرتضیٰ رہا
فلک پہ آفتاب ہے زمیں پہ بو تراب ہے

علیؑ کے عشق معرفت کی انتہا شہید ہے　　علیؑ جمال جلوہ ریز آئینۂ شہید ہو
علیؑ کا میں شہید ہوں علیؑ مرا شہید ہے　　خدا نما علیؑ ہے گر علی نما شہید ہے
شہید بھی شعاع ہے علیؑ جو آفتاب ہے

علیؑ سنے تو بات ہوں نہیں سنے تو چیت ہوں　　جو پوچھے وہ تو ذات ہوں نہ پوچھے وہ تو کیت ہوں
نہ چاہے وہ فنا ہوں میں جو چاہے وہ تو زیست ہوں　　علیؑ کہے تو ہست ہوں نہیں کہے تو نیست ہوں
جو دیکھے وہ یقین ہے نہ دیکھے وہ تو خواب ہے

علیؑ ہے ابتدا میری علیؑ ہے انتہا میری　　کسی سے کیا ہوا ب بھلا طبیعت آشنا میری
علیؑ کا میں علیؑ میرا ہے زندگی جدا میری　　علیؑ کو اس سے مانگ لوں سنے اگر خدا میری
علیؑ میری بہار ہے علیؑ میرا شباب ہے

یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کے انعقاد کیلیئے

ابتدائی جلسہ

بتاریخ ۱۴ مئی ۱۹۴۲ء جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم ۔ اے پروفیسر وصدر شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کی کوٹھی پر ایک جلسۂ مشاورت منعقد ہوا جس میں حسب ذیل حضرات نے شرکت فرمائی اور مندرجۂ ذیل کارروائیاں عمل میں آئیں۔

اسمائے حاضرین جلسہ

(۱) عالیجناب مولانا السید محمد نصیر صاحب قبلہ
(۲) " " السید محمد سعید صاحب قبلہ
(۳) " " السید علی نقی صاحب قبلہ
(۴) " " السید ابن حسن صاحب قبلہ جارچوی
(۵) " " محمد طاہر صاحب قبلہ
(۶) " پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم ۔ اے ۔
(۷) " سید محمد آغا حیدر حسن صاحب عابدی ایم ۔ اے ۔ پروفیسر کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی ۔ برار
(۸) " حاجی سید غلام حسنین صاحب نقوی وکیل
(۹) عالیجناب مرزا عابد حسین خاں صاحب رئیس
(۱۰) " حکیم سید اقبال رضا صاحب سابق میونسپل کمشنر
(۱۱) " حکیم سید محمد قاسم صاحب مالک دواخانہ معدن الادویہ ۔
(۱۲) " حکیم سید محمد عسکری صاحب مدیر الرضوان
(۱۳) " سید قیصر حسین صاحب رضوی وکیل
(۱۴) " سید مصطفٰے احسن صاحب رضوی سکریٹری امامیہ مشن
(۱۵) " سید آفاق حسین صاحب رضوی
(۱۶) " سید ابن حسین نقوی سابق سکریٹری امامیہ مشن ۔

تجاویز

(۱) اس یادگار کی انعقاد کے لیئے کثیر التعداد صورتیں جو اب تک تجویز کی گئی ہیں اُن پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ حسب ذیل امور کو اس یادگار کے سلسلے میں نصب العین قرار دیا جائے۔

(الف) ایک کتاب کی اشاعت واقعۂ کربلا

کے متعلق جس میں مکمل طور پر اس واقعہ کے اسباب نتائج نوعیت اور تفصیلات پر بحث کی جائے اس کی تصنیف کے لیئے ایک مجلس علمی کی تشکیل ہو جس کے افراد مختلف مضامین کو اپنے ذمہ لے کر ان کی تکمیل میں مصروف ہوں۔

(ب) ۱۳۶۱ھ میں یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک کی مدت کو تمام اطراف ملک میں ایک نظام کے ماتحت جس میں ہفتوں پر تقسیم کر کے مسلسل جلسے ہوں جن میں تمام اقوام کے اکابر کو شرکت اور اظہار خیال کی دعوت دی جائے اور کسی ایک مرکزی مقام پر ایک ایسا اہم اجتماع ہو کہ جس میں بیرون ہندسے بھی مختلف اکابر کی شرکت کا انتظام کیا جائے۔

(ج) حسینی آثار کے لیئے ایک مرکز حفاظت (میوزیم) کی تشکیل جس کا خاکہ سرفراز کے ایڈیٹوریل نوٹ میں اس کے پہلے شائع کیا گیا ہے

(۲) طے پایا کہ حسب ذیل حضرات اس کتاب کے لیئے مضامین کا انتخاب فرمادیں اور ۲۳ مئی ۱۹۴۲ء روز پنجشنبہ کے جلسہ میں ان مضامین پر مکمل طور سے غور کرلیا جائے۔ پھر ارباب نظر کے غور کرنے کے لیئے جرائد میں اس کی اشاعت ہو تا کہ جلد کتاب کی تصنیف کا کام شروع ہوسکے۔

اسمائے ممبران

(۱) عالی جناب مولانا السید محمد سعید صاحب قبلہ

(۲) عالیجناب مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ

(۳) " السید ابن حسن صاحب قبلہ جارچوی

(۴) " پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔ اے۔

(۵) " مولانا سید اختر علی صاحب تلہری

(۳) اس یادگار کے قائم کرنے کے لیئے سرمایہ کی حفاظت کے واسطے جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم۔ اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی (دین دیال روڈ۔ لکھنو) بحیثیت خازن مقرر ہوئے اور مرکز مراسلت جناب سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر (عبد العزیز روڈ۔ لکھنؤ)

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی غفرلہ

نوٹ ۔ وکٹوریہ اسٹریٹ۔ لکھنؤ

مشاہیر پرستی تمام زندہ قوموں میں موجود ہے مشاہیر عالم کی فہرست بہت طولانی ہے۔ لیکن بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سید الشہدا علیہ السلام جو حسب ونسب کے اعتبار سے بے مثل ونظیر ہیں اور ذاتی کمالات کے اعتبار سے آئینۂ جمال مصطفوی اور عین کمال مرتضوی ہیں مشاہیر عالم کی فہرست میں سب سے نمایاں درجہ پر فائز ہیں۔ ایسے مشہور رہنمائے انسانیت کی یادگار یقیناً ایسی ہی منائی جانا چاہیئے جیسی کہ لکھنؤ کی

محترم انجمن نے تجویز کی ہے ہمیں امید ہے کہ ملک کے ہر گوشہ سے تمام با فہم اِنسان اس مبارک کام میں حصہ لینگے اور اس بات کا ثبوت دیں گے کہ دنیا میں فرض شناس اشخاص کمی نہیں ہے۔

حسن افضل عبدہ (نائب مدیر) اسلامی دُنیا

گل عقیدت

از امیر الامرا نواب تراب یار جنگ بہادر سعید جاگیر دار حیدر آباد دکن

رہے یا دغم شبیر دل میں رہنما ہو کر
اگر جانا ہے جنت کو تو جاؤ کربلا ہو کر

کریں سجدے نہ کیوں مومن نشان پائے عابد پہ
دکھائی راہ جنت سالک راہ رضا ہو کر

خطائیں کیوں نہ کرتے عفو شاہ کربلا اُسکی
حُر دیندار آیا تھا حقیقت آشنا ہو کر

گل داغ غم شبیر اپنے دل میں رکھتا ہوں
نکلتی ہے میری ہر سانس جنت کی ہوا ہو کر

محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام دو ہستیاں تھیں جب ہوئیں ظاہر
مقام نور میں دونوں رہے نور خدا ہو کر

حُر دیندار نے عاشور کی شب اس طرح کاٹی
جو نکلی آہ دل سے لب پہ آئی وہ دعا ہو کر

سکینہ کی قسم تمکو بتاؤ تو عزادارو!
لہو دریا پہ کس کا بہہ گیا خون وفا ہو کر

حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام ہی داد دیں گے صبر زینب کی
کہ پردہ رکھ لیا ہم عاصیوں کا بے ردا ہو کر

سعید اللہ کا ہے شکر اثر ہے نام کا میرے
بسر کرتا ہوں دنیا میں علی علیہ السلام کا نقش پا ہو کر

سلام

از
امیر ابن امیر نواب محمد معین خاں صاحب بہادر دام عزہ وعلاہ جاگیردار
حیدرآباد دکن

بیکسی پر شاہ کی ہر قلب نالاں کیوں نہو
سینہ میں داغِ غمِ شاہِ شہیداں کیوں نہو

جب لعینوں نے مٹائی ہی شبیہ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)
لاشۂ لختِ جگر پر باپ گریاں کیوں نہو

کھاکے برچھی ہو گئے میداں میں اکبر بھی شہید
بھائی کی تنہائی پر خواہر پریشاں کیوں نہو

ننگے سر جب احمدِ مرسل (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو دیکھا خواب میں
پھر یزیدِ بد اپنے کئے پر خود پشیماں کیوں نہو

زینبؑ بیکس سی چھینی جب لعینوں نے ردا
قدسیوں کے صبر کا بھی چاک داماں کیوں نہو

مرتے دم تک جس کے دل میں ہو ولائے پنجتن
روزِ محشر ہاتھ میں پیران کا داماں کیوں نہو

جس زمین پاک میں مہرِ امامت ہو نہاں
واں کا ذرہ ذرہ نورِ چشمِ ایقاں کیوں نہو

اے معینؔ جب تیرے دل میں ہی ولائے اہلبیت
داورِ محشر سے تو بخشش کا خواہاں کیوں نہو

سلام

از جناب سید دلدار حسین صاحب اظہر الہ آبادی

بن گئی دیوار در میلاد حیدر کیلیئے
یا - علی پیدا ہوئے اللہ کے گھر کیلیئے

خاک اُڑاتی ہی ہوا سبطِ پیمبر کیلیئے
دُھن رہے ہیں سر مگو لے جسم بیسر کیلیئے

ہوگیا جس روز سی سرمست صہبائے غدیر
ساغرِ دل مضطرب ہی جام کوثر کیلیئے

قلبِ مومن کیوں نہ ہو پیمانۂ خم غدیر
شیشہ دل ہی شرابِ حُب حیدر کیلیئے

عمر بھر حیدر رہے سینہ سپر بہرِ نبی
جان دی عباس نے سبط پیمبر کیلیئے

ہو رہی ہی لشکرِ اسلام کو پیہم شکست
دستِ حیدر چاہیئے اب فتح خیبر کیلیئے

غم سے لیلیٰ کا جگر ہوتا نہ کیونکر آب آب
شمع گریاں تھی شبِ عاشورا اکبر کیلیئے

ہو گئی جانِ علی اصغر شہادت پر فدا
تیر نے مل کر گلے بوسے جو اصغر کیلیئے

کربلا میں ہائے وہ آلِ نبی کی بیکسی
بے کفن بھائی، بہن محتاج چادر کیلیئے

وہ سفینہ کربلا میں ڈگمگائے کس طرح
ہو سرِ شبیر جس کشتی کے لنگر کیلیئے

کربلا میں کر گئے وہ کام انصارِ حسین علیہ السلام
حشر تک روئیگا اک عالم بہتر کیلیئے

جان دیکر آرہا ہے عاشق زارِ حسین علیہ السلام
کربلا رکھنا جگہ تھوڑی سی اظہر کیلیئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوحہ

از محترمہ بیگم سید محمد حسین جعفری ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن

اے کربلا تبادے کس نے کہ تجھے بسایا
کس کی عنایتوں نے یہہ دن تجھے دکھایا
کس کے سبب سے تو نے یہہ مرتبہ ہے پایا
ہستی مٹا کے اپنی رتبہ ترا بڑھایا

اُجڑی ہوئی زمیں کو باغِ ارم بنایا

باغِ محمدی کے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم) بے مثل جو شجر تھے
شاداب تھا ہر ایک گل سرسبز سب تھے پودے
وہ گلشن نبی سے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم) لا کر یہاں لگائے
پانی دیا نہ تو نے سب خوں سے اپنے سینچے

چن چن کے تو نے ہے ہے ہر نخل کو مٹایا

جاگے نصیب تیرے چمکا۔ تیرا ستارا
پایا فلک نے چاند اِک تجھ کو ملے اُتارا
تو نے جسے ستایا چن چن کے جس کو مارا
تھا جان و دل نبی کا اور تھا علیؑ کا پیارا

زینب کا تھا وہ بھائی زہرا کا تھا وہ جایا

خالق نے تجھ کو کیسا یہہ مرتبہ ہے بخشا
مانند اور زمیں کے تھی تو بھی ارضِ صحرا
اے خاک پایا تو نے یہہ مرتبہ ہے کیسا
مہماں ہوا ہے تیرا جانِ علیؑ و زہرا

تر کر کے اپنے خوں سے خاکِ شفا بنایا

افسوس تو نے اُن کا کچھ مرتبہ نہ جانا
تو نے جسے مٹایا تھا وہ چمن نبیؐ کا
تو نے جسے اُجاڑا گل زار تھا علیؑ کا
تجھ کو عروج دینا یہہ کام تھا اُسی کا

مظلوم کربلا کا جس نے لقب ہے پایا

دنیا میں جب کہ آیا یہہ میرا جسم خاکی
خالق نے میرے دل میں حُبِّ علیؑ عطا کی
عباسی میں نے حق سے تائید ہے یہہ پائی
ہے فخر مجھ کو اس کا میں ہوں کنیز اُس کی

عباسِ باوفا کا جس نے لقب ہے پایا

رباعیات

"شہید کربلا"

از حضرت پرویز شاہدی - حنفی - کلکتہ

ہے گرم نفس غمِ محبت تجھ سے باقی ہے حیاتِ سوزِ ملت تجھ سے
اے راہِ وفا میں جان دینے والے زندہ ترے نانا کی ہے امت تجھ سے

دُنیائے جمود کو روانی بخشی ایماں کو حیاتِ جاودانی بخشی
احساں ترا اے شہیدِ اعظم تو نے اسلام کو اکبر کی جوانی بخشی

چھدتے تیروں سے حلقِ اصغر دیکھا مرجھاتے ہوئے شبابِ اکبر دیکھا
اے خسروِ ملکِ صبر آنکھوں نے تری کیا کیا ستم کا منظر دیکھا

قاسم کو جہاں سے گزرتے دیکھا عباسِ وفادار کو مرتے دیکھا
اے جانِ رسول دیدۂ گردوں نے اتنا نہ کسی کو صبر کرتے دیکھا

پیہم غمِ حسنین میں روتے رہیئے اور آنسو سے دل کی گرد دھوتے رہیئے
لائے گا ثمر خلد میں نخلِ ماتم دانے اشکوں کے آپ بوتے رہیئے

حسنینؑ کے غم میں جان کھونے والو شبیرؑ کو یاد کرکے رونے والو
خاکِ شہدائے رسول کی ہے کھیتی موتی کاٹوگے اشک بونے والو

باقی آئندہ

beat Mr. Ashit Mukherjee in 5 sets who won the All India Runners Up in 1939. He also beat Bengal No, 5 Mr. Amar Mukerji twice, beating him in straight sets each time. Although brought up in a house of western civilization Mr. Kabuli, though quite young, is fond of religious things He says his prayers and is attending religious majlises with full devotion. Mr Arakie is more popular in Tennis in Bengal.

3 Mr. William Wells, now Mr. Hosen Wells, whose photograph appeared on page 5 Urdu side in March last, embraced Islam at the hands of His Eminence Maulana Haidari in Singapore (June 1928). He expressed his faith in Islam in the following few lines of poetry which he recited on the Ashura night at Agha Mirza Mohammad Ali Namazi's majlis at Singapore. It is hoped it will be of great interest to the readers of Islamic World. (*Editor*)

HOSAIN.

1. Pitched upon the scorching deset, the tents of Hosain lay,
Encompassed round with Satans Hounds
Upon that black sad Day.
2. They numbered less than Eighty Strong,
Women and children too.
Whilst Yazid's thousands stood around
Awaiting the Fiend's lue.
3. Driven away from the cooling stream,
His children wailing for water.
Awaiting with patience extremely sublime
Like sheep for the butcher's slaughter.
4. Oh ! how valiantly fought that pitiful few,
Against Yazeed's vile murderers.
Fought with a courage unequalled in Time.
Fought with a fierceness that was surely divine.
5. The earth quaked and trembled as noon drew near,
But still the survivors knew no fear.
But fewer and fewer grew that pitiful band.
For Islam, and God, and Hosain, they stand.
6. At last, all were dead, the Devil had won,
Blood red sank down the merciless Sun,
Trampled and torn lay the gallant Hosain.
For Islam and God, the Faithfull were Slain.

Hosin Wells, Singapore. 28 June, 1928.

Who is who ?

(See March 1940—Urdu side P. 5.)

1-Nawab S Mohammad Taqi alias Aga Haidar was born in 1875. He is of royal blood, being grandson of Nawab Jafri Begam daughter of Ziaul-mulk Nawab Fazli Ali Khan prime minister of His Majesty Naseerud din Haidar the King of Oudh. His grand father Nawab Mohammad Ali Khan alias Nawab Doolah was direct des-cendent of Safavi line of Persian monarchs. He possesses landed property in the Kaimganj Tahsil and the Chapramaoo Tahsil both paying Government revenue. Having passed the Entrance Examination he read in the Agricultural School Cawnpore but did not appear in the Final Examination. During the Great War of Europe (1914-1918) he served Government to the best of his power and means both by money and by men. He and his wife and his son Syed Mohammad Mukhtar alias Syed Mohammad Akbar Husain (who was at that time minor) subs-cribed over 10000 rupees to the War Loans & Contributed liberally to various War Funds. He & his wife endowed Rs. 14500 in the Mac Nair Female Hospital Shams-abad before the Great War of Europe. He went on a pilgrimage to the holy shrines of Iraq-Arab 1906 (Karbala, Nejaf, Kazmain etc) He has been an Honaray Munsifalso

(March 1940—English side P. 19)

2-Mr. Mirza Ahmad Kabuli better Known as Mr. M. A. Kabuli s/o Mr. Mirza Ali Akbar of Rangoon, born on 17th May 1916, one of the leading Table Tennis players of Bengal, photographed along with his partner-in doubles Mr. A. Arakie. They were about to win the Calcutta championship in February last, in the final (Mein's double), but on account of bad luck they lost the game, after leading 13-17. The Scores were 21-14, 14-21, 7-21, 21-13 and 21-18. They Also beat in 1938, the Bengal champions Messrs K. Gangoli and S Banerji in 3-1 sets in men's double. The opposite party Messrs A. Ghosh & A. Guha represented India for the worlds championship in Cairo last year.

It is hoped that our friend Mr. Kabuli will soon be entitled to be selected for the World Championship from India as he has of late beaten many prominent players in men's single in this country. He

"In its pathos" says Wilfrid Sparroy, "the episode of the Tent recalls the tragedy of Cavalry, and the virtues of the members of Hashim might have been modelled on those of the twelve Apsotles of Christ. The sublime figure of Hussain stands amongst them as the redeemer of his people On the Cross Christ's heart foresook him once and only once. It was when he cried : "My God why hast thou forsaken me ? " In like manner the heroic Hussain within the sight of Cufa, having to withstand the attack of Yazid and his hosts by turning aside from the direct road leading to his city of refuge and seeing the exceeding anguish of his beloved daughter Fatima, had felt the sting of his own destiny : "Ye crooked conducted spheres" he had cried "how long will ye act so cruelly to the family of God's Prophet ? "

Then, nerving himself to the trial, he prophesied his death on the morrow, and said, with his customary fortitude that the sacrifice of himself and his companions was not a cause for grief, since it would work for the salvation of his grandfather's people, and thenceforth his resolution to meet the fate he had chosen for himself never swerved, not even when the very angles of heaven sought to save his life from sheer love of a soul so "undaunted and so incorruptible.".

---

1. Islam Studien ....Prof. C. H. Becker-Pub. in Germany 1931. Beiseinem . ...berechtigten clalifen Pages:-104, 105.
2. Varlesungen uher den Islam ...... Prof. Ignaz Goldziher—Pub. in Heidelberg .1928. Pages: 197, 198, 202.
3. Her Todder Huseijnben Ali nuddie Rache......Prof. F. Wustenfeld ... Pub. in Germany. 1883. Pages 94, 95. Whole Book.
4. History of Persia . .. By D M. Sykes......Vol. II. London 1915. Pages:-42, 43.
5. The chilaphat... W Muir......London 1891. (Husein obtined ......of Mohamet.) Pages:- 3/2 323.
6. The History of Saracens .. .. S. Amir Ali-London 1907. (In the terms......the Ommayeds.) Pages:- 84, 85, 86, 87.
7. The Successors of Mohamet......Washington Irving... Leipzig 1850 When the morning .....from Fatima.) Pages:-317, 318, 319.

to the Caliphate against the hated *Ommeiades*. He crossed the desert with only a feeble train, his wife, his sister† two of his sons, and a few armed horsemen. When on reaching Karbala, then a desert station, about a day's journey from the west bank of Euphrates and in the near neighbourhood of Cufa, he found drawn up to meet him a host not of *retainers*, but of foes. The narrative of what follows is among the most pathetic in all history. The noble son of Ali, the favourite grandson of the Apostle of God, after deeds of valour, romantic even in an Arab of that age, fell pierced through and through with the arrows and jivelins of the cowardly assailants who did not dare to come within the sweep of his arm."

I. II. III. "His adversaries" says Prof. Dr. F. Wustenfeld "now closed around the person of the devoted Imam, who, notwithstanding, continued to defend himself with such admirable intrepidity and presence of mind as to excite the surprise and terror of his assailants, and killed or disabled not a few of their number. Labouring under such extreme anguish of mind from the frightful spectacle of a murdered family covered with wounds, deprived of water for so many days, and assailed by such overwhelming odds as well as by distress and horror, in every shape and form, he exhibited such an example of courage and constancy as seemed to be beyond the scope of human prowess . . A massacre rather than a fight ensued. Sinking to the earth he fell beneath a thousand weapons.".

"Thus fell" writes Prof. I. Goldziber "one of the noblest spirits of the age and with him perished all the male members of his family old and young with the solitary exception of a sickly child, whom Hussain's sister Zainab saved from the general massacre. He, too, bore the name of Ali. and in after life received the desigantion of Zainul-Abideen, "the ornament of the Pious" He was the son of Hussain by the daughter of Yazdjird, the last Sassanide king of Presia, and through him was carried on the house of the noble Imam.".

† The number of companions closely related to this King of Martyrs is not given correctly. There were 2 Sisters, 3 Sons, 4 Brothers, Cousins, nephews and some other females and children. (Editor)

THE SUPREME SACRIFICE.

By Dr. S. M. J. Rizvi. M. D. L. Q. (Berlin) M. R. A. S. E. (London) Hydrabad.

The history of Islam, since the death of the prophet, is a woeful narration. The principles so ardously incorporated into the Islamic edifice by the Prophet were slowly falling away. In other words an attempt was being made to institute heathenism again. The upholders of paganism worked as wolves in sheep's clothing. The advent of Yazid admits of no disguise. It was paganism pure and simple The reign of Yazid represents the comeplete downfall of Islam and the revival of paganism with its full force and vigour. The safety of Islam was at stake. It should either live or allow itself to be crushed under the heavy weight of heathenism. Islam required sacrifice not of one life but of lives. Who was prepared to do so ?

The Islamic Interuational comittee held in Budapest 1910, has passesd the spellings of the moslem names as follows:—
1. Huseijn. 2. Ommayyads.

The name of *Hussain,* the hero of Karbala, is rightly associated with Islam. The Arabian Prophet had succeeded in establishing Islam, but the result of his hard labour was at the point of being wiped out. Hussain realized the gravity of the situation. It admitted of no meditation, no delay, no compromise. He, the representative of Islam, stood up with his small following to face paganism with all its vast forces. (Syed Imtiaz Hussain Tirmizi B. A.)

I, II, III. "Eleven years after his elder brothers murder in the year 680 of our era" says prof. C. H. Becker "yielding to the repeated entreaties of the chief Muslim people of Irak, Arabia (or Mesopotamia), who promised to receive him with a host of armed supporters, Hussain set forth from Medina to Cufa to assert* his right

* Note—Hussain never tried to assert his right to the socalled caliphate. He was compelled to leave Medina and Mecca. The Ommeiades were determined to shed his innocent blood even in these holy places.

(Editor)

"At present, as will be seen from the concluding chapter, any Arabic letter of inquiry or controversy have to be sent to Cairo or North Africa for Examination and for an answer. This slow method is, to say the best, most unsatisfactory. In view of the signs of some revival of Moslem interest in China through the influence of the Pan-Islam movement, and in cousequence of that general awakening which is affecting more or less the whole of the Chinese Empire, the problem is becoming more and more pressing.

"The opening up of those more ready means of communication which are bringing the East and West into such close touch equally affect Mecca and China as any other centres, so that Islam in the Far East cannot long continue in its present obscurity. (*a*)

"The great rebellions of the last fifty years „rove that Islam is no negligible guan fity to the Chinese Government, nor can it any longer be to the Christian Church now that Christian communities are to be found in all the provinces of the Empire. (*b*) (Tobe contd.)

(*a*) NOTE--It is not true that Islam has remained obscure in these places. The pages of history will speak that the rays of the bright Sun of Islam reached far and wide and brightened the whole universe in muintes and seconds and dazzled the eyes of those who did not like it. (Haidari)

(*b*) This a fact that now Christian communities are to be found throughout the length & breadth of China but the figure showing the number of the Members of each community will be much more surprising. We will how ever mention them in the proper place. Here it is necessary to mention that the Moslems in China are not also sleepy, and inspite of the untiring efforts of the Christian Missions very few Moslems have fallen victim to these Missions, while on the other hand a good percentage of non-Muslim Chinese joins the ranks of Islam every year. There is no regular propagation work there, no financial support given to the converts, no Hospitals, Schools or Colleges for them, no industrial Schools for the Emigrants, but inspite of want of all such attractions the rapid increase in the moslem population in China speaks for the vitality of Islam which is undeniable. (Haidari)

has before him an alphabetically arranged list of all the kind friends who have answered his letters of inquiry. Should any of these not have received a personal acknowledgment by letter. their pardon for an unintentional oversight is sincerely asked.

"Rather than print all the names the writer has taken the privilege of dedicating the book to all who have assisted, as the best proof of his sense of obligation. As already mentioned the book is largely the outcome of special inquiries set on foot in cennection with Commission I. of the World Missionary Conference, the briefest summary of the findings being embodied in the Report of that Commission, with a foot note referring the reader to this work The book is now sent forth as a supplementary study to that Report, with the kind Introductory Preface of Dr. J. R. Molt, Professor Harlan P. Beach and Dr. S. M. Zwemer, who were respectively Chairman and members of that commission, and to whom as such the Maunscript was submitted before the conference. It may also be added that in addition Dr. Zwemer has most kindly read the final proof of the book and unified as far as that is possible, the Arabic spelling.

If according to the writers' conservative estimate the Moslems of China more than equal in number the Moslem population of Egypt, Persia, or Arabia, they surely deserve more thought than has yet been given them, and should this number be an under estimate the claim is only the greater. And if these people cannot be effectively reached in many cases without an Arabic-speaking Missionary, of whom there are none, with the possible exception of a worker resident at Kashghar or Yarkand, there is an urgent call for such worker or workers without further delay. *

* NOTE—This urgency must also invite the attention of the local Moslems residing in the places above mentioned and it is hoped that the Madrasatul waizeen will soon find its way to send competent Missionaries to help the Moslems in the Far East and save those innocent people from falling victims to the Christian Missionaries of Mr, Broom halls' Type. (Haidari)

European or American. Rubbings of this and other mounments are now in the writer's possession, and some are reproduced in this book. Thanks are also due to Mr. Arthur Cottet of the Chinese Imperial University, Peking— who as a speaker of Arabic has had special facilities for making inquiries- for rubbings of the famous Kien Lung Moslem mounment, for many photographs and valuable information re-Moslem communities in Peking.

"Acknowledgment is also thankfully made of the help given by Mr. Hans Doring in securing a rubbing of the trilingual inscription at Canton. †

"In translation work the writer is indebted to the Rev. W. St. Clair Tisdall D. D., for the translation of the Sianfu Arabic, and the Canton Arabic, and Persian inscriptions; to Mr. C. Zee for kind assistance in the task of translating the Chinese inscriptions, which in some cases, where Arabic words have been transliterated into Chinese, have given considerable trouble; to Miss Smirnoff of the C.I.M. for a manuscript translation of Professor Vasil'eo's Russian book, and to the American Christian, who prefers to remain anonymous, for similar help with the Turkish books. It may be mentioned here that the largest Turkish work, obtained through it purports to be an independent study, is chapter by chapter an abbreviated translation of M. de Thier Sant's French book.

"It would be possible to fill several pages with the names of those who have, by correspondence, etc., given assistance, as thewriter

† NOTE—In 1928 while I was staying in Hong Kong in connection with the Islamic propagation work I came to know much about Canton.

It is one of the most important towns in the Moslem world. The Moslem Emigrants during the life time of the Holy Prophet of Islam reached this place and I am not exaggerating in saying that the first Mosque in the Moslem world next to that built in Medina was the one built in Canton a few years after the death of the Holy prophet of Islam and these inscriptions are those on the pillars of this Mosque.

(Haidari)

but these, as the reader will soon recognise, are of no historical value. (*a*)

"By the help of friends, careful search has been made in the most likely centres in China for Inscriptions which it was hoped would throw light upon the subject. In addition to these lines of research, the writer sent out a list of questions to more than eight hundred persons, missionaries Commissioners of Customs, etc; resident throughout the Chinese Empire, and from nearly two hundred of these many writing on behalf of others, replies have been received. Some of these replies have been long and valuable contributions to the subject, and some only the briefest post card, in some cases saying that there were no Moslems in their locality, which brief statement has been useful information in ascertaining the Moslem contres of pepulation *

"It will be at once recognised that the writer is under a heavy obligation to many friends, and this he desires to fully acknowledge. In the search for inscriptions the writer is especially indebted to the Rev. F. Madeley, M. A , of the Baptist Missionary society, who discovered the mounment dated 742 A. D., hither to not seen by any

(*a*) NOTE--Is it not a pity that Mr. Broomhall gives no historical value to the work of the Chinese Moslem writers, although it is a fact that the Chinese Moslem writers must have got first hand information about their own country, on which the works of the foreign writers must be based. (Haidari)

* NOTE—It is strange that inorder to gather information about the Chinese Moslems our friend has not taken the least trouble to enquire about them from any Moslem residing in China. He was contented with the replies received from different non-Muslims whom he addressed on the subject and yet he is proud of his having compiled the very best book about Moslems in China. It would have been much better if the author had expressed that he was not writing in the capacity of a historion but he was writing as an orthodox Christian who is naturally bound to be dead against Islam & Moslems, notwithstanding their being Chinese or Indian (Haidari)

mental inscriptions in Arabic in preference to the Chinese character, so honoured by the Confucian Scholar; and the conversation with a Mullah on lines quite other than those generally followed by the ordinary *Chinese*, could hardly fail to make a lasting impression.

"Some of the ambitions then awakened in the writers' mind have never been realised, but at last after many years' time, circumstances have made both possible and desirable a more thorough study of these interesting strangers, now dwelling as naturalised subjects of the *Chinese Empire*.

"Some correspondence with Dr. Zwemer, the well known American Moslem authority, with whom the writer was privileged to be associated as a member of commission, I, in preparation for the World Missionary Conference at Edinburgh, hastened the completion of a work which had for some time been seriously contemplated.

"In the prosecution of this task no pains have been spared to make the results reliable, and as complete as a book of reasonable limits would allow. Up to the present time, no book in the English language has been published on this subject, though a fair number of articles are to be found here and there in various magazines. The British museum and other Libraries have been carefully searched for these, and for any works in French, German, and Russian, while one or two small books in Turkish have been specially obtained from Constantinople. The most important works are those in French, especially those by M. Deveria, who is a scholarly and accurate writer, and the large work by M. Depiersant, which is a mine of information, though it shows a sad lack of the critical faculty.

"The more important of the books used will be found in the Bibliography in the Appendix, and the footnotes throughout the book will indicate those most frequently quoted. Extracts from one or two of the more important Chinese Moslem books have been given,

It is a fact that Western Missions have, from a very long time, been engaged in the persuit of diminishing the Muslim population of the world by all means with in their powers and thus trying to increase the number of those who profess to believe, even for political salvation in the Godhead of Jesus Christ.

But the fact connot be denied that notwithstanding their untiring efforts these Societies have not been able to inflict a substancial loss on the Muslim population.

The Non Muslims whether they be Christians or otherwise generally accuse Islam of cruelty, tyranny and other similar charges and their belief is that Islam has spread far and wide only through the Sword.

China and its Muslim population refute all such accusations and a student of history will easily understand that Islam was not spread through sword. The Editorial Secretary of the China Inland Mission, Mr. Marshall Broomhall B. A., in an introductory preface to a book, "Islam in China" has to a great extent expressed his eagerness to see the Christian Mission prosperous in China, which inspite of all kinds of facilities has proved a complete failure.

Mr. Broomhall says :—

" Nineteen years ago, the writer, in the course of a long overland journey across China, came for the first time into personal contact with the Chinese Moslems. A prolonged visit, one Sabbath day, in company with Mr. John Brock, to a mosque in a city on the borders of the provinces of *Honan* and *Auhwei*, gave rise to many reflections concerning *the followers of Mohammad residing so far away from the prophet's Sacred city of Mecca.*

" The first sight of a Moslem place of prayer, so clean and well kept, in contrast with the dirty condition of an ordinary *Chinese temple*; *the absence of all images in a land given to idolatory*, the orna-

Mission, and should the missionaries be well up in the religious knowledge of the different faiths and have a good command over the English language, the success is not far.

The Maulana's lectures in the Mosques have had a very good effect on the Muslim Community, and have I believe dispelled the suspicions that some of them had with regard to the Islamic teachings, and have strengthened the beliefs of the rest. The European and Chinese Communities also appear to be taking interest and had the Maulana to stay here longer it would probably have brought more marked results.

Maulana Laqai Ali Haidri is the first Muslim missionary seen in this part of the world, and although, as it is stated, he had not had a chance to deliver lectures in English previously except at Singapore, he has improved admirably and spoken in English without any deficiency. Possessed with a vast knowledge of the different faiths and an unshakable determination to deliver His message undauntedly as he is, this white-bearded old man has in fact during his short stay in Hong Kong achieved that success and done such a useful service to Islam which the Young Men's Islamic Society inspite of its high ideals and noble undertakings was unable to do.

I am giving you this information with theonly object and hope that it may be of service to you in framing your programme for the future, and trusting that it will prove of assistance.

I am, Yours in Islam,

Haq Nawaz Mehal,

The Hong Kong Electric Co., Ltd.

Hong Kong
3rd June, 1928.

The Maulana is delivering another public lecture inthe City Hall tomorrow on "Islam the religion of peace," and leaves the Colony for Singapore on the S. S. "Takliwa" on the 5th instant.

The notahle and in fact the most essential point in the Maulana's speeches and private conversations is that, irrespective of any inclination to any of the alleged sects in Islam, he speaks for Islam and as a Muslim only, and I must say that each and every Muslim commissioned with the noble duty of preaching Islam must necessarily be such and should strictly observe this fundamental principle of the Faith.

The Muslim population in Hong Kong numbers a few thousand Among them are those who speak only Chinese or English Strictly speaking there is no Islamic Institution in the Colony, and there is no way of giving Islamic education to the Muslim Community in general and the younger generation in particular. The result is clear. Between two unislamic civilisations, the Europeans and the Chinese, the muslim Community is drifting away from the natural and traditional Islamic moralities. Generally speaking the economic condition of the Muslim population is not unsatisfactory and provided a guiding hand be forthcoming, the reforms do not appear difficult.

Hong Kong a British Colony with cosmopolitan population, mostly Chinese, a good number of Europeans, Americans, Australians, Japanese, and representatives from nearly all over the world. The Chinese has been seen to be quite uncommunal-there being some times Muslims, Christians, and Budhists in one family. He appears to be unsatisfied with the Christian theology and looking for something more reasonable and peace giving. The Chinese population in this Colony is entirely engaged in business, and some of the members of the Community are extremely rich. The Christian population in general appearsto be taking no more interest in the religion than it is observed in the rest of the Christian world.

It therefore seems that there is a vast field for an Islamic

Since his arrival here the weather has been constantly bad but inspite of that he has been going to the Mosque even at night, delivering lectures-some time as late as midnight-and returning to his temporary abode under heavy showers of rain.

At a request from a member of the Ahmadi Party the Maulana agreed to explain the Islamic Faith with regard to the alleged death and crucifixion of Jesus Christ, and in a crowded gathering of the Muslim Community he quoted extensively from the holy Quran, Hadis, and the reliable Tafsirs, and proved to the satisfaction of the audience that Jesus Christ was not crucified but raised.

After a few days' stay here the Maulana left for Shanghai and returned in about a week's time, and again started a series of lectures in Juma Mosque discussing almost all the principal points in the Islamic Faith.

In response to a request from the Muslim residents in the Wanchai district of the Colony the Maulana began delivering lectures in the mosque there, and as the only suitable time to thess people was at night tne lectures in this mosque were mostly delivered after sun set.

At the occasion of Idul Zuha the Maulana delivered a thrilling speech on "Sacrifice in Islam" and comparing the various types of the Islamic Law with regard to this question.

Unfortunately and perhaps, taking into consideration the local conditions, not unnaturally the Maulana has not hitherto had a chance to deliver a public lecture except on one occasion when he spoke in the City Hall on 30th May 1928 on "Islam the religion of humanity." The effect of this public lecture—the first of its type in the City Hall—has been satisfactory and encouraging, and coming Muslim missionaries, if any, will have an easy path to tread over.

I shall try to publish regularly some thing about this book every month and trust it will be read with great interest.

To the President, Madrasatul Waizeen,
Lucknow.

Dear brother in Faith,
Assalamo alaikum.

Maulana Laqa Ali Haidri, who I understand is a representative of the Madrasatul Waizeen. Lucknow, is now in Hong Kong for over three weeks, and it gives me much pleasure to pen that I have found him a staunch Muslim and an enthusiastic and a zealous worker in the cause of Islam.

I had first had the pleasure to meet the Maulana on the S S. "Takliwa" when I was returning from India in May last, and I was extremely pleased to learn that he is touring the Far East with a view to preaching Islam in these countries, and that he had been delivering public lectures in the City Hall at Singapore, where one of the European residents had in consequence of his lectures embraced Islam. The Maulana was searchingly quisitive with regard to the conditions in Hong Kong and I explained to him as much as I know.

We landed here on 6th May 1928. and the Maulana was conveyed to Messrs Jummabboy & Co. by their repressntative, and he has since then put up with Messrs, Currimbboy & Co. I understand that Mr. H. M. H. Namazee who is living in his bungalow on a higher level on the hill has been anxious to keep the Maulana with him but in order that the genreal public may have an easy access to him without undergoing the trouble of ascending the hill, the Maulana is still staying with Messrs. Currimbboy & Co. who have their quarters in the central district of the city.

Soon after his arrival here the Maulana began lecturing in the Jumma Mosque almost daily and occasionally more than once a day.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol 4. | MAY and JUNE, 1940. | Nos., 3+4.

ISLAM IN CHINA

(By Mr. L A. Haidari, Muslim Missionary)

IN 1928 when I left India for propagation of Islam in the Far East I went to several places and was glad to find millions of Muslims in every corner of the continent where ever I went. I visited several places-the details will be given afterwards-where I was considered to be the first Muslim Missionery ever seen. I found the Muslims in those countries, in majority, simple and pure-hearted Ever ready to listen and try to accept reasonable arguments. With all their simple living and pure heartedness I marked with great pleasure that the Christian Mission has nearly failed in China and in the Strait Settlements. They have spent carores of rupees every year but the results are comparatively hopeless.

Although it is very late for me to publish an account of my visit to countries in the Far East, I shall try to put up before my readers what I have experienced in China & other countries. It will not be out of place to give here a copy of a letter written by the President Young M. Association Hongkong to the President Madrasatul waizin Lucknow Dated 3rd June 1928. This letter was published in the Muslim Review. But its reproduction in this connection will not be of less interest to the readers. I got a book named "Islam in China" which was presented to me by Mr. Sawal in Shanghai and I promised my friend to publish a comment on the same. I am now presenting my first instalment.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN U. P.

May & June, 1940. Nos. 3 & 4

Regd. No. A. 378.

UNDER THE KIND PATRONAGE OF
H. E. H. THE NIZAM OF DECCAN & BERAR.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 4. | MAY & JUNE. 1940. | Nos. 3 & 4

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA	RS. 4/-	SINGLE COPY (INDIA)	-/7/-
FOREIGN	RS. 6/-	... ... FOREIGN	-/9/-

HONORARY EDITOR
Dr. S. E. A. SHAH NAQAVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALIASHRAF
Kazi Tola, BUDAUN.

Printed by L. Ram Saran Lal Rastogi at the Shanti Press, Budaun.

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ
نقوی

اغراض و مقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقائق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا۔

۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا۔

۳۔ فرقہ وارانہ اختلاف اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔

۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا

۵۔ حقیقی علم برادران اسلام کی ضروریات اور ان کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اصل رنگت میں پیش کرنا

۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقیدی تبصرہ کرکے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا

۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوشگوار بنانا

۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کئے جاتے ہیں اُن کو بہ آئین شائستہ زائل کرنا۔ اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے ہر نافہم انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔

۹۔ مسلمات شیعہ سنی کے خلاف کوئی شے اس رسالہ میں درج نہ ہوگی

۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ و سنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے

۱۱۔ حضرات علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا ارشادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہینگے

۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم و نثر اس رسالہ میں درج ہوا کریگا

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں دہلی سے شائع ہوا کریگا۔

۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا

۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔

۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلاقیمت بھیجا جائیگا۔

۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی پی کی اجازت دینگے انکا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں

۶۔ بابت خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہئے

۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہئے۔

۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہنچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دیکر منگوا سکتے ہیں

چندہ سالانہ للعہ

بیرونِ ہند سے ۔ے ر

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَام

اسلامی دنیا

بدایوں

زیر سرپرستی
حضرت قمر الواعظین لسان الملت
ناصر الشریعت ثقۃ الاسلام مولانا مولوی
محمد بقا علی صاحب حیدری
مدظلہ العالی

مدیر مسئول
گریجوئٹ مولوی سید
تکمیل عنایت علی شاہ
رضوی ۔ ایس ۔ ایس
نقوی ایل ۔ ڈی ۔ ٹی ۔ ایم
اے ۔ ایچ پی لکھنؤ

جلد ۴ — فہرست مضامین بابتہ ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۴۰ء — نمبر ۸ و ۹

گزشتہ دو سال کے عرصہ میں جس دور ابتلا میں ہمارے جرائد و رسائل مبتلا رہے ہیں وہ ظاہر ہے کام کرنے والے طرح طرح کے مصائب میں گرفتار قومی ادارے مالی مشکلات سے آئے دن دوچار اور اسیر قومی درد اور جذبۂ مذہبی کا فقدان یا کلی کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق ہے۔ ہم کو یہ ذاتی تجربہ ہے کہ ہر رسالہ مالی مشکلات میں مبتلا ہے اور برابر کہیں پریس فنڈ کی کوشش ہے تو کہیں اشتہار کے حصول کی کوشش اور اخبار و رسائل کو کلید کامیابی قرار دیا جاتا ہے۔ کہیں ہر خریدار سے جدید ایک نئے خریدار کی فرمائش۔ ہمارے اخبارات اور رسائل کے پڑھنے والوں میں کم از کم ۵۰ فیصدی ایسے حضرات ہیں جو محض تبرکاً یا وضعداری کے پاس کی وجہ سے کسی قومی رسالے یا اخبار کے خریدار ہیں۔ روزانہ اخبار اُن کے شوق اخبار بینی کو پورا کرنے والے اور مضامین کی اہمیت پر نظر کرکے رسالہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والے اصحاب کی تعداد دس فیصدی سے زیادہ نہیں نقد و تبصرہ کرنے والا تو ایک فیصدی مشکل سے ملیگا۔ اور اس نقد و تبصرہ کو خوشدلی اور خندہ پیشانی سے دیکھنے والے بہت کم نکلیں گے۔

ہم اپنے ایک محترم بزرگ کے ممنون ہیں۔ جنھوں نے ہمارے رسالہ پر دو سال تک نہایت زبردست تنقید اور تبصرہ کرکے ہم کو ہماری خامیوں پر متنبہ کیا لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ مرض مزمن ہوگیا ہے اب اس طرف توجہ کم کردی پچھلے دنوں میں سنا تھا کہ سوء مزاج کی شکایت ہے۔ خداوند عالم شفا عطا فرمادے۔

اسوقت بھی باوجود طرح طرح کی دقتوں کے ملک میں خدا کے فضل سے ہمدردانِ مذہب و ملت کی کمی نہیں ہے۔ ہمارا رسالہ جو نہ باوجود اپنی غیر منظم حیثیت کے کس مپرسی کے عالم میں نہیں ہے اور مذہب حقہ کے فدائی اس کی اشاعت میں کوشاں ہیں اور روز افزوں ہماری فہرست میں اضافہ ہو رہا ہے ہم نے بار بار بذریعہ تحریر خاص و عام طریقہ پر ان حضرات کو متوجہ کیا جن کے ذمہ بقایا واجب ہے۔ اور اپنے مذہبی رسالہ کے اجراء میں کمی سرمایہ کو رکاوٹ ظاہر کیا۔ لیکن سوائے چند حضرات کے کسی نے توجہ نفرمائی جس سے بیحد نقصان ہو رہا ہے۔ براہِ کرم وہ تمام حضرات جنھوں نے سنین گذشتہ میں اپنا چندہ یا مصارف طبع بلاک مرحمت نفرمائے ہیں اس رسالہ کے پہونچنے پر بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں۔ ورنہ

وی پی حاضر خدمت ہوگا اور اس صورت میں اگر وی پی واپس ہوا تو ہمارے ادارے کو مفت میں ایک قلیل رقم کثیر نذر ڈاکخانہ کرنا ہوگی۔ جو حضرات رسالہ کو ضروری نہیں سمجھتے وہ براہ نوازش ایک پوسٹ کارڈ بھیجکر ادارے کو شکر گذاری کا موقع عطا فرمادیں۔ کیونکہ رسالہ کو ہزاروں کی تعداد میں بلا ضرورت شایع کرنا منظور نہیں ہے۔ اگر شایقین حضرات کی تعداد کم بھی ہوگی تو اجرار رسالہ پر اثر نہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

جن حضرات نے ابھی تک اپنے سوانح حیات روانہ نہیں فرمائے ہیں اور اُن کے فوٹو شایع ہوچکے ہیں وہ براہِ کرم جلد روانہ فرمادیں تاکہ قریب کی اشاعتوں میں شایع ہوسکیں۔

جو حضرات آئندہ حسین نمبر کے واسطے اردو انگریزی۔ فارسی (نظم یا نثر) میں کچھ لکھنا چاہیں وہ جلد توجہ فرمائیں۔ انشاء اللہ آئندہ حسین نمبر ماہ فروری میں ضرور شایع ہوگا۔ یا لقصویر ہوگا۔ اور اُمید ہے کہ سال ہائے گذشتہ کے مقابلہ میں اور زیادہ شاندار ہوگا۔

اس مرتبہ بھی بعض تصویریں بہت زیادہ اہم ہوں گی۔ اور مضامین انشاء اللہ سب کے سب اہم ہوں گے۔

والسلام

خاکسار

نائب مدیر

نقد و تبصرہ

حسینی قربانی

یہ ایک مجموعہ سلام ہے جو ۱۱۲ صفحہ پر مشتمل ہے۔ آگرہ و دیگر مقامات کے ہندو مسلم حضرات کا مرجبہ کلام مولوی سید غلام علی حسن صاحب وکیل شاہگنج آگرہ نے مرتب فرمایا ہے۔ چھ سال سے شاہگنج آگرہ میں اردو ادب کے قدردان عشرہ محرم کے بعد ایک بزم سالانہ منعقد کیا کرتے ہیں۔ جس میں مقامی و بیرونجات کے حضرات شعراء کو دعوت دیجاتی ہے۔ اس سال کی بزم سالانہ زیر صدارت ادب ادیب مولوی محمد سلطان حیدر صاحب جوش بی ای۔ اسی بدایونی منعقد ہوئی۔ جلسہ ہر طرح کامیاب رہا۔ اور فاضل صدر جلسہ کا خطبہ صدارت نہایت مہتم بالشان تھا۔ جسکو شارٹ ہینڈ رائٹر نے لکھا اور اس مجموعہ سلام کے ساتھ شایع کیا گیا ہے۔ چونکہ سلاموں میں تصرف کو دخل نہیں دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے بعض مقامات پر غور و نظر کی ضرورت باقی رہ گئی۔ لیکن بزم ادب شاہگنج آگرہ کی یہ کوشش ہر طرح قابل

ستائیش اور لائق داد ہی. مجموعہ سلام مطبوعہ [illegible] تقطیع پر دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع ہوا ہی۔ علاوہ ٹائیٹل کے ۱۱۲ صفحے ہیں اور قیمت صرف ۱۲ہ ہے۔

ملنے کا پتہ

علوی اسٹور شاہگنج آگرہ (مدیر)

"مولویت اور اسلام" مولفہ حاجی نبی احمد صاحب رئیس بریلی اسوقت ہمارے روبرو بغرض تبصرہ موجود ہی۔ حاجی صاحب نے اس کتاب میں جو کچھہ لکھا ہے وہ دردِ دل کی بناء پر ہی

درحقیقت صدیوں سے نہیں بلکہ واقعی ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گذرا مسلمانان عالم کے پاس صدہا کتابیں مختلف علوم و فنون کی زینت کتب خانہ بنی رہی ہیں۔ اور آج بھی یہی عالم ہی. سابق میں پڑھے لکھے آدمی حکومت کے اثر سے مرعوب ہوکر دین کو دنیا کے لئے فروخت کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ اور اس بے باکی اور ناحق شناسی کا یہہ نتیجہ ہوا کہ صدہا نہیں ہزاروں کتابیں علم فقہ۔ تاریخ۔ تفسیر اور حدیث وغیرہ میں ایسی موجود ہوگئیں کہ کسی بات کو بھی جانچنے اور اصل کا پتہ لگانے میں دقت ہی دقت ہے اس زمانہ کے مغرب زدہ حضرات کے عقیدے کے بموجب جو شخص نامی مولوی ہو۔ بس اس کا نامی ہونا کافی ہے۔ اب تحقیق اور تفتیش کی ضرورت نہیں ہر جو اس نے لکھہ دیا وہ اگرچہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف بھی ہو لیکن چونکہ زمانہ موجودہ کے مولوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ اس کی قیمت کے خلاف آواز بلند کرنا کفر کے مترادف ہے۔

ہم انشاء اللہ مستقل طور پر مختلف علوم و فنون کی کتابوں پر نقد و تبصرہ کریں گے۔ سردست ہم کتاب مندرجہ بالا پر اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ مولف نے جس جوش اور جذبش کے ساتھ یہہ مختصر رسالہ لکھا ہی وہ مطالعہ سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ ۸۰ صفحات لائبریری سائز پر طبع ہوا ہے لکھائی چھپائی معمولی ہی کاغذ ادنے قسم کا ہے اور کتابت کی بھی کہیں کہیں غلطی رہ گئی ہے. معلوم ہوتا ہے کہ پروف مولف نے خود نہیں ملاحظہ کیا. لیکن اسکے ساتھ ساتھ قیمت کچھہ بھی نہیں ہے یعنی اپنے مطالب کی اہمیت۔ زبان کی سلاست اور روانی زبردست مطالعہ کے نتیجہ کو پیش کرنے کے باوجود صرف ۴ہ ہے۔ ملنے کا پتہ غالباً بریلی ہوگا۔ کیونکہ آخری صفحہ پر چند دیگر تصانیف۔ حاجی صاحب کی فہرست بھی موجود ہے اور وہ سب کتابیں اگر اس پیمانہ پر لکھی گئی ہیں تو یقیناً قابل مطالعہ ہیں۔

بریلی نہیں تو نظامی پریس بدایوں سے ضرور مل سکیگا

(مدیر)

الہامی کلمات

(گذشتہ سے پیوستہ)

۵۱۔ العالِمُ یَنظُرُ بقلبہٖ وَخاطِرِہٖ الجَاھِلُ یَنظُرُ بعَینِہٖ و نَاظِرِہٖ۔

عالم چشم بصیرت سے بینا ہیں اور بے سواد چشم عبارت سے دیکھتے ہیں۔

۵۲۔ الصَّمتُ لِغَیرِ تفکّرٍ خَرَسٌ

خموشی اگر فکر کے سبب سے نہ ہو گونگا ہونا ہے۔

۵۳۔ الغَشُوشُ لِسانُہٗ حُلوٌ وَقلبُہٗ مُرٌّ

چاپلوس کی زبان شیریں ہے اور قلب تلخی سے بھرا ہے

۵۴۔ العفوُ تاجُ المکارم

درگذر کرنا بزرگی کے لئے تاج سر ہے

۵۵۔ الاحسانُ یستعبدُ الانسانَ المَنُّ یُفسدُ الاِنسانَ۔

احسان آزاد انسان کو بندہ بناتا ہے اور اُس کا جتلانا احسان کو برباد کرتا ہے۔

۵۶۔ الخائفُ لاعَیشَ لہٗ

ترسان کے لئے آرام و راحت نہیں ہے۔

۵۷۔ العلمُ تدلُّ العقلَ فمَن عَلِمَ عَقَلَ

دانائی عقل کی رہنما ہے۔ پس جو صاحب علم ہے صاحب عقل ہے۔

۵۸۔ الکیّسُ مَن کانَ یومُہٗ خَیراً مِن اَمسِہٖ

باہوش وہ ہے جس کا آج کا دن آنے والے دن سے بہتر ہے۔

۵۹۔ الجاھِلُ لایعرِفُ تقصیرَہٗ ولا یقبلُ مِنَ النّاصِحِ لَہٗ۔

نافہم نہ تو اپنی لغزش کا معترف ہوتا ہے اور نہ کسی کی نصیحت قبول کرتا ہے۔

۶۰۔ الدّاعی بلا عَمَلٍ کالقَوسِ بلا وَتَرٍ

مرد بے عمل جو طالب عمل غیر سے ہو کمان بے زہ کی طرح ہے

۶۱۔ البلاغۃُ ما سَھُلَ عَلَی النُّطقِ وَ خَفَّ علی الفِطنَۃِ

حسن کلام یہ ہے کہ زبان پر بار نہ ہو اور فہم پر سبک ہو۔

۶۲۔ الحَسَدُ داءٌ عَیاءٌ لایزولُ اِلّا بِھَلاکِ الحاسِدِ اَو بموتِ المحسُودِ

حسد وہ موذی مرض ہے کہ جاتا ہی نہیں جب تک کہ دشمنی کرنیوالا یا جس سے دشمنی ہو مر نہ جائے۔

۶۳۔ الشّریرُ لایَظُنُّ بِاَحَدٍ خَیراً لانّہٗ لایَراہ اِلّا بِطبعِ نفسِہٖ

شریر و بدنفس کسی کے ساتھ حسن ظن نہیں رکھتا کیونکہ اپنے نفس کی طرح نہیں پاتا۔

۶۴۔ الحائِرُ لم یُؤخِّر عَمَلَ یَومِہٖ اِلیٰ غَدٍ

مردان کار آج کا کام کل پر اٹھا نہیں رکھتے۔

۶۵ التَّعجلۃُ مذمومۃٌ فی کُلِّ امرٍ اِلّا فیما یدفعُ الشَّرَّ

جلد بازی ہر کام میں بری ہے مگر رفع شر میں

۶۶ الطمانینۃُ الیٰ کلِّ احدٍ قبل الاختبارِ من قصورِ العقلِ۔

ناآزمودہ پر پہلے سے مطمئن ہونا کمی عقل ہے۔

۶۷ الشرفُ بالھممِ العالیۃِ لا بالرممِ البالیۃِ

شرف و عزت عالی ہمتی ہے۔ نہ کہ اسلاف پر فخر و ناز کرنے سے۔

۶۸ القلبُ خازنُ اللسانِ اللسانُ ترجمانُ الانسانِ

دل خزانہ دار زبان ہے اور زبان دل کی ترجمان ہے۔

۶۹۔ الاصدقاءُ نفسٌ واحدۃٌ فی جسومٍ متفرقۃٍ

سچے دوست ایک نفس ہیں جو کہ متفرق اجساد میں پائے جاتے ہیں مثل ہو ایک جان دو قالب

۷۰ الناسُ کالشجرِ شربُہ واحدٌ وثمرُہ مختلفٌ

انسان مثل درخت کے ہیں ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر پھل مختلف ہوتے ہیں۔

۷۱ الکلامُ کالدواءِ قلیلُہ نافعٌ وکثیرُہ قاتلٌ

بات مثل دوا کے ہے جس کی مقدار مخصوص فائدہ مند ہوتی ہے۔ اور زیادتی مار ڈالتی ہے۔

۷۲ العِفّۃُ تضعفُ الشہوۃَ

پاکبازی ہیجان شہوت کی مسکن ہے

۷۳ المزاحُ یورثُ الضغائنَ

مزاح دشمنی کی ورثہ دار ہے

۷۴۔ العاقلُ صندوقٌ بیتوہٌ عجیبٌ

خرد مند وہ صندوق ہے جو حیرت انگیز رازوں سے بھرا ہوا ہے۔

۷۵ الصِّدقُ دواءٌ منجحٌ

سچائی ایسی دوا ہے جو رستگاری بخشتی ہے۔

۷۶ الفرصۃُ تمرُّ مرَّ السحابِ فانتھزوا فرصَ الخیرِ۔

فرصت ابر کی رفتار سے گذرتی ہے۔ لہذا کار خیر کے لئے تیار رہو۔

۷۷۔ العالمُ من عرفَ انَّ ما یعلمُ فی جنبِ ما لم یعلمْ قلیلٌ

عالم وہ ہے کہ جو یہ جانے کہ وہ جو کچھ جانتا ہے اس سے جو نہیں جانتا ہے بہت کم ہے۔

۷۸۔ ارضَ للناسِ بما ترضاہُ بنفسک

دوسروں کے لئے بھی وہی چاہو جو اپنے لئے چاہو۔ ہر کہ بر خود مپسندی بر دیگران مپسند

۷۹ انتقمْ من حرامیاتٍ بالعفۃِ کما تنتقمُ من عدوّک بالقصاصِ

اپنے جذبہ حرص کو یوں پامال کر جیسے دشمن سے قصاص لے کر۔

۸۰۔ اذکرْ مع کلِّ لذّۃٍ زوالَھا ومن کلِّ نعمۃٍ انتقالَھا

ہر لذت کے ساتھ اس کا زوال اور ہر نعمت کے ساتھ اس کا جانا یاد رکھو۔

۸۱ اِکْذِبِ السَّعَایَۃَ وَالنَّمِیْمَۃَ بَاطِلَۃً کَانَتْ اَمْ صَحِیْحَۃً۔

سخن چین اور چغل خور کو خواہ سچا ہو یا جھوٹا جھٹلاؤ

۸۲ اُشْکُرْ عَلٰی مَنْ اَنْعَمَ اِلَیْکَ وَاَنْعِمْ اِلٰی مَنْ شَکَرَکَ۔

اس کے شکر گذار ہو جو تم سے نیکی کرے اور اس سے نیکی کرو جو تمہارا شکر گذار ہے۔

۸۳ اِضْرِبْ خَادِمَکَ اِذَا عَصَی اللّٰہَ وَاعْفُ عَنْہُ اِذَا عَصَاکَ

خادم کو مارو اگر خدا کی نافرمانی کرے۔ اور اگر تمہاری خطا کرے تو معاف کرو۔

۸۴ اِسْتَشِرْ عَدُوَّکَ الْعَاقِلَ وَاحْذَرْ رَاْیَ صَدِیْقِکَ الْجَاهِلِ

دانا دشمن سے مشورہ کرو اور جاہل دوست سے بچو

۸۵ اِقْبَلْ عُذْرَ مَنِ اعْتَذَرَ اِلَیْکَ۔

جو عذر خواہ ہو اسکا عذر قبول کرو

۸۶ اُبْذُلْ لِصَدِیْقِکَ کُلَّ الْمَوَدَّۃِ وَلَا تَبْذُلْ لَہٗ الطُّمَانِیْنَۃَ

دوست سے مروت میں کمی نہ کرو۔ مگر راز کہنے میں جلد مطمئن نہ ہو۔

۸۷ اُرْفُقْ بِالْبَهَائِمِ وَلَا تَسُوْءْ لِجِسْمِهَا وَلَا تُحَمِّلْ عَلَیْهَا فَوْقَ طَاقَتِهَا۔

چوپایوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ ان کے جسموں کو زخم نہ پہونچاؤ اور ان کی طاقت سے باہر بوجھ نہ لادو۔

۸۸ اِسْتَشِرْ اَعْدَائَکَ تَعْرِفْ مِنْ رَاْیِهِمْ مِقْدَارَ عَدَاوَتِهِمْ وَمَوَاقِعَ مَقَاصِدِهِمْ۔

دشمنوں سے رائے لو تاکہ ان کی دشمنی کا اندازہ اور ان کے نقطۂ نظر کو سمجھ سکو۔

۸۹ اِسْمَعْ تَعْلَمْ وَاسْکُتْ تَسْلَمْ

سن لو کہ جان جاؤ مگر چپ رہو کہ محفوظ رہو۔

۹۰ اِعْدِلْ لِتَدُوْمَ لَکَ الْقُدْرَۃُ

ہمیشہ انصاف کرو تاکہ صاحب اقتدار رہو۔

۹۱ اَکْثِرِ النَّظَرَ اِلٰی مَنْ فُضِّلْتَ عَلَیْهِ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ اَبْوَابِ الشُّکْرِ۔

اکثر اس پر نگاہ رکھو جس پر خدا نے برتری دی ہو کیونکہ یہ ابواب شکر میں ایک باب ہے

۹۲ اِتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ اِنْ قُلْتُمْ سَمِعَ وَاِنْ اَضْمَرْتُمْ عَلِمَ

ایسے خدا سے ڈرتے رہو کہ اگر کچھ کہو تو وہ سنتا ہے اور اگر دل میں رکھو تو وہ جانتا ہے۔

۹۳ اِسْتَعِیْذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ سُکْرِ الْغِنَاءِ فَاِنَّ لَہٗ سَکْرَۃً بَعِیْدَۃَ الْاِفَاقَۃِ۔

پناہ مانگو خدا سے اس مستی دولت سے جو بڑی دیر کے بعد اترتی ہے۔ گو یہ دولت بری مست نہ کر دی مرد کی

۹۴ اِسْتَحْیُوْا مِنَ الْفِرَارِ فَاِنَّہٗ عَارٌ فِی الْاَعْقَابِ وَنَارٌ یَوْمَ الْحِسَابِ

شرم کرو فرار سے جو تمہارے اخلاف کے لئے سرمایۂ ننگ ہو۔ اور حشر میں شعلۂ جہنم سے دوچار کرے

۹۵ اِطْرَحُوْا سُوْءَ الظَّنِّ بَیْنَکُمْ

اپنی طرف سے بدگمانی دور کر دو۔ (باقی آئندہ)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام

مسلمانوں کی جہاں اور طرح طرح کی بدبختیاں ہیں۔ وہاں یہ بھی ہے کہ صاف اور صریح احادیث کی موجودگی میں آئے دن قسم قسم کے معنی بیان کرنے میں طبع آزمائیاں کی جاتی ہیں۔ ظہور حضرت مہدی موعود علیہ السّلام کا مسئلہ بھی ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ مشاہیر علماء اسلام سلف سے آجتک اس مسئلہ پر مختلف قسم کی روشنی ڈالتے چلے آتے ہیں احادیث صحیحہ میں ایک آنے والے کا ذکر ہے اس کا نام حلیہ حسب نسب علامات ظہور اثرات وغیرہ سب کچھ درج ہیں لیکن پھر بھی کبھی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کبھی سید محمد صاحب جونپوری۔ کبھی مہدی سوڈانی اور کبھی تماپوری۔ عوام کو خدا عقل سے کام لینے کی توفیق دے۔ کہ وہ ہر چیخنے والے کے پیچھے نہ دوڑنے لگیں اور حق و باطل میں تمیز کریں۔

مندرجہ ذیل مقالہ میں ہم علماء اہل سنت کے نتیجہ تحقیق کو پیش کرکے مسلمانان ہند سے درخواست کریں گے کہ وہ اس اہم مسئلہ پر ذرا غور کریں اور کسی صحیح نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش کریں وما علینا الا البلاغ اسی سلسلہ میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل اقتباسات مولانا حکیم مرزا محمد نقی صاحب قبلہ زاد فضلہ کے رسالہ القائم سے لئے گئے ہیں۔ اس محنت و کد و کاوش کی داد کیلئے حضرت مولانا صاحب موصوف ہی مستحق ہیں ہمنے صرف ترتیب بدلکر اسکا نشے کو پیش کیا ہے۔

والسلام۔ خاکسار محمد نثار علی حیدری

اسم مبارک

۱۔ تاج المرسلین رحمۃ اللعالمین نے ارشاد فرمایا اسکا نام میرا نام ہوگا۔ صحیح ابی داؤد پ ۲۷ کتاب المہدی۔ الہدی المحمود صفحہ ۱۰۸ سطر آخر مطبوعہ صدیقی پریس لاہور مسند احمد حنبل۔ ابو نعیم۔

۲۔ عن عبد اللہ من النبی قال یلی رجل من اہلبیتی یواطی اسمہ اسمی۔ عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا دنیا کا والی ہوگا میرے اہلبیت میں سے ایک مرد جسکا نام میرے نام کے مطابق ہے۔ صحیح ترمذی جلد ۲ ابواب الفتن باب ماجاء فی المہدی جائزۃ الشوذی صفحہ ۱۰۵ سطر ۲۲ و ۲۳ مطبوعہ دہلی۔

نسب

قال شیخ القطب الغوثی محی الدین ابن العربی

فی الفتوحات اعلموا انہ لابد من خروج المہدی۔ لاکن لا یخرج حتی تملا الارض جوراً و ظلماً فیملاہا قسطاً و عدلاً۔ وھو من عترۃ رسول اللہ من ولد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جدہ الحسین بن علی بن ابی طالب و والدہ الحسن العسکری ابن الامام علی النقی بالنون ابن الامام محمد التقی بالتاء ابن الامام علی الرضا ابن الامام موسیٰ الکاظم ابن الامام جعفر الصادق ابن الامام محمد الباقر ابن الامام زین العابدین علی ابن الامام الحسین بن علی ابن ابیطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یواطی اسمہ اسم رسول اللہ یبایعہ المسلمون بین الرکن والمقام

الشیخ القطب الغوثی سیدی محی الدین بن العربی نے فتوحات میں لکھا ہے: آگاہ ہو کہ مہدی (علیہ السلام) کا خروج ضروری ہی لیکن اسوقت تک ظہور نہ ہوگا جب تک دنیا ظلم و جور سے نہ بھر جائے پھر حضرت ظاہر ہو کر عدل و انصاف سے زمین کو مالامال کر دیں گے: اور وہ رسالت مآب کی عترت سے ہیں. جناب فاطمہ کی اولاد سے اور ان کے جد حسین ابن علی ابن ابیطالب ہیں اور اُن کے والد امام حسن عسکری ابن امام علی نقی ابن امام محمد تقی ابن امام علی رضا ابن امام موسی کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب سلام اللہ علیہ و علیہم ہیں۔ ان کا اسم گرامی جناب خیر المسلمین تاج النبیین خاتم المرسلین سید الاولین و آلاخرین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مطابق ہے۔ مسلمان اُن سے رکن و مقام کے درمیان میں بیعت کرینگے

مشارق الانوار باب ۴ فصل ۲ صفحہ ۱۲۰ سطر ۸ تا ۱۴ مطبوعہ مصر اسعاف الراغبین برحاشیہ مشارق صفحہ ۱۳۴ سطر ا تا ۳۰ الیواقیت والجواہر۔

ولادت باسعادت

المہدی من ولد الامام الحسن العسکری و مولدہ لیلۃ النصف من شعبان سنۃ خمس و خمسین و مائتین وھو باق الی ان یجمع بعیسی ابن مریم علیہ السلام

امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری کی اولاد سے ہیں۔ ان کی ولادت شب نیمہ شعبان ۲۵۵ھ میں ہوئی اور وہ زندہ و باقی ہیں۔ تا اینکہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول ہو اور اُن کا ساتھ ہو۔ (مشارق الانوار باب ۴ فصل ۲ صفحہ ۱۲۱ سطر ۲۲ تا ۲۴ مطبوعہ مصر اسعاف الراغبین صفحہ ۱۳۳ سطر ۲۶ تا ۲۴ ایواقیت والجواہر۔ اسی کے مطابق شیخ عراقی کا ارشاد ہی اور یہہ ہی علی خواص اندلسی نے فرمایا ہے۔

۲. فالنجر المعلوم المحقق عند ثقات ان ولادت القایم علیہ السلام کانت لیلۃ الخامس عشر من شعبان سنہ خمس و خمسین و مائتین فی بلدۃ سامرہ

ثقات نیک و صالح حضرات کے نزدیک یہہ خبر معلوم ہے اور امر تحقیق شدہ ہے کہ قائم آل محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت شب پانزدہم ماہ شعبان ۲۵۵ھ کو شہر سامرہ میں ہوئی (و نیابت

المودۃ مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۴۵۲ سطر ۲۶ سے ۲۷)

آپ اپنے وقت تک باقی رہینگے

۱۔ هو باق الی ان یحیم لعیسی ابن مریم علیہ السلام
وہ جناب عیسیٰ علی نبینا والہ وعلیہ السلام کے تشریف
آوری اور نزول تک باقی رہیں گے۔
(اسعاف الراغبین صفحہ ۱۳۲ حاشیہ مشارق مشارق
الانوار ب ۴ فصل ۲ صفحہ ۱۲

۲۔ وانہ لا امتناع فی بقائہ کبقاء عیسی ابن مریم
والخضر والیاس من اولیاء اللہ وبقاء الاعور
الدجال عن اعداء اللہ والا بلیس اللعین من اعداء
اللہ (حضرت کے زندہ رہنے کے دلائل لکھتے ہوئے
لکھتے ہیں۔ جناب مہدی علیہ السلام کے باقی رہنے
میں کوئی مانع نہیں جسطرح خدا کے دوست جناب
عیسیٰ و جناب خضر اور جناب الیاس ابھی تک
بقید حیات ہیں۔ دشمنان خدا میں سے اعور دجال
اور ابلیس لعین بھی زندہ ہے جن کی بقاء و حیات
کتاب و سنت سے ثابت ہے (پھر اگر طول عمر
خلاف عادت ہے تو یہاں بھی ایسا ہی کہو) البیان
مصر ارجح المطالب صفحہ ۷۷۳ سطر ۲۲ تا ۲۴۔

۳۔ (صاحب الانوار اللغۃ تحریر فرماتے ہیں) اسی
قبیل سے وہ شبہ ہے جو بعض نام کے سنی امامیہ پر
کیا کرتے ہیں کہ اگر بارہویں امام اب تک زندہ ہیں
اور دنیا میں اب تک موجود ہیں۔ تو وہ کیا کھاتے
پیتے ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ خضر و الیاس بھی ایک
جماعت علماء اہلسنت و اولیاء اللہ کے قول پر
زندہ ہیں تو وہ جو کھاتے پیتے ہیں وہی امام بھی
کھاتے پیتے ہوں گے۔ حق تعالیٰ اس پر قادر ہے
کہ کسی بندہ کو بغیر غذا زندہ رکھے۔ یہ اعتراض بالکل
ناوانی کا اعتراض ہے۔ لیکن ہم کو انکار نہ کرنا
چاہیئے۔ کہ امام محمد بن عسکری وہی امام مہدی
علیہ السلام ہیں شاید اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی زندہ
رکھا ہو۔ اور قیامت کے قریب ظاہر ہوں ایک
جماعت اولیائے کشف نے اسکا صحیح ہونا معلوم
کیا ہے اور ممکن ہے امام حسن عسکری کا ایک نام
عبد اللہ بھی ہو۔ اور قیامت کے قریب پیدا ہونے
سے انکا ظاہر ہونا مراد ہو۔
(انوار اللغۃ ب ۱۸ صفحہ ۲۰۴

حلیہ مبارک

خلیفہ الٰہی کے خد و خال جو سید کائنات کی
صحیح تصویر آخر زمانہ میں دنیا کو دکھانے کے ذمہ دار
ہیں۔

(۱) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ المھدی منی اجلی الجبھۃ اقنی الانف
یملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما
ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد سے
ہیں کشادہ پیشانی اونچی ناک والے عدل و انصاف
سے زمین کو بھر دیں گے جیسا وہ ظلم و جور سے بھری
تھی۔ المھدی الموعود صفحہ ۳۰۸ سطر ۱۶-۱۷ باب
واخرجہ الطبرانی و ابونعیم و الدیلمی ارجح المطالب

صفحہ ۱۳۷ سطر ۴ تا ۶

(۲) اخرج ابو نعیم یبعث اللہ رجلا من عترتی افرق الثنایا اجلی الجبہۃ یملأ الارض عدلا و یفیض المال فیضا و اخرج الرویانی و الطبرانی و غیرھما المھدی من ولدی وجھہ کالکوکب الدری اللون لون عربی و الجسم جسم اسرائیلی طویل یملأ الارض عدلا کما ملئت جورا یرضی بخلافتہ اھل السماء و اھل الارض و ورد فی حلیتہ انہ شاب اکحل العینین ازج الحاجبین اقنی الانف کث اللحیۃ علی خدہ الایمن خال علی یدہ الیمنی خال۔

تخریج کی ہے ابو نعیم نے ضرور مبعوث فرمائیگا جل شانہ ایک مرد کو میری عترت میں سے جس کے اگلے دونوں دانتوں کے درمیان میں فاصلہ ہوگا۔ کشادہ پیشانی ہوگی۔ اس کی تخریج ابو نعیم نے کی ہے اور وہ زمین کو بھلکا دیں گے۔ اور دریا دلی سے مال تقسیم فرمائیں گے۔ رویانی اور طبرانی وغیرہا نے تخریج کی ہے۔ مہدی (علیہ السلام) میری اولاد سے ہوں گے۔ اُن کا چہرہ چمکتے ستارہ جیسے ہوگا۔ رنگ عربی ہوگا۔ اسرائیلی جسم یعنی دراز قامت مملو کردیں گے زمین کو عدل و انصاف سے جیسا کہ وہ ظلم سے بھری تھی زمین و آسمان کے رہنے والے انکی خلافت سے خوش ہونگے نیز حضرت حلیہ میں وارد ہوا ہے۔ جوان سرگیں آنکھیں ابروئیں قریب قریب ہونگی۔ لمبی بنی گھنی داڑھی ہوگی داہنے رخسار پر تل ہوگا اور سیدھے ہاتھ پر تل ہوگا مشارق الانوار صفحہ ۲ سطر ۳ تا ۱۰ اسعاف الراغبین حاشیہ مشارق صفحہ ۱۲۷

سطر ۱ تا ۲۲۔

(۳) یشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخلق بفتح الخاء و قریبا منہ فی الخلق

ناک نقشہ جناب ختمی مرتبت اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوگا اور سیرت قریب قریب ہوگی (کیونکہ سیرت میں جناب سرور عالم کا مثل نہیں ہوسکتا) مشارق الانوار ب ۴ فصل ۲ صفحہ ۱۲۱ سطر ۱۴۔۱۵ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۳۴ سطر ۱ تا ۳۴۔

کیا کہنا اس حلیہ مبارک کا اس نے کیا ذہن کی قلعی خوب کھولی۔ اور مسلمین کے لئے نہایت درجہ اطمینان دہ ہے۔ اس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے جو شخص سرور دوجہاں کی صورت و سیرت کا حامل ہوگا اس کو دعوے کی ضرورت ہی نہیں خود اہل نظر بیعت کے لئے اپنے ہاتھ بڑھا دینگے

ظہور

عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ جناب خاتم الانبیاء نے ارشاد فرمایا کہ مہدی ظاہر ہوگا اور اس کے سر پر ابر سایہ فگن ہوگا۔ منادی غیب ندا کریگا یہ مہدی خدا کا خلیفہ ہے اسکا اتباع کرو۔ اخرجہ ابو نعیم و السیوطی فی عرف الوردی فی اخبار المہدی

ارجح المطالب صفحہ ۳۷۷

نئی روشنی

مکرمی و محترمی جناب حیدری صاحب دامت کاہم۔

رسالہ موصول ہوا۔ شکریہ۔ رسالوں میں مضامین دیکھتا ہوں اور خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتا ہوں۔ کیا کروں نہ دماغ کام کرتا ہے۔ نہ حواس یاری دیتے ہیں۔ نہ وقت ہے نہ فرصت اگر کوئی تحریر کرنے والا میرے ساتھ ہو تو درد دل کا اظہار کاغذ پر کر سکوں کیا کروں مجبور ہوں اب بینائی بھی جواب دے چکی ہے۔ لکھنا بہت دشوار ہے۔ مگر دل کو ٹھیس پہونچی کچھ درد کا اظہار کیا ہے۔ جو ہدیہ کرتا ہوں۔ مسودہ تو کر لیا مگر نقل کون کرے۔ لہٰذا یہ اصل مسودہ ہی پیش کر رہا ہوں اگر مناسب سمجھیں تو آپ اپنے رسالہ میں شایع کر دیں۔ اور اگر پسند فرمائیں تو سلسلہ جاری رہے مضمون بہت طویل ہے اگر لکھا جاوے۔ تو سیکڑوں صفحے کالے ہو جائیں۔ مگر مجبوری کی وجہ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا پیش کرونگا۔ خیر و عافیت مزاج سے مطلع فرمائیں۔ ایک نظر غور سے اس مضمون کو ملاحظہ فرمائیں۔ اگر کہیں کوئی حرف رہ گیا ہو یا مقدم و موخر ہو گیا ہو درست فرمالیں عنایت ہوگی والسلام امید ہے کہ جملہ متعلقین حضور صاحبزادی بخیریت ہیں

خادم اثم شفاء احمد نقوی ٹکنیکل انجینیر

مندرجہ بالا خط کے ساتھ ذیل کا مضمون کراچی سے واپس آکر ملا۔ جناب سید شفاء احمد صاحب نقوی امرتہوی ٹکنیکل انجینیر ملتان چھاؤنی ان چند نادر الوجود ہستیوں میں سے ہیں جن پر انسانیت جسقدر ناز کرے وہ کم ہے۔ ایک معزز عہدہ پر فائز ہو کر ایسی زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر کرنا آپ ہی کا کام ہے یقیناً آپ کی شخصیت قابل تقلید۔ اور قابل مثال ہے۔ اسلام کا درد آپ کے سچے اور پر خلوص دل میں ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان سچے مسلمان بنیں۔ خدا سب کو توفیق دے۔ ہم آپ کا مضمون عینہ شایع کر کے امید وار ہیں کہ آئندہ اس سے زیادہ شاندار قسط ناظرین کے روبرو پیش کر سکیں گے۔

خاکسار

حیدری

نئی روشنی

فی زمانہ ہر طرف نئی روشنی کا چرچا ہے اخبار و رسائل میں گرما گرم مباحث ہیں۔ کوئی تمدن مغرب کی موافقت و تائید میں مضامین کے دریا بہا رہا ہے۔ تو کوئی نئی تہذیب کے خلاف ہائے واویلا مچا رہا ہے۔ اب اس کا فیصلہ کیسے ہو کہ کون صحیح کہتا ہے۔ شمع آزادی کے پروانے روایات کے بجائے درایت پیش کرتے ہیں اور وہ دکھلا دیتے ہیں کہ جن قوموں نے اس راستہ پر گامزن ہو کر ترقی کے مدارج کو طے کیا وہ کسقدر ملبندی پر پہونچ گئے ہیں۔ آپ ہیں کہ پرانی بوسیدہ تہذیب کے دلدادہ اس تاریک گڑھے میں پڑے ہوتے ہیں جس میں سیکڑوں برس پیشتر تھے۔

حامیان مذہب ان کو اپنی قدیم روایات کی کتابوں کی ورق گردانی کرکے کچھ روایتیں کاغذ پر نقل کرکے دکھلا دیتے ہیں۔ یا پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ بہت جوش اٹھا تو رسالوں میں مضامین لکھ دیئے کہ اس زمانہ میں الحاد و دہریت کا چرچا ہے۔ تاریکی کا دور دورہ ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے فرقوں نے اپنے اپنے گروہ کے لئے کیا کام کیا۔ سنیوں کو سنی اور شیعوں کو شیعہ رکھنے کے لئے کونسی کوشش کی۔

خواب غفلت سے جگایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں اٹھو اپنے بھائیوں کی خبر لو ورنہ یہ اسلام کو بھی خیرباد کہہ دیں گے۔ مشکل تو یہ آ گئی۔ کہ کفر و زندقہ کے فتوے کی تلواریں تو اب بالکل کند اور ناکارہ ہوچکیں ہر شخص کو اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی ہے۔ اب اس سے تو کوئی ڈرتا نہیں۔ اب بتلایئے کہ ایک زرق برق موٹر کار، پرواز کرتے ہوئے ہوائی جہاز، تیز رفتار ریل گاڑی، جو دیکھنے والے کی توجہ کو برق کی سرعت رفتار سے اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں آپ کی بوسیدہ روایات کیا کام دے سکتی ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بنیہ گڑ نہ دے مگر گڑ کی سی بات تو کہہ دے۔ یہاں وہ بات بھی نہیں۔ کم از کم ایسی بات تو لوگوں کے سامنے پیش کیجائے جو اُن کی عقلیں تسلیم کرلیں۔ محض بشارت اور انذار کی روایات سے کیا کام چل سکتا ہے۔ نئی روشنی کی تعریف میں کوئی کہتا ہے کہ اس برقی روشنی نے قلوب کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ جن کے بند ہو جانے سے حق و باطل کی تمیز نہ رہی۔ مگر ان پھبتیوں سے کام نہیں نکلتا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ اور دنیا کیوں نئی تہذیب کی طرف جا رہی ہے اس پر ہم غور نہیں کرتے۔ اگر کہا جائے کُلُّ جَدِیدٍ لَذِیذٌ تو یہ کلیہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔

معاملہ یہ ہے کہ درخت کی جڑ کو اگر دیمک لگی ہو۔ اس کو سینچنے یا پتوں اور شاخوں پر پانی چھڑکنے سے کبھی کوئی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا روشنی کا مقابلہ روشنی سے ہی کیا جا سکتا ہے دن میں ہزار چراغ جلائیں بجلی کے قمقمے روشن کر دیں مگر ایک پروانہ بھی نہ آئے گا اندھیری رات میں

معمولی چراغ پر ہزاروں کیڑے مکوڑے جمع ہوجاتی
ہیں۔ اور چراغ کی لو کو روشنی کا دروازہ سمجھ کر
اس پر دیوانہ وار گرتے ہیں۔ اور فنا ہوتے ہیں۔
کیا کوئی ایسی تدبیر ہے جو پروانوں کو چراغ پر آنے
سے روک سکے۔

آدمی بھی اسی طرح تاریکی سے گھبرا کر روشنی
کی طرف جانا چاہتا ہے۔ اور پروانوں کی طرح اسکو
بھی نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہے۔ اگر ہمارے
پاس زیادہ تیز روشنی دکھلانے کو نہ ہو تو کم از کم
ان کو اتنا سمجھا ہی سکیں کہ اسکا انجام جل کر خاک
ہوجانا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہوجائے کہ یہ
روشنی جو دور سے نظر آرہی ہے آگ کی روشنی
ہے۔ جو جنگل میں لگی ہوئی ہے تو وہ ہرگز جنگل کی
طرف نہ جائے گا۔ اس لیے کہ جانتا ہے کہ جنگل کی
آگ ہلاک کردینے والی ہوتی ہے

اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ لوگ پروانوں کیطرح
بے تحاشا نئی روشنی کی طرف کیوں جارہے ہیں
اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ پرانی روشنی
ماند ہوچکی۔ اور لوگ کئی صدی سے تاریکی میں پڑے
تھے۔ روشنی نظر آتے ہی اس کی طرف دوڑ پڑے
اگر ہمارے پاس فانوس عمل میں نور ایمان جھلکتا
ہوتا۔ اور وہ دکھلا سکتے تو جس شخص کو اس کی ایک
جھلک بھی نظر آجاتی اس پر کسی تیز سے تیز مادی
روشنی کا بھی اثر نہ ہوتا۔ مگر افسوس تو اسی بات کا
ہے کہ ہمارے قلوب نور ایمان اور دماغ روشنی
علم سے مدت کے خالی ہوچکے۔

میرے اکثر برادران مجھ سے ناراض ہوں گے
کہ میں ایسی کڑوی بات کہہ رہا ہوں۔ مگر کیا کروں
مجبور ہوں اس لئے کہ تمام مسلمان برادران کیطرح
ہر مسلمان کو مومن سمجھنا مشکل اور شیعہ بھائیوں کی
طرح علی ولی اللہ کہنے والے کو مومن جاننا دشوار
یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔ اس وقت اصل مقصود سے
دور لے جائے گا مگر اب چونکہ ذکر آہی گیا لہذا
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سطور ہدیہ ناظرین کی
جاویں۔ پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کروں۔

ہر مسلمان شیعہ ہو یا سنی مقلد ہو یا غیر مقلد
اس کو تو ضرور ماننا ہوگا کہ قرآن خدا کا کلام ہے
اب ناظرین خود ہی غور فرمالیں کہ قرآن جو علامات
مومن کی تبلائے وہ صحیح ہے۔ یا جو ہمارے فرقہ کے
لوگ تبلادیں وہ درست ہے۔ اپنے مونھ میاں
مٹھو بننا آسان ہے کیا اگر کوئی شخص یہ یقین کرے
کہ میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں۔ تو کیا اس
کو کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ یہ تو بڑی بات ہے
اگر کوئی شخص یہ یقین کرے کہ میں پولیس کا سپاہی
ہوں یا کسی عدالت کا چپراسی ہوں تو تمام عمر کبھی بھی
اس کو کسی قسم کا فائدہ ہوسکتا ہے ہرگز نہیں جب
تک عدالت کی تصدیق نہ ہو حکومت کی تائید نہ
ہو۔ کوئی شخص پولیس کا کانسٹبل یا چپراسی کیسے ہو
سکتا ہے۔

ہم نے اتنا ہی کافی سمجھ لیا ہے کہ چونکہ ہمارے

بزرگ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ اس لئے یقیناً ہم مومن ہیں۔ مگر ہم نے کبھی اس پر غور نہ کیا کہ ہمارے بزرگ اگر ہم کو کسی حکومت کا عہدہ دار کہنے لگیں تو کیا ہم صرف ان کے کہنے سے حکومت کے عہدہ دار بن جائیں گے۔ ایسی باتوں پر غور کرنا نفس کب گوارہ کرتا ہے۔

مفت میں جنت کے مالک بن بیٹھے تمام جنت اپنی ملک ہو چکی ہے۔ بھلا کون بے وقوف ایسا ہوگا جو آئی ہوئی چیز کو ہاتھ سے کھو دے۔ اسقدر آسان چیز جس کے لئے ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ بس یہ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور مل گئی راحت ابدی

دنیا میں اگر چار پیسے کوئی شخص کمانا چاہتا ہے تو کم از کم جنگل جا دے گھاس کھو دے جمع کرے اٹھا کر بازار میں لائے۔ خریدار بھی آ جائیں معاملہ کرے۔ گھاس اٹھا کر خریدار کے مکان تک لے جائے تب کہیں چار پیسے ہاتھ آدیں۔ وہ بھی یقینی نہیں کہ پورے ملیں یا نہ ملیں۔

مگر جنت کہ تمام روئے زمین کی شہنشاہیت سے جسکا ایک چپہ زدن کا دقفہ کہیں اعلیٰ ہے اس قدر ارزاں ہو کہ بغیر کسی محنت و جانفشانی کے ہاتھ آ جائے۔ جزاکم اللہ

ہمکو چاہیئے کہ جس حکومت سے تعلق کا دعویٰ کریں۔ اسکا قانون بھی تو دیکھیں کہ آیا ہمارے کوالیفیکیشن ایسے ہیں کہ ہم اس جگہ کی اُمیدواری کر سکیں آیئے جس پر ایمان لانے کا ہم کو دعویٰ ہے اس کی کتاب میں دیکھیں کہ ایمان والوں کی صفات اس نے کیا بیان کی ہیں؟ اور جنت کن لوگوں کے لئے ہے۔

جنت کے لئے تو یہی کافی ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (یہ آخرت کا گھر تو ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو کسی بلندی کے دنیا میں خواستگار نہیں ہوتے اور نہ فساد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور عاقبت تو متقین ہی کے واسطے ہے۔

ہم اگر جنت کے دعویدار ہیں تو کم از کم اپنے دل کی گہرائی میں یہی تلاش کریں کہ ہم کو دنیا میں نام و نمود عزت و شہرت حاصل کرنے کی خواہش تو نہیں ہے۔ ہمارا دل یہ تو نہیں چاہتا کہ لوگ ہم کو برا نہ سمجھیں۔ ہم اپنے عیوب پر جھوٹ اور فریب سے پردہ ڈال کر دنیا کی نظروں میں اچھا بننا چاہتے ہیں یا نہیں۔

واعظ ہو یا ذاکر۔ عالم ہو یا جاہل۔ فقیہ ہو یا وکیل بادشاہ ہو یا گدا۔ صناع ہو یا پیشہ ور غرضکہ کوئی بھی ہو ہر شخص کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے نفس سے خود محاسبہ کرے۔ کہ اے نفس امارہ یہ تو بتلا تجکو دنیا میں بلندی نام و نمود حاصل کرنے کی خواہش ہے یا نہیں اب رہا فساد اس کے متعلق تو ایک جداگانہ رسالہ کی ضرورت ہوگی

لہٰذا اس پر بحث چھیڑنا یہاں بیکار ہے۔ چونکہ نہایت اختصار مقصود ہے۔ لہٰذا اب کچھ ایمان کے متعلق بھی لکھیں۔ قرآن حکیم نے دو مقام پر کلمہ انما کے ساتھ جو کلمہ حصر ہے مومنوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف ایک ہی پر اکتفا کرنا پڑتا ہے
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (سوائے ان کے اور کوئی مومن ہے ہی نہیں کہ جن کے سامنے حبیب خدا کا ذکر کیا جاوے تو اُن کے قلوب لرز جاویں۔)

ہاں برادران کہاں ہیں ایسے قلوب کیا ہمارے دل ایسے ہی ہیں کہ اس کا نام سنتے ہی تھرتھرانے لگیں اب ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ ہمارا دعویٰ ایمان کہاں تک درست ہے۔

مالک تو کہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ میرا۔ اور ہم کہیں کہ یہ میرا اور وہ میرا اور پھر ہم ہیں مسلمان وہ تو کہے عزت تمام کی تمام اللہ ہی کے لئے ہے۔

قل العزۃ للّٰہ جمیعا وہ تو فرمائے ھو العزیز الحکیم وہی عزت والا اور حکمت والا ہے اور ہم خود عزیز و حکیم بنے بیٹھے ہوں۔

مسلمانوں خدا سے ڈرو کیا فرعون و شداد بروز قیامت یہ نہیں کہہ سکتے کہ بار الہا اگر ہم نے خدائی کا دعویٰ کیا تو ہم دل میں اقرار کرتے تھے کہ ہم جھوٹے ہیں اور خدا تو ہی ہے مگر یہ تیرے بندے جو تجھ کو عزیز و حکیم کہتے تھے۔ دل میں عزت والا اور حکمت والا اپنے کو سمجھے ہوئے تھے۔ زبان سے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے سب سے بڑا اپنے ہی کو سمجھتے تھے ہمارا جرم تو ان سے کہیں کم ہے۔ میرے برادران اسلامی اس کا جواب سوچ رکھیں۔

یہ تو تھا ایک جملۂ معترضہ اب اصل مضمون کی رجوع کرتا ہوں۔ کہنا یہ تھا کہ ہم نے روشنی علم اور نور ایمان کو کھو دیا۔ جس کی وجہ سے نئی مادی روشنی نے ہماری آنکھیں خیرہ کر دیں۔ اور لوگوں کے اس طرح تمدن مغربی کی طرف جذب ہونے میں ان کا کوئی بڑا قصور بھی نہیں ہے۔

اس لئے فطرتِ انسانی کا مقتضا ہے کہ ....

(باقی دارد)

انشاء اللہ تعالیٰ ماہ فروری کا نمبر حسین نمبر حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی یادگار میں اپنی کامل خصوصیات کے ساتھ شائع ہوگا اہل قلم حضرات اپنے قلمی شاہکار اردو، انگریزی، فارسی (نظم یا نثر میں) جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

مدیر

سلام ہو شہیدان کربلا پر

حضرت علامہ ابو البیان آزاد حنفی
مدیر رسالہ تیغ دہلی

سلام ہو کربلا کے ان مقدس شہیدوں پر جنہوں نے جان دے دی مگر شیوۂ حق پرستی ہاتھ سے نہ دیا۔

سلام ہو استقامت بالصبر کے ان ابدی مجسموں پر جن کے خون کا ہر قطرہ آیۂ صبر کی مکمل تفسیر ہے۔

سلام ہو ان پرستاران حق پر جن کے سروں نے خاک پر لوٹ کر حیات جاودانی کے بلند و بالا ایوان پر اپنے خون سے گلکاریاں کیں۔ مگر کسی طاغوتی قوت کے سامنے نہ جھکے

سلام ہو شجاعت کے ان تحیر خیز پیکروں پر جنہوں نے ایمان کی تلواریں سونت کر لشکر کثیر کا مقابلہ کیا۔

سلام ہو کربلا کے اس مجاہد اعظم پر جو دوش نبی کا راکب تھا۔

سلام ہو اس سرتاج عارفان پر جن بھوکا تھا پیاسا تھا، اپنی نگاہوں سے اپنے عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتے دیکھتا تھا۔ مگر اس کے قدموں کو جادۂ استقامت سے لغزش نہ ہوتی تھی۔

سلام ہو اس شہید مظلوم پر جس کی مظلومیت کا شاہد کائنات کا ایک ایک ذرہ ہے۔

سلام ہو اس سرور گلگوں قبا پر جس کے خون مقدس کی سرخی آج تک دامن شفق میں پوشیدہ ہے۔

سلام ہو تشنہ لب غریب الوطن پر جس کے غم میں آج تک سپیدۂ سحری کا منہ فق ہے۔

سلام ہو شہید حر پر جس نے راہ حق میں دنیاوی عزتوں کو ٹھکرا دیا

سلام ہو عباس علمدار پر جس نے برادرانہ الفت اور وفاداری کی تحیر خیز مثال دنیا کے سامنے پیش کی۔

سلام ہو قاسم ابن حسن پر جن کے سینہ سے نکلی ہوئی خون کی دھار بلند ہو کر حق و صداقت کے گرتے ہوئے ایوان کے لئے سہارا بن گئی۔

سلام ہو ہم شبیہ رسول اکرم پر جس نے اپنی تین دن کی پیاس برچھی کے پھل سے بجھا کر۔

بتا دیا کہ امت محمدی کے نوجوان کیسے صابر و شاکر ہوتے ہیں۔

سلام ہو عون و محمد پر جنہوں نے بے خبر دنیا کو اپنے خون کے چھینٹے دے دے کر یہ نظارہ دیکھنے کے لئے خواب غفلت سے بیدار کیا۔ کہ خاندانِ رسالت کے کم سن بچے ایسے حق پرست ہوتے ہیں۔ اور مسلمان اُن کے نقش قدم پر چل کر مسلمان بن سکتے ہیں۔

سلام ہو اصغر کی ننھی سی لاش پر جو شہید اعظم کے مظاہرہ صبر کا حیرت انگیز شاہکار ہے۔

سلام ہو سیدہ سکینہؓ پر جن کے مقدس رخساروں پر ظالموں کے طمانچہ کا ہر نشان کفر کے لئے پیام مرگ ہے۔

سلام ہو حجازی سردار کی عجمی دلہن شہر بانورضؓ پر جس نے اپنے شوہر کے مقدس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی کوکھ بھی اُجاڑی اور سہاگ بھی اُجاڑ دیا۔

سلام ہو سیدہ زینب پر جنہوں نے یزید کے بھرے دربار میں حق پرستی کے جوہر دکھا کر خواتین کی عظمت میں چار چاند لگا دیئے

سلام ہو اس محبت نواز بہن پر جس نے اپنے بھائی پر اپنے کلیجے کے دو ٹکڑے قربان کر دیئے۔

سلام ہو کربلا کے بیمار ناتوان زین العابدین پر جسے پانی بھی نصیب نہ تھا۔ مگر بستر علالت پر جس کی ہر کروٹ کتاب صبر کے اوراق مرصع کر رہی تھی۔

سلام ہو اُن انصار و یارانِ حسین پر جنہوں نے دنیا کے سامنے محبت اور وفاداری کی وہ مثال پیش کی جس کا جواب دنیا قیامت تک پیش نہ کر سکے گی

سلام ہو کربلا کے اس تپتے ہوئے ریگستان پر جس کی پیاس تشنہ لب شہدائے اسلام کے مقدس خون سے بجھی۔

قسم ہے قرآن نازل کرنے والے خدا کی قسم ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ الخ حسین اور یارانِ حسین زندہ ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

(ماخوذ)

اسلامی دنیا و اسلامک ورلڈ کے بہی خواہ حضرات اپنی ذمہ داری کو محسوس فرماتے ہوئے اپنا زرِ چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما دیں۔

آئندہ حسین نمبر میں اشاعت کے واسطے فوٹو مع مصارف قطع بلاک جلد از جلد روانہ فرما دیں۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔

منیجر

حسنِ سخن

در مدح ولادت حضرت علی علیہ السلام

(رئیس الشعراء حضرت رزم ردولوی زاد فضلہ)

خسروِ خاور ہوا چرخ پہ جلوہ فگن — رُوئے زمیں پہ گری ٹوٹ کے ہر ایک کرن
روشنیِ ماہتاب ہوگئی بے آب و تاب — شمس ہوا بے نقاب صبح ہوئی ضو فگن
کوکبِ اقبالِ شب آگیا گردش میں جب — ڈوب گئے نجم سب سرد ہوئی انجمن
چادرِ شب تار تار ہوگئی سب ایک بار — شمس ہوا [illegible] گیا لطفِ انجمن
آئی نسیمِ سحر پھیلی شمیمِ سحر — لطفِ نسیمِ سحر ہونے لگا خیمہ زن
کھول کے زلف ایکبار آئی عروسِ بہار — ہیں جو شجر مشکبار باغ ہے مشکِ ختن
برگ لگے جھومنے گوہرِ شبنم گرے — غنچۂ نو ہنس پڑے لٹ گیا ملکِ عدن
آنکھ کئے نیم باز نرگسِ افسوں نواز — کرتی ہے سو فخر و ناز دیکھ کے حسنِ چمن
سروِ سہی قد نہال رنگِ خزاں پائمال — دیکھ کے سنبل بحال زلف شکن در شکن
ہوگئی بادِ بہار غنچہ و گل پہ نثار — کھل گئے سب ایک بار یاسمن و نسترن
سرخیِ رخسارِ یار کیفیتِ لالہ زار — رنگِ چمن پہ نثار لاکھ عقیقِ یمن
آئینۂ حسنِ حور روشنیِ شمعِ طور — منزلِ نو تہ بہ شکن روئے عروسِ چمن
سرخیِ کیفِ خمار غیرتِ صد لالہ زار — منظرِ چشمِ نگار ساغرِ نو تہ بہ شکن

فکر ہے تیری رسا جعفرِ رنگیں نوا
کوئی غزل اب سنا چھوڑ یہ طرزِ سخن

مطلع

تیغ اٹھا کر چلا غیظ میں جب تیغ زن — اور بگڑ کر بنی زلف شکن در شکن
رشتۂ رگِ جاں سے ہے رشتۂ زنار کا — الفت کا فرادا ہوگئے ہم برہمن۔
کشتۂ تیغِ ادا صیدِ کمندِ جفا — مرتا ہے اک باوفا الفتِ وعدہ شکن

جبہ و دستار ادھر رشتۂ زنار ادھر
دونوں گرفتار وضع شیخ ہو یا برہمن

سلسلۂ یاس سے ہوں میں اسیر الم
رشتۂ تار نفس میرے لئے ہے رسن

صبح منور رہی شام کا پہلو لئے
رخ پہ نہیں ہالہ سان زلف سیہ پر شکن

سبزۂ نوخیز کی خال دل آویز کی
چہرۂ رنگیں پہ ہے کیسی غضب کی پھبن

اٹھی وہ ہمت فزا کعبہ سے کالی گھٹا
اس پہ ہوائے خنک آئی وہ توبہ شکن

جھومی جو میخانہ پر گردش ساغر کے مثل
غنچۂ دل کھل گیا مٹ گئے رنج و محن

خم سے وہ نکلی پری شیشہ میں منہ دیکھنے
حلقۂ ساغر میں پھر ہو گئی پرتو فگن

ساغر مینا اس رنگ پہ سے لینے لگا
سرخیٔ مے دیکھ کر ہنس پڑے غنچہ دہن

مایۂ خوشبوئے حور خنکی کا نور نور
مرکز کیف و سرور ہوئے عروس چمن

شہد مسرت سے دور ہو گئی تلخیٔ غم
کعبہ میں پیدا ہوئے حیدر خیبر شکن

مطلع نو چاہیے جعفر رنگیں بیاں
مدح علی سے بڑھے حسن عروس چمن

باعث ایجاد خلق موجد ہر علم و فن
زیب کنار نبی آج ہوئے بو الحسن

علم الٰہی سے تھے مالک ملک سخن
رفعت شاہی پہ تھے صاحب خلق حسن

ان پہ نبوت کو فخر ان پہ امامت کو ناز
تھے یہ نبی و وصی خاص خدائے زمن

خلق میں معروف ہیں عدل میں مشہور ہیں
سب سے الگ تھی روش سب سے جدا تھا چلن

ان کا طریق کلام شرح کلام خدا
نہج بلاغت ہے یا علم کا تازہ چمن

نور سے ان کے ہوں خلق جبکہ مہ و مہر و نجم
رجعت خورشید پر کیا ہو مجال سخن

ملک شجاعت میں تھا انکا ہی سکہ رواں
بت شکن و صف شکن لاکھوں میں اک تیغ زن

طبع رسا پر بھلا کیوں نہ ہو جعفر فدا
مطلع نو سے بڑھا اور بھی حسن سخن

زہد و عبادت میں تھی مثل رسول زمن
زور خداداد سے حیدر خیبر شکن

دل کا اشارہ ہے اب مدحت حاضر ہی ہو
خانۂ دل میں کوئی ہو گیا جلوہ فگن

راہ پہ توحید کی تو جو ہوا گامزن
نذر خدا کر دیئے قلب و جگر جان و تن

باغ فصاحت میں ہے بلبل شیریں سخن
رونق منبر ہے تو بعد رسول زمن

زور سے تیرے ہوئے سارے زبردست زیر
تیرے سبب سے مٹے ملک عرب کے فتن

شیر گرسنہ ہے تو بہر عدوئے رسول
سہرا رفاقت کا ہے تیرے ہی سر بوالحسن

راہ میں اسلام کی بیٹوں کو صدقہ کیا
خون سے سینچا گیا دین خدا کا چمن

غیر مورخ بھی ہیں مدح میں طب اللسان
لکھ گیا کس زور سے دیکھ لو واشنگٹن

زور و شجاعت میں یہ غیرت رستم ہوئی
دیکھ لو تاریخ میں ہے یہی قول گبن

اس کے سوا یا علی اور سمجھے کیا کہیں
مظہر شان خدا نفس رسولؐ زمن

ایسے سلف کس کے تھے جنکا نبی مدح خواں
ایسے خلف کس کے تھے جیسے حسینؑ و حسنؑ

خانہ اللہ ہے مولد و مقتل تیرا
اول و آخر ترا ایک ہے اے بوالحسنؑ

مدح علی ہے محال کسکو ہے تاب مقال
حعفرا کج مج بیاں روک سمند سخن

منقبت

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام

(از جناب منشی عنایت اللہ صاحب روشن حنفی بدایونی)

ہر گل میں تیری بو ہے ہر برگ میں نکہت ہے
یہ بھی ترا نقشہ ہے وہ بھی تری صورت ہے

ظاہر میں تو انساں ہے باطن میں خدا جانے
عقدہ یہ نہیں کھلتا اک راز حقیقت ہے

ہوں اس کے غلاموں میں مولا ہے علی میرا
وہ ساقی کوثر ہے وہ مالک جنت ہے

طالب ہوں نہ دنیا کا خواہش ہے نہ دولت کی
ہاں آل محمد کی بے شبہ محبت ہے

ہے قدر علی اعلیٰ شان اسکی عجب پائی
قدرت کا تماشا ہے اللہ کی قدرت ہے

مشکل میں وہ حامی ہے جب کوئی نہ اپنا ہو
کام آئے مصیبت میں حیدر میں یہ ہمت ہے

درویش نوازی میں مشہور دو عالم ہیں
روشن کو بھی مولا سے امید عنایت ہے

ایضاً

جب دمِ نزع لبوں پر مرا دم ہو یارب
شامل حال ترا فضل و کرم ہو یارب

زیرِ فرماں رہے ہر عہد میں اقلیم سخن،
بات رہ جائے زبان نوک قلم ہو یارب

گلفشاں ہو چمنستانِ سخن آئے بہار
دلکشا صورت گلزار ارم ہو یارب

سر کے بل مدحت حیدر میں رواں ہو خامہ
پیش و پس حد ادب سے نہ قدم ہو یارب

ہو نہ محتاج سوا تیرے کسی کا رو شش
دستگیر اسکا ترا دستِ کرم ہو یارب

غزل

(جناب ارشدی فرزند و شاگرد رشید حضرت قمر الشعرائے حضرت قمر بدایونی)

اگر اے ارشدی مولا کے قدموں تک رسائی ہے
تو پھر اب اس میں شک کیا ہے کہ جنت ہاتھ آئی ہے

محمد سے احد تک ایسے بندوں کی رسائی ہے
وساطت حیدر صفدر کی جن کے ہاتھ آئی ہے

علی کی تیغ سے کچھ زور جب چلنے نہیں دیکھا
صف کفار چیخ اٹھی کہ مولا کی دہائی ہے

زمانہ بھر کی مشکل میں کیلئے کام آتے ہیں
علی ہیں اک طرف اور اک طرف ساری خدائی ہے

انھیں دنیا کے دوں کیا اپنی آرایش دکھائیگی
کہ جنکے واسطے اللہ نے جنت سجائی ہے

بھلا میں اور اس قابل کہ ایسی منقبت لکھتا
تری امداد نے مولا مری ہمت بڑھائی ہے

صفائی تیغ حیدر کی لکھی ہے ارشدی جب سے
طبیعت کی طرح میری غزل میں بھی صفائی ہے

جو حضرات اپنے اشتہارات اسلامی دنیا کے حسین نمبر میں درج کرانا چاہیں وہ منیجر سے براہِ راست خط و کتابت کریں۔

اخلاق سے گری ہوئی کوئی شئے درج اشتہار نہ ہو۔ اجرت طبع پیشگی آنا چاہیئے۔ یہ خصوصی نمبر ملک کے بہترین ہاتھوں میں جائے گا۔ اشتہار کے واسطے نادر موقع ہے اجرت طبع دوسرے تمام رسالوں سے کسی قدر کم لی جائے گی

منیجر

ایک یتیم بچّہ کی عید

(از محترمہ جنابہ ح۔ ب۔ حیدری دختر جناب قمر الواعظین مولانا مولوی تقا علی صاحب مدظلہ)

عید کے روز ایک بچہ کو آہ و زاری کرتے دیکھ کر میرا دل بھر آیا بے اختیار رونا آگیا۔ دامن صبر ہاتھ سے جاتا رہا۔ لیکن حجاب مانع ہوا دنیا سے دل ایسا بیزار ہوا کہ جی میں آیا کہ گوشہ نشینی اختیار کروں اور زندگی کے دو چار دن جو رہ گئے ہیں۔ ان کو خدا کی یاد میں گذاروں لیکن بزرگوں کے حکم کی تعمیل کی وجہ سے ایسا کرنے سے بھی قاصر رہی۔ اپنے جذبات کو ذیل کی نظم میں ظاہر کیا ہے

خاکسار ح۔ ب۔ حیدری

اپنے مستقبل سے جو غافل ہیں انکی عید ہے
جن کے سب افعال لاطائل ہیں انکی عید ہے
عیش دو روزہ پہ جو مائل ہیں انکی عید ہے
نفس کے بندے جو الجاہل ہیں انکی عید ہے

عید اُن کی ہے مئے عشرت سے جو سرشار ہیں
عید اُن کی ہے جو دنیا خواہ و دنیا دار ہیں

وہ منائیں عید جو خود رائے اور خود دار ہیں
وہ منائیں عید جو سالار ہیں سردار ہیں
وہ منائیں عید جو خوش حال ہیں زردار ہیں
وہ منائیں عید جو آزاد و خود مختار ہیں

عید اُن کی ہے جنھیں دنیا کی دولت ہے نصیب
عید اُن کی ہے جنھیں عیش و مسرت ہے نصیب

عید اس کی ہے جسے قدرت ہے اور مقدور ہے
عید اس کی ہے جو رنج و غم سے کوسوں دور ہے
عید اس کی ہے کہ جس کا زر سے گھر معمور ہے
عید اس کی ہے خوش و خرم ہے جو مسرور ہے

عید اسکی ہے جو خوش بختوں میں ہے خوش آپ ہے
عید اسکی ہے کہ جس بچہ کے سر پر باپ ہے

مناجات

اپنی زندگی سے مایوس ہو کر خداوند عالم کی درگاہ میں التجا.

ح.ب. حیدری

شکر ہے ہر حال میں اے کردگار
تو ہے غفار اور ہے آمرزگار

گر گنہگار ہوں پر نہ تو میرے نظر
رحم میرے حال پر اے دادگر

درپئے آزار ہے اب یہ مرض
یا خدا تجھ سے ہے میری یہ غرض

درد کا درماں میرا کوئی نہیں
جز ترے اب آسرا کوئی نہیں

مرگ سے ڈرتی نہیں ہوں میں مگر
فکر ہے اسکی کہ بوڑھے ہیں پدر

ان کی سب اولاد میں ہوں میں بڑی
اس سبب سے ہے عنایت ہر گھڑی

غم میں میرے صبر دے ان کو خدا
فیض سے تیرے مجھے ہے آسرا

قبر کی مشکل کو آساں کر شہا
وقت آخر ہے یہی میری دعا

تو برائے پنجتن اے کبریا
کر قبول اب فاطمہ بی کی دعا

الحمد للہ کہ دعا مستجاب ہوئی مرض مہلک کے سخت ترین حملہ سے خداوند عالم نے نجات دی (مدیر)

غزل

(از کنور سید محمد قاسم علیخاں صاحب قاسم رئیس بہادر پٹر اون ضلع بلند شہر۔)

رنج فراق دوست میں چین کہاں سے آ سکے
دل کی لگی کو کس طرح ہائے کوئی بجھا سکے

یاد تری بھلا سکے لطف سکون پا سکے
نقش نہیں یہ وہ جسے دل سے کوئی مٹا سکے

شکوہ کہے جو آہ کو سمجھے نگہ جو بات کو
حال خراب کسطرح کوئی اسے سنا سکے

چہرہ کو دیکھتے ہی جو راز دلی کو جان لے
آہ پھر اس سے کوئی کیا حالت دل چھپا سکے

ایسا نہیں ہے کوئی بھی عالم حسن و شوق میں
زخم جگر جسے کوئی اپنا کبھی دکھا سکے

روٹھ تو جاتے ہیں حضور سنکے ذرا سی بات کو
آپ سے کیسے دوستی کیسے بھلا نبھا سکے

قاسم سوختہ جگر ایسا ہوا نہ کچھ اثر
آہ کا دل کو ساری عمر تم نہ جلن سکھا سکے

نوٹ: اسلامی دنیا محض مذہبی رسالہ ہے اور اسمیں جسقدر مضمون شائع ہوتے ہیں وہ سب مذہبی و اخلاقی ہیں ہمارے مخدوم زادہ کنور سید قاسم علیخاں صاحب بہادر نے توجہ فرمائی یہ غزل برائے اشاعت بھیجی ہے جو بصد شکریہ درج کیجاتی ہے اور امید ہے کہ ہمارے ممدوح آئندہ اشاعت کیواسطے کوئی نعت یا منقبت میں نظم لکھ کر اپنے رسالہ کی قلمی امداد فرمائیں گے۔ مدیر۔

that people should say that a person from Muhammad's Ummat had murdered his prophet's, grandson. Noblest indeed !!!

EMINENT RESULTS :- The result of his supreme sacrifice is that we see Islam well nourished and basking into lenslight of other religions with glory. Though a vast period of thirteen centuries has elapsed it has spread to the remotest corners of the world. Hussein himself has been universally acclaimed as the greatest martyr the world has ever produced and his sacrifice has been unequalled in the history of mankind No one has sacrificed his brothers like Hazrat Abbas, and sons like Hazrat Ali Akbar and last but not the least six months old son Hazrat Ali Asghar.

ٹھکانا آسماں کو ہے۔ حاصل زمیں نہیں
اصغر تمہارے خون کا ٹھکانا کہیں نہیں۔

One may ask, in all probability, that what was the element which helped him to present such a great sacrifice to the world, in most desperate circumstances he was in. The fact is that he had received his education and training at the hands of three greatest souls the world knows of, Prophet Muhammad. Caliph Hazarat Ali and Lady Fatima. I may close with words that it was Hussein who translated into action the very teachings of the Quran.

NOTICE.

We regret to notify that inspite of our repeated requests some of our readers have not yet paid their subscriptions. These amount to several thousands of rupees. It is really very difficult to keep such a magzine alive when there be very little Co-operation among the members of our community. It is earnestly hoped that we will have a prompt response to this notice and we shall be able to publish our next special number with grand success. *Manager.*

to make *baiat* at his hand and for which he persecuted Hussein who always defied him and refused todo the *baiat.* Yazid's an ger knew no bounds and he manuplated a plan to murder Hussein while performing the Hadj. Hussein knew this and he had better quitted Mecca than to have bloodshed in such a holy city as that. True it is that one shows rare qualities and powerful presentations of character when one leaves the origin Water so far as it is in the sea has no weight and if one dives under it he never feels the weight of water though a huge sea be over him; but a small quantity in a pot shows weight when put on the head. Prophet Muhammad also had shown his real genius, rare qualities and wonderful abilities after he left Mecca. Same may be assigned to Hussain who too distinguished his forceful personality in the desert of Karbala which has won for him universal applause and admiration and but for those actions Islam has been ever strong during the past thirteen centuries and will continue for time to come. No one but Hussain has achieved such results due to such continued and sustained heroism. Indeed no man however great he may be, might be blamed who turned away from his desire if he were placed in a position Hussein was.

DEVOTION TO AN IDEAL:-What commands our sincere respect and regard in the history of his heroic life is the ardent and selfless devotion to an ideal. Convinced that Yazid violated doctrines of Islam he was bent on exposing those to world in general and to the Muslims in particular. He devoted himself ardently so much to achieve this ideal that it not only cost him his own life but lives of his faithful followers, seventy two in number; while the women were also made captives. He had no personal affections to urge him on and no personal motive nor spur. His life was devoted and finally supremely sacrificed to an ideal. His sole idea was to save Islam from destruction and to free the Ummat of prophet Muhammad on the day of resurrection. Noblest indeed ! when Khooli ibne Yazid was at the point of slaying him he exclaimed that he had fulfilled his ideal and advised Khooli not to slay him as he was already embracing death and further told him to cut off his head after he had died, for he never wanted

SELF DEVOTION :-Hussein was leading a very quite life at Mecca and was altogether absorbed in religious life neither caring for pomp and glory nor had any designs on the kingdom. His sole motto was to defend Islam and to see it blossoming forth in all its glory. More often than not he gave audience to his own kith, kin and followers. He reminded them the teachings of the Prophet that a drunkard and debauchee, as Yazid was, could neither be a religious head of Islam nor a king over Islamic World. He defied Yazid who was a menace to Islam and was bent on striking the tree of Islam at its very root, of which the seed was sown by Holy Prophet Muhammad (may peace of God be on him and his children.) while Hussein's ideal was to see it enlivened. He emphasised this point, often in his various speeches, to defend Islam and not to gain anything worldly. He ever was ready to sacrifice himself than to submit to the evil spiritted Yazid and to this he stuck to the last moment of his worthy and most precious life.

سر داد نہ داد دست در دست یزید * حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسین

Such self-devotion is not merely eminent but has never been-depicted by anyone in the history of mankind. He was as self-devoted to his ideal, the survival of Islam, that at every Manzil* he made between Karbala and Mecca, nay upto the last time, he was most willing to let go any followers of his who would not dare to die. In every sermon he repeated the same thing but they, like their Master, too were ready to face any calamity and catastrophe that would befall on them. Comparatively very meagre in number they showed such faithfulness, valour and bravery that the mankind has witnessed.

HEROISM CONTINUED & SUSTAINED :-He made known to the people that nothing but his very sacrifice, could save Islam and ultimately the 'Ummat' of his grandfather. His only desire was to see a king like Yazid dethroned who was a scandal and a cause of destruction to Islam. While on the other hand Yazid insisted on Hussein

(*Halt)

Our friend Mr. Tejani-a youngman of about 19 is undoubtedly a pride of our khoja Comunity who in his tender age, an age of games and sports to a student of College or School-is very keen on his religion This is his first contribution to the Islamic World and we hope to have more better and enlarged contributions from him in future. It is hoped that our youths, students of Colleges or Schools, will try to follow the foot steps of Mr. Tejani. (Editor)

" HEROISM OF HUSSEIN "

by

A. S Tejani. (Karachi)

کاری کہ حسین اختیارے کردی * در گلشن مصطفیٰ بہاری کردی
از ہیچ پیمبرے نہ آمد ایں کار * واللہ کہ اے حسین کاری کردی

Heroism by its very nature, perludes all questions of a choice. It is, intrinsically, conduct that excites first our admiration and, later, our reverence at the extraordinary capacity for suffering and doing or at the sublime practice of some eminent virtues. How ever, it has been universally acknowledged that heroism may be adjudged eminent by the number of people it affects or by the importance of its results. The heroism depicted by Hussein has not only affected the whole universe but has the importance of its results as Late Maulana Mohamedali has rightly put it :—

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

Need I mention that Mr: E. G. Browne has said that the emotion evoked by Muharrum mournings is deep and genuine and even foreigners and non-muslims confess themselves affected by them, while professor C. Philips admits that Hussein and his followers fought against a very large army heroically; they never feared death but on the contarary laid their lives at the alter of right and truth. The same view has also been expressed by prominent Indian leaders, of Calibre like Jawaharlal Nehru, Gokhale and Munshi Premchand.

fice of Islamic faith which retains unshakeable, unchanged and unimpaired in the face of the ravages of time and hostile forces of deep diabolical intensity.

The word Islam is derived from an Arabic term سلم which signifies peace. Human nature in its essence is not mean, it would never be inclined to evil if good were possible. The exponents of Islam never used sword where men could avoid using it, but they resorted to sword only when good was in danger of being completely anihilated by evil. The law of self defence is the world's oldest law, and precaution has always been thought to be better than cure. Islam has never been spread through the brutal force of sword or by compulsion, as it has been maintained, but as Sir Edward Devison Ross most beautifully points out, by virtue of the simplicity of the prophets creed which was probably a more potent factor in the spread of Islam than the sword of the Ghazis. The central doctrine of the religion is perfect submission and resignation to the will of God. Islam is a religion which abounds in manifested beauties, infact it is the general essence of the beauties of all the religions. It is an epitome or compedium of the religions of the world, and the greatest beauty of Islam is its catholicity and humanity. The teachings of Islam inculcate the spirit of kindness in all and for all. Service of the creator through the creature is the main ideal of Islam

Note—The Maulana delivered several public lectures which were all well attended and have invariably impressed the cosmopolitan audience on each occasion. We will send a detailed report next month.

There has come such a critical time that modern Education-without any religious teaching has practically parralysed the minds of many Muslim Youths.

There are very few students of Science or Arts who care much for their religion.

"THE BEAUTIES OF ISLAM"

A lecture delivered by Maulana Liqai Ali Haidari at the Sindh Madrasatul Islam Examination Hall on Sunday the 18th October 1940.

by

Mr. Fida Hosen Dr. Haji G. H. Kassim Kharadhar-Karachi.

Few there are indeed whom such things as these await, was the expression which I struttled out when I had the privilege to hear Maulana L. Haidari address a fairly large gathering of Muslims of different sects on the "Beauties of Islam."

Beauty is an arts gift, it is the privilege of an artist to paint the picture of Beauty or expediate upon the beauties of Beauty; and indeed while delineating the Beauties of the Islamic Religion (the exposition of which was such that it made Islam appear as an embodiment of Beauty) during the course of his impassioned rhetorical decla mations, the learned demagogue, unconsciously unravelled his own beauties as an Artist of the Islamic Mission, which as a consequence held the entire audience from the begining right to the end in a Magical charm.

Before coming to the subject proper, Maulana Haidari talked of the subjectiveness of Beauty. Beauty does not depend so much upon the object considered a beautiful as it does upon the observer of Beautiful things; and hence the difficulty in fixing a definite standard of Beauty; it is the manifestation of the beauties of the observer through the object of his ideal of beauty. It is the manifestation of the idea through matter. Since the conceptions of Beauty differ from individual to individual, from place to place, and from nation to nation, it becomes very difficult to determine any objects, persons or things which might be classified in the catagory of things which might be termed as 'Beauties'. However, there are certain vital principles in Life and Nature which are undeniably accepted as good, as true, as beautiful, and on the foundation of such principles is erected the edi-

Humility

One day Hussain passed by a group of beggars in the streets of Medina who were eating their food. They called him and invited him to dine with them. He sat down, and taking up a piece of bread began to eat it,* and said: "God does not love the proud." He then told them that as he had accepted their invitation, they should also accept his. He took them to his house and fed them well with various kinds of foods.

Fellow Feeling

Hussain used to say that the saying of the Prophet that the best thing after prayers was to make the hearts of fellow men happy, appeared to him to be very correct.

One day he passed by a youth who was feeding a dog. Upon inquiry the man replied that he was a person with a heart full of sorrow and that the object of his feeding the dog was to derive pleasure from his (dog's) pleasure, and that his master was a Jew from whom he wished to be released. Hussain was much affected by the intensity of the young man's feelings, and purchased him from the Jew and set him free.

Many other similar deeds are recorded about Hussain. Those who are interested in these things should read the pages of Bihar-ul-Anwar, which contains the noblest monument of generosity and charity practised by the Prophet's immediate descendants.

---

* The Imam never ate the bread offered to him by the beggars. It was given them as alms which the holy prophet & his children were forbidden. He however invited them to dine with him and on that occasion he enjoyed their Company.

(Editor.)

Gibbon has wrongly ascribed this story to Hassan the elder brother of Hussain.

Freedom for a Flower

Anas, son of Malik, a renowned companion of the Prophet relates that one day he was sitting with Hussain when a slave girl brought a flower and placed it before him. Hussain smiled, lifted up the flower, and smelling it said: "I free you for the pleasure of the Lord." Anas was astonished and said: "you must have spent a large sum in the purchase of the girl, and certainly the value of the flower could not be equal to that." But Hussain replied that if a person presents a thing to one, the return for it should be better than that. What could be a better present to the girl than her liberty ?

His Generosity

The great poet Farazdak had excited the wrath of Merwan, the cruel Governor of Medina and was ordered to leave the town. The poor fellow was greatly perturbed and went to Hussain in a very woebegone condition. He immediately ordered four thousand dinars to be given to the man. Those present remonstrated saying that Farazdak was a happy-go lucky drunkard and should not be given such a large sum. Hussain replied that the best money was that which was spent for the good of others, and that the Prophet was also generous to the poets Kaab bin Zuhair and Abas bin Mardas.

Good for Evil

It was the custom during the Ummeyade period to publicly curse the people of the "House of the Prophet" from the mosques. But inspite of this official cursing, the hearts of the people were full of love for the children of the Prophet, although the terror of the barbarous rulers had made them paralysed and silent.

Rarely any man dared to abuse Hussain face to face, but one day some fanatic took it in his head to do so. Hussain only replied by silence, and returning home, sent the abuser some valuable presents, thus acting upto the words of the Quran "Return evil with what is best." The man was astonished and became his friend afterwards.

Hussain as Warrior

The Prophet died in the year 11 A. H. (632 A. D.) when Hussain was only 7 years old. His mother Fatima could not survive the shock of her father's death and the effects of after events, and died broken hearted within 6 months of her father's death.

As a young man Hussain took part in the conquest of Africa (Ibn Khalladun), and the war in Tabaristan (Tabari and Ibn Khalladun). He was amongst the defenders of the Third Caliph Usman when the latter was besieged by the insurgents. During the caliphate of Ali, he bravely assisted his father in all the wars fought against him by the rebels. After his father's death (40 A. H. 661 A. D.), he only once took part in any military campaign ! in the siege of Constantinople, and then, finding the Ommeyade ruler as too irreligious, aggressive and cruel, he retired as a private citizen at Medina, where the scholars from all over the Muslim world used to flock round him to listen to him and acquire wisdom and knowledge of religion.

But although the wheels of fortune had turned the royal prince into a retired, peaceful citizen, yet his life was ever in danger of poison or dagger of some Ommeyade assasin His elder brother Hassan, was poisoned at the instigation of Muawiya; and so were many of the noblest sons of Islam treacherously assasinated or poisoned. Yet Hussain continued to lead a noble, fearless life of a living exemplar of his grand father's religion.

Hussain's Benevolence

One day Hussain had invited a number of notables of Medina to dinner In serving at table a slave inadvertently dropped a dish of scalding broth on his master; the heedless wretch fell prostrate to deprecate his punishment and repeated the verse of the Quran

"Paradise is for those who command their anger,"- "I am not angry."- "and for those who pardon offences," 'I Pardon your offence" "and for those who return good for evil,"- "I give you your liberty and four hundred pieces of silver."

prevent them from this. But he asked them to leave the little ones alone telling them, "**He who loves me must love them.**"

One day the Prophet accompanied by some companions was going to an invitation. On the way he found the little Hussain playing with the children of Medina. The Prophet advanced towards the boy, but the latter, as is the habit of children, began to run away from him this way and that according to the strength of his little legs. The Prophet went on laughing and following him until he caught him; and bowing down he began kissing him and said: "**My God! love him who loves Hussain.**"

Some of the "Companions" relate that once the Prophet came to them while Hassan was on one of his shoulders and Hussain on the other, and some times he was kissing the one grandson, and sometimes the other, and said: "**He who loves these is my friend, and he who is their enemy is my enemy.**"

THE BEST CAMEL AND RIDERS

Once the playful little grandsons desired of the Prophet in the Great Mosque that he should become their camel. The loving grand father at once lifted the little ones on his back, and began to move on his hands and feet on the floor of the Mosque. The innocent boys were overjoyed and began to utter the sounds which the Arabs use in driving the camels But the camels have reins, and they demanded those. At once the locks of his hair were given in their hands. "And the Camels of Medina speak, and our Camel does not speak any thing." In order to please them the Prophet began to utter a sound resembling that of the Camel. A "Companion" seeing the delight of the little ones said: "**You have got the best Camel.**" "**But the riders are the best too,**" replied the Prophet.

There are many anecdotes of this kind related in the books of traditions (Hadith) of the Prophet. This trait of the Prophet's character, that of love for children, has made a great appeal even on the minds of his worst critics.

such foul slaughter and leading Captive and shameful usage as cause men's flesh to creep with horror. And again I have dispensed with any long description thereof because of its notoriety, for it is the most celebrated of catastrophes. May God curse everyone who had a hand therein or who ordered it, or took pleasure in any part thereof. From such may God not accept any substitute or atonement. May He place them with those whose deeds involve the greatest loss, whose effort miscarries even in this present life while they fondly imagine that they do well."

Note—Mr Shakur & his comrades must learn some thing from this. Editor

Life of the Hero

To understand clearly the story of the Martyrs and the grief it excites, one needs first know something of the character of the chief Hero and the position he occupies in the Muslim hearts. It is obviously impossible to give a fuller account of the life of Hussain in a short essay. But perhaps a few anecdotes will illustrate it all pretty well

Hussain was born in the 8th Muslim month of Shahban in the year 4 A. H. and died on the 10th of the first Muslim month of Muharrum 61 A. H or 681 A. D at the age of 56 years.

The prophet himself and his father and mother, Ali and Fatima, were responsible for his education. Ali was the most learned man of his age, and was called "The Gateway of the City of Knowledge" by the Prophet. He was also the greatest soldier of his times and was given the Sobriquet of 'The Lion of god" Fatima was a lady of highest culture, and some of her poems and sermons are still extant and greatly admired. Under such teachers the boy grew up to be a pious, learned and brave man, a man of thought and action.

Prophet's Love For Hussain

It was the Custom of the Prophet to regularly lead in the daily congregational prayers in the great Mosque of Medina. Often when he was in the customary attitude of prostration in the Muslim prayer, the little brothers Hassan and Hussain used to jump over his back in childish playfulness. Some "Companions" of the Prophet attempted to

"Even Hussain's enemies," says Gertrude Bell, "were moved to pity by his patient endurance, by the devotion of his followers, and by the passionate affection of the women who were with him. The recorded episodes of that terrible tenth of Moharrum are full of the pure pathos which moves and which touches generation after generation. It is not necessary to share the religious convictions of the Shias to take a side in the helpless battle under the burning sun, or to realise that tragic picture of the Imam sitting before his tent door with the dead child in his arms, or lifting the tiny measure of water to lips pierced through by an arrow shot--a draught almost as bitter as the sponge of vinegar and hyssop. "Men travel by the night," says Hussain, "and their destinies travel towards them." It was a destiny of immortal memory that he was journeying to meet on that march by night through wilderness, side by side with El Hurr and the Khalif's army."

Indeed the story of the martyrs of Kerbela is so pathetic that even the critical and sceptical Gibbon says in his Decline and Fall, 'In a distant age and climate the tragic scene of the death of Hussain will awaken the sympathy of the coldest reader."

Effects on the Muslim mind

The tragedy has left the deepest mark of all on the Muslim imagination, and produced the greatest effect on all the subsequent political, religious and social history of Islam. No Muslim can read the story of the martyrs of Kerbela without quivering of flesh and shedding of tears. The feeling it evokes in the Muslim mind can be summed up in the graphic words of an old and famous Arab historian, Ibnu'l Tiqtiqa, the author of al Fakhri, "a delightful manual of Muhammadan politics," written at Mosul in A. D. 1302 :—

"This is a catastrophe whereof I care not to speak at length, deeming it alike too grievous and too horrible. For verily it was a catastrophe than which naught more shameful hath happened in Islam. Verily, as I live, the murder of Ali, Commander of the Faithful, was the Supreme Calamity; but as for this event, there happened therein

throughout the Islamic world with such deep and passionate grief as though the event commemorated had only occurred yesterday. The events are read out to congregations in prose or poetry, and in many places, particularly in Persia and Iraq, the whole story is dramatised and rehearsed to the audience. A vast quantity of literature has sprung up on the subject, much of which, however, is worthless from historical point of view, although many of the poems are of extraordinary beauty and are extremely touching. Some of the best poets in all countries, like Anis and Dabir in India, have devoted their whole energies in writing **Marthiyas** or threnodies depicting the scenes of this most pathetic tragedy in human history. The best elegies on the subject in Sindhi are by Sabit Alishah, and the poems about the martyrs by the great Shah Latif are also very pathetic.

EFFECT ON NON-MUSLIMS

"The emotion evoked by these Muharrum mournings," says Mr. E. G. Browne, "whether dramatic representations or recitations, is deep and genuine, and even foreigners and non-Muslims confess themselves affected by them ...... Who has been a spectator, though of alien faith, of these **taziyas** (Passion Plays) without experiencing within himself some thing of what they mean to those whose religious feeling finds in them its supreme expression ? As I write it all comes back—the wailing chant, the sobbing multitude, the white raiment red with blood from selfinflicted wounds, the intoxication of grief and sympathy."

"If the success of a drama," says Sir Lewis Pelly in his Miracle Play of Hassan and Hussain, "is to be judged by the effects which it produces upon the people for whom it is composed, or upon the audiences before whom it is represented, no play has ever surpassed the tragedy known in the Mussulman world as that of Hassan and Hussain". Mr. Matthew Arnold, in his "Eassays on Criticism," elegantly sketches the story and effects of this "Persian Passion Play," while Macaulay's Essay on Lord Clive has encircled the "Mystery" with a halo of immortality.

He who has made his Covenant with the Lord,
His neck is free from the chains of every other master.

Hussain's blood is the commentary of that secret;
He awoke the sleepy people to their duty.

When Khilafat broke its bonds from the Quran,
And the liberties of people were trampled upon.

That pride of the best of mankind rose like a cloud of plenty,
And pouring on the plain of Kerbela, went his way;
Sowing tulips in the desert, went his way.

Till the end of time he destroyed despotism;
From the surge of his blood sprang the garden of liberty.

For Truth he rolled in blood and dust,
And thus became the Foundation of the Faith.

He wrote on the desert with his blood; "There is no God but One."
He wrote the line of our salvation,
The Secret of the Quran we have learnt from Hussain,
From his fire we have kindled our flame.

The glory of Damascus and grandeur of Baghdad is gone;
The splendour of Granada is all forgot;
But our every nerve still trembles at his sufferings;
Our faith is still fresh from his cry of "God alone is Great."
O Zephyr, O messenger of the bereaved.
Carry thou my tears to that sacred land"

MUHARRUM CELEBRATIONS

It is during the first ten days of the Muslim month of Muharum that the anniversary of the martyrdom of Hussain is celebrated

Every religion, every country, every race has had its martyrs. Human history is full of the sufferings and tribulations of the chosen of God. Suffering is the badge of greatness. The memory of the troubles and sorrows of the great ones of the world lift up the soul of mankind to a higher and nobler plane. The records of the great martyrs of the world are beacons of light to the suffering humanity, bearing eloquent testimony of the ultimate victory of Right over Wrong, of Good against Evil. The sufferings of the true martyrs quicken the dead into life, revive the dying and make the pulse of humanity beat with the accumulated force of ages.

THE SAVIOUR OF ISLAM.

Islamic history has produced a great many martyrs. But it is Hussian and the ideals for which he died that rule over the feelings of sorrow, love and gratitude of Muslims even after the lapse of thirteen centuries. The tragedy of Kerbela has been the constant theme of poets and preachers throughout the Muslim World. The greatest and the oldest Sufi Saint of India, Muinu-din Chishti of Ajmere, says in an oft quoted Persian quatrain:—

"Our King is Hussain, our King-of Kings is Hussain;
Our Religion is Hussain, the Protector of our religion is Hussain
He gave his head, but not his hand, in the hands of Yazid;
Verily Hussain is the Foundation of the Unity of God."

Sir Iqbal, the greatest living Muslim poet of India, a man of very high culture of the West and the East, has written a Persian Poem of untranslatable beauty on Hussain.

The following is a rough prose rendering of a few of its lines:—

"A Muslim is slave of none but God;
He bows not his head before every Pharaoh.

And so it happened three times;

Until the first over powering sensation yielded to a collected grasp of the words which made clear his mission;

Its Author, God the Creator;

Its subject Man, God's wondrous handi-work, capable, by Grace, of rising to heights sublime;

And the instrument of that mission, the sanctified Pen, and the Sanctified Book, the Gift of God, which men might read, or study, or treasure in their souls.

—— ——

MEANING OF MUHARRUM CELEBRATIONS AND LIFE OF HUSSAIN.

Dr. Haji G. Hosen M. B. B. S, is one of the most enthusiastic Isna Ashari of Karachi Khojas a staunch lover of Imam Hosen and a learned Muslim, His vast reading has enabled him to write a detailed account of martyrdom of Imam Hosen. The treatise was sent to us for review, but I am afraid I will not do justice to the learned contribution if I do not put up before my readers the whole brochure by instalments. (Haidari)

The saith Jesus unto the disciples, My soul is exceedingly sorrowful even unto death, tarry ye here, and watch with me. And he went a little farther, and fell on his face, and prayed, saying, O my Father, if it be possible let this cup pass from me, nevertheless not as I will but as thou wilt. (The Bible.)

Or do you imagine that you will enter Paradise without enduring that which those who went before you endured? Distress and tribulation touched them, they were shaken violently so that the apostle and those who believed with him cried: When comes God's help? Now truly God's help is very near. (The Quran)

Problems not his own, but his people's, yea, and of human destiny, of the mercy of God, and the age-long conflict of evil and righteousness, sin and abounding Grace. Not till forty years of earthly life had passed

Was the veil lifted from the Preserved Tablet And its contents began to be transferred to the tablet of his mind,

To be proclaimed to the world, and read and studied for all time,-

A fountain of mercy and wisdom, a warning to the heedless, a guide to the erring, an assurance to those in doubt, a solace to the suffering, a hope to those in despair,-

To complete the chain of Revelation through the mouths of divinely inspired Apostles.

The Chosen One* was in the cave of Hiraa. For two years and more he had prayed there and adored his Creator-

And wondered at the mystery of man. With his corruptible flesh, just growing out of human seed. †

And the soul in him reaching out to knowledge sublime, new and ever new. Taught by the bounty of God, and leading to that which man himself knoweth not. And now behold ! a dazzling vision of beauty and light over powered his senses, and he heard the word "Iqra" !

"Iqra" ! which being interpreted may mean "Read ;" or "Proclaim ! " or "Recite ! "-

The unlettered Apostle was puzzled; he could not read.

The Angel seemed to press him to his breast in a close embrace, and the cry rang clear, ' Iqra" !

† Mustafa.

* See Quran 96:2.

He was happy in poverty and used it as his badge and his pride. *

When wealth was within his reach, but not within his grasp,
As a man among men.

At twentyfive he was united in the holy bonds of wedlock with Khadija the Great,

The noble lady who befriended him when he had no worldly resources,

Trusted him when his worth was little known, Encouraged and understood him in his spiritual struggles,

Believed in him when with trembling steps he took up the call.

And with stood obloquy, persecution, insults, threats and tortures,
And was a life-long help-mate till she was gathered to the saints in his fifty-first year,—

A perfect woman, the mother of those who believe.

There is a cave in the side of Mount Hiraa some three miles north of the City of Mecca. In a valley, which turns left from the road to 'Arafat,

To which Muhammad used to retire for peaceful contemplation.

Often alone, but some-times with Khadija.

Days and nights he spent there with his lord.

Hard were the problems he revolved in his mind,-

Harder and more cross-grained than the red granite of the rock around him,-

* "Poverty is my Pride" a saying of the prophet.

Even as a boy of nine, when he went in a trade caravan with Abu Talib to Syria, †

His tender soul marked inwardly how God did speak,

In the wide expanse of deserts, in the stern grandeur of rocks, in the refreshing flow of streams, in the smiling bloom of gardens, in the art and skill with which men and birds and all life sought for light. From the life of lives, even as every plant seeks through devious ways the light of the Sun.

Nor less was he grieved at Man's ingratitude.

When he rebelled and held as naught the Signs of God, and turned His gifts to baser uses. Driving rare souls to hermit life, Clouding the heavenly mirror of pure affections with selfish passions, mad unseemly wrangles, and hard unhallowed loathsome tortures of themselves.

He worked and joyed in honest labour;

He traded with integrity to himself and to others;

He joined the throngs of cities and their busy life, but saw its good and evil as types of an inner and more lasting life hereafter. People gladly sought his help as umpire and peacemaker because they knew his soul was just and righteous;

He loved the company of old and young, but oft withdrew to solitude for Prayer and inward spiritual strength;

He despised not wealth but used it for others;

† It was on such visits that he met and conversed with Nastorian Christian Monks like Buhaira who were quick to recognise his spiritual worth.

To his cousin, 'Ali, the wellbeloved,* born when he was thirty.

He (Ali) appeared as the very pattern of a perfect man. As gentle as he was wise and true and strong. The one in whose defence and aid he spent his utmost strength and skill.

Holding life cheap in support of a cause so high, and placing without reserve his chivalry, his prowess, wit, and learning, and his sword at the service of the mighty Messenger of God.

His Mission. Not till the age of forty [1] did he receive the commission. To stand forth and proclaim the Bounty of God,

And His gift, to lowly man, of Knowledge by word and Pen;

But all through his years of preparation he did search the truth;

He sought it in Nature's forms & laws, her beauty and her stern unflinching ways;

He sought it in the inner world of human lives,

Mens joys and sorrows, their kindly virtues and their sins of pride, injustice, cruel wrong, and greed of gain, scarce checked by the inner voice.

That spoke of duty, moral law, and higher still, the Will supreme of God, to which the will of man must tune itself to find its highest bless.

But as he grew, stead fast in virtue and purity,

Untaught by men, he learnt from them and learned to teach them;

---

* Murtaza

[1] The Arabian year before A. H. was roughly luni-solar.

hills and valleys, caves and deserts, he wandered, but never lost his way to truth and righteousness;

From his pure and spotless heart the Angels washed the dust that flew around him; Through the ways of crooked city folk, he walked upright and straight,

And won from them the ungrudging name of the man of Faith* who never broke his word. To the Praise-worthy[1] indeed be praise. Born in the sacred city [2] he destroyed its superstition; Loyal to his people to the core, he stood for all humanity;

Orphan-born and poor, he envied not the rich, and made his special care all those whom the world neglected or oppressed—

Orphans, widows, slaves, and those in need of food or comforts, mental solace, spiritual strength, or virtues downtrodden in the haunts of men. His Mother [3] and his fostermother [4] loved and wondered at the child. His grandfather, 'Abdul Muttalib, of all his twice sight children and their offspring, loved him best, and all his sweet and gentle ways;

His uncle Abu Talib, knew well the purity of Muhammad's mind and soul.

And was his stoutest champion when the other chiefs of Mecca sought to kill the man who challenged in his person their narraw pagan selfish lives.

Al-Amjn.

Muhammad. [2]. Mecca. [3]. Amina [4]. Halima.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol 4. OCTOBER, NOVEMBER, 1940. No 8 & 9.

The Prophet and His Mission.

By

Allama A. Yusuf Ali C. B. E., M. A., LL. M., (Cantab) F. R. S. I.

Muhammad Behold ! there was born into the world of sense the unlettered Apostle.

The Comely child, noble of birth, but nobler still in the grace and wisdom of human love and human understanding. Dowered with the Key which opened to him the enchanted palace of nature;

Marked out to receive-to receive and preach in burning words the spiritual truth and message of the most High. Others before had been born in darkness, beyond the reach of history. Others again it pleased God to send as messengers, preaching, working in the dim twilight of history, wherein men fashion legends after their own hearts, and dimly seek a light afar, remote from lives mean and sordid, such as they knew. But Muhamad came in the fullest blaze of history; with no learning he put to shame the wisdom of the learned. With pasture folk he lived and worked, and won their love. In

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 4. October & November, 1940. Nos. 8 & 9.

Contents.

Regd. No. A. 378.

UNDER THE KIND PATRONAGE OF

H. E. H. THE NIZAM OF DECCAN & BERAR.

THE

ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 4. OCTOBER & NOVEMBER, 1940. Nos. 8 & 9

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA	RS. 4/-	SINGLE COPY (INDIA)	-/7/-
FOREIGN	RS. 6/-	... ... FOREIGN	-/9/-

HONORARY EDITOR
Dr. S. E. A. SHAH NAQAVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALIASHRAF
Kazi Tola, BUDAUN.

Printed by L. Ram Saran Lal Rastogi at the Shanti Press, Budaun.

اسلامی دنیا

بدایوں

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ

نقوی

اغراض و مقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقائق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا
۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا
۳۔ فرقہ وارانہ اختلافات اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔
۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا
۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور اُن کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اصلی رنگ میں پیش کرنا۔
۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کرکر غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔
۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوش گوار بنانا۔
۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اُن کو نہایت شایستہ پیرایہ میں زائل کرنا اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے ہر فہیم انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔
۹۔ مسلمات شیعہ سنی کے خلاف کوئی شئے اس رسالہ میں درج نہ ہوگی۔
۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ و سنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے
۱۱۔ حضرات علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔
۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں بچھا کریگا۔

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں ملتان سے شایع ہوا کرے گا۔
۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا۔
۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔
۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلا قیمت بھیجا جائے گا۔
۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی۔پی کی اجازت دیں گے اُن کا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں۔
۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہیئے۔
۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہنچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دے کر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ

بیرون ہند سے
۱ے

زیارت الحسین علیہ السلام

اسلامی دنیا
کا تیسرا
حسین نمبر

زیر سرپرستی
حضرت قبلہ و کعبہ لسان الملت ناصر الشریعت
نصرت الاسلام مولانا مولوی محمد علی
حیدری مد ظلہ العالی

جلد ۸ نمبر ۱ و ۲

فہرست مضامین بابتہ ماہ جنوری و فروری سنہ ۱۹۴۰ء

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

محمد احید الدین پرنٹر

حسینؑ کے جاں نثار اصحاب کے لاثانی کارنامے

تنقید حضرت علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسین صاحب کاموں پوری پی۔ ایچ ڈی (الازہر)

جاں نثاروں نے ترے کر دیئے جنگل آباد
خاک اُڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے

الامان و الحفیظ !! گرمی کا زمانہ شباب پر ہے تند و تیز آندھیاں جسمانی ایوانوں کی چولیں ہلائے دیتی ہیں۔ پناہ بہ خدا ! لُو اور کس شدت کی لُو زمین تپ رہی ہے۔ دانہ بھی گرجاتا ہے تو بھُن جاتا ہے آفتاب کی گرم کرنیں جسم کے لیے سلاخوں کا کام دیتی ہیں۔ چلچلاتی دھوپ سے فضا آتشِ سیال بنی ہوئی ہے اور ایک لق و دق غیر مانوس جنگل اور چٹیل میدان میں کچھ شیر ہتھیلیوں پر سر رکھے زرہوں پر اپنے دل لپیٹے ہوئے جان کی بازی لگا کر اُتر پڑے۔

یہ لوگ گنتی کے چند نفوس ہیں۔ ۳۲ سوار، ۴۰ پیادے ہیں؛ (جلاء العیونؔ مجلسی سنہ ۱۱۱۱ھ)۔

سپہر کاشانی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ جمعیت ۱۴۵ سے کسی طرح زیادہ نہیں (ناسخ ۲۳۱/۳) امام محمد باقرؑ کا ارشاد بھی اسی کا مؤید ہے۔ لیکن اس اختلاف کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ منادر کربلا میں آنے والے ۱۴۵ تھے مگر یوم قربانی جرعہ نوشانِ شہادت صرف ۷۲ فردیں رہ گئیں۔ اس لیے کہ شب عاشور جب سید الشہداء نے عام اجازت دیدی تو اتنے واپس چلے گئے کہ صرف بہتر رہ گئے۔ اور جن لوگوں نے حسینی لشکر کی تعداد (۱۱۰۰) لکھی [illegible] (مسعودی سنہ ۳۴۶ھ) اس سے مراد یہ ہے کہ کربلا میں آنے کے پہلے یہ جمعیت اس قدر یا اس سے زیادہ تھی مگر جب "منزل زرود" پر امام نے مسلم قربانی کی خبر شہادت سن کر عام اجازت لوگوں کو واپس جانے کی دے دی تو بڑی تعداد نے ساتھ چھوڑ دیا۔

فمن کان منکم یصبر علی ضرب السیوف وطعن الرماح والا فلینصرف من موضعہ ھذا فلیس علیہ من ذمامی شیء فسکتوا جمیعا وجعلوا یتفرقون یمینا وشمالا (ناسخ ۲۱۶/۲)

لہ جلاء العیون مجلسی نے فارسی میں لکھی اور سید عبداللہ بن محمد رضا حسینی شبری نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ جلاء العیون کا خلاصہ بھی کیا گیا جس کا نام مختصر الجلاء رکھا گیا۔

مقتل ابی مخنف (۲۱)

تم میں سے جو شخص تلواروں اور نیزوں کی دھار گوارا کر سکتا ہو وہ تو چلے ورنہ اسی جگہ سے واپس چلا جائے۔ میں اُسے مجبور نہیں کرتا۔ یہ سن کر سب کے سب خاموش ہوگئے اور داہنے اور بائیں متفرق ہونا شروع ہوگئے"

بہر طور یہ ۷۲ افراد نہایت مستقل مزاج ثابت قدم اور با مرد تھے۔

یہ مضبوط دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کسی مجاہد گروہ نے اپنے رئیس کے سامنے اس دلیری اور شجاعت سے کام نہیں لیا۔ بڑے بڑے قائدین کی فہرست اموات دہرائی جا سکتی ہے مگر کسی کو حسینی اصحاب کے تناسب سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

"جناب موسیٰ نے جب اپنے انصار سے کمک مانگی تو انھوں نے نہایت خشک لہجہ میں کہدیا ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اور آپ کا خدا اس مہم کو سر کرے $\frac{6}{25}$ المائدہ۔

عیسیٰ کو انھیں کے کاسہ لیس صحابی (یہودا) نے تیس روپیہ کی ننگ انسانیت طمع میں آکر گرفتار کرا دیا۔ اور انھیں کے حاشیہ نشین (پطرس) نے معاذ اللہ تین بار مسیح پر لعنت کی مرقس - $\frac{14}{15}$ متی $\frac{26}{14-75}$

خود مقنن اسلام کے بعض صحابہ کا معاشرتی عنوان نہایت الم انگیز ہے۔ جس وقت دشوار گزار اور سنگلاخ راہیں طے کرنا پڑتی تھیں اُس سے کھرے کھوٹے میں فرق معلوم ہو جاتا تھا۔

ہم کو اس سے انکار نہیں ہے کہ ابوذر و سلمان و مقداد جیسے ارادت کیش رسول کے ساتھ نہ تھے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس سلک میں کل موتی سچے نہ تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تمام صحابہ مرتبہ شناس وقت پر کام آنے والے تھے۔ قرآن مجید سے ذیل کی بعض آیتیں اس دعوے کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں:-

"تم موت کے آنے سے پہلے لڑائی میں مرمٹنے کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اب تو تم نے اس کو دیکھ بھی لیا اور اب بھی دیکھ رہے ہو۔ (پھر کیوں جی چراتے ہو) اور محمد تو صرف رسول ہیں۔ جن کے قبل اور بھی رسول گزر گئے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مرجائیں گے یا قتل ہو جائیں گے تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤگے $\frac{2}{144}$ آل عمران۔

اللہ نے (جنگ احد میں) اپنا وعدہ (فتح کے متعلق) سچ کر دکھایا جبکہ تم اللہ کے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ تم نے بزدلاپن کیا اور حکم رسول کے موافق مورچے جمے رہنے کے متعلق جھگڑا کیا اور مال غنیمت دیکھ کر رسول کی نافرمانی کی تم میں سے بعض تو طالب دنیا ہیں اور بعض آخرت کے طلبگار ہیں (جیسے عبداللہ بن جبیر حضرت حمزہ - ابودجانہ - علی) $\frac{4}{152}$ آل عمران (تم اُس وقت کو یاد کر کے جھینپو) جبکہ تم پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کے دیکھتے بھی نہ تھے اور رسول تم کو

تمھارے پیچھے کھڑے پکار رہے تھے

۱۵۳/۱۴۴ آل عمران

اگر وقتی فائدہ اور آسان سفر ہوتا تو وہ ضرور تمھارا ساتھ دیتے مگر اون پر مسافت کی مشقت طولانی ہوگئی ۴۲/۹ توبہ

آیاتِ بالا سے واضح ہے کہ بعض اصحاب رسول موقع کے قبل لڑائی میں جان دینے کی آرزوئیں کرتے تھے اور رسول کے بعد الٹے پاؤں پھر جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور طمع دنیا میں رسول کی نافرمانی کی پروا نہ کرتے تھے۔ رسول انھیں پکارتے تھے اور وہ منھ موڑے پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور وقتی فائدہ اور آسان سفر کے علاوہ اتیار راو آیندہ کے نفع اور سفر دراز کی مشقت سے گریز کرتے تھے۔ مگر حسینی جان نثار ان حالات کے خلاف آخر تک موت کی تمنا کرتے رہے وہ حسینؑ کے بعد زندہ نہ رہنے کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے۔ اسی ذریعہ سے عملی معرکہ میں ایسے جمے اور ایسی ثابت قدمی دکھائی اور ایسی اولوالعزمی سے کام لیا کہ بڑے بڑے شجاعوں اور بہادروں کو حیرت کی لاانتہا گہرائی میں ڈال دیا۔ ذیل کی آیت کا ایک ایک لفظ اون پر منطبق ہو رہا ہے۔

خدا اون لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھکر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں

۲۸/۴ الصف

فلسفۂ انتخاب

اوچھی نظر والے اوس شخص کو اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کے دو فعل بظاہر باہمی موافقت نہیں رکھتے۔ حسین کی یہ اعلیٰ ترین سیاست بعض حضرات کو متحیر بنا دے گی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو رخصت بھی کرتے جاتے ہیں اور دوسروں کو طلبی کے خطوط بھی لکھتے ہیں۔ مگر اون کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اوس وقت حسین کے سامنے مسئلہ انتخاب درپیش تھا جسے آپ نے انتہائے تدبر سے انجام دیا۔

گزشتہ رہبروں کے سرحد مقصود تک نہ پہونچنے کی دو وجہیں تھیں۔ کسی کو تو بالکل انتخاب کا موقع ہی نہ ملا اور کسی کو اگر ملا بھی تو کامل انتخاب کا موقع نہیں ملا۔

جناب موسیٰ کا شمار اون لوگوں میں ہے جنھیں انتخاب کی مہلت تو ضرور ملی مگر کامل انتخاب کی فرصت نہیں ملی۔ کلیم اللہ نے جب قوم کے اصرار سے انھیں بالائے طور لے جانے کا قصد کیا تو اُس وقت اُن کے سامنے ستر لاکھ کی جمعیت تھی جن میں سے اُنھوں نے ستر ہزار کو چنا پھر اون میں سے سات سو منتخب کئے پھر سات سو میں سے ستر آدمی چھانٹے مگر یہ ستر بھی سرکشی کی وجہ سے نذر صاعقہ ہوگئے۔

(تفسیر صافی ۱۸۵)

اسلام کے اس مقدس پیرو (حسینؑ) کے سامنے ایک طرف تو سلف کے تیخے سوانح تھے۔ دوسری جانب نتائج کا پورا احساس۔ اس نے ڈھونڈھ کر

انتخاب کا وقت نکالا اور انتخاب میں پوری دانائی سے کام لیا۔ وہ جس کام کے لیے اوٹھا تھا وہ بہت اہم تھا۔ اِس لیے وہ ایک رنگ ایک میل ایک مذاق کے آدمی ڈھونڈھ رہا تھا۔ ایک بڑی جماعت جو حسینؑ کے ساتھ ہوگئی تھی اور حسین کے مقدس ارادہ میں عملی شرکت کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ یہ لوگ بے جوڑ تھے اس لیے حسینؑ نے اون کو رخصت کر دیا۔ مگر حسینؑ کو تبلیغ کا مکمل کرنا بھی ضروری تھا اس لیئے جتنے دانوں کی جگہ خالی تھی اتنے دانے دور دور خط بھیج کر منگائے۔ اور اس طریقہ سے ایک مختصر مگر زبردست فہرست اعوان و انصار کی مرتب فرمائی۔ اور حسین کا انتخاب نہایت کامیاب ثابت ہوا یہ احرار جس بات پر کمر باندھ چکے تھے۔ جو مصمم عزم کر چکے تھے اون کو انتہائے مدارج تکمیل تک پہونچا کر رہے۔ اور اپنے وعدے کے ایک ایک حرف کو سچ کر دکھایا۔ اور خدا کے کلام کی بہتر سے بہتر تصدیق کر کے اپنی ذات کو اس کا مصداق صحیح ثابت کر دیا۔

ایمان داروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے
خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا
۲۱/۲۲ احزاب

۵

لشکر جو اون پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسم پہ کیا جھوم جھوم کے

پیغمبر اور ائمہ کی نگاہوں میں حسینی مجاہدوں کا درجہ

یہ معلوم ہو چکا کہ یہ مختصر جماعت خلاصۂ روزگار اور حاصل انتخاب سید الشہدا تھی۔ اب ہم یہہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے بڑے بڑے ارکان کی نظروں میں ان کی کیا حیثیت تھی اور اسلام کے پہلے ان کو کیا درجہ دیا جاتا تھا

(۱) کعب احبار نے کہا کہ ہماری کتابوں (توریت) میں لکھا ہے کہ ایک شخص محمد رسول اللہ کی اولاد میں قتل کیا جائیگا اور اس کے اصحاب کے مرکب کا پسینہ خشک بھی نہ ہونے پائیگا کہ سب جنت میں داخل ہو کر حوروں سے معانقہ کریں گے اسی اثنا میں امام حسنؑ حاضرین کی طرف سے گزرے سب نے کہا کہ وہ یہی ہیں کہا نہیں۔ پھر امام حسینؑ ادھر سے گزرے سب نے کہا وہ یہ ہیں کہا ہاں (انوار نعمانیہ)

(۲) شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے رسول تک سلسلۂ سند کو منتہی کر کے ذیل کی روایت لکھی ہے:۔

قال اندادرون ما عنی قال اخبرنا قال النبی ھاہ شوقا الی اخوانی من بعدی شانھم شان الانبیاء قوم یفرون من الآباء والامھات کلھم لیعار مرضات اللہ یترکون المال للہ ویبذلون انفسھم باتی بنفع لواحد منھم اکرم عند اللہ من کل شی تلوبھم وعملھم فمکلھم عبادۃ وفرحھم تسبیح ونومھم صدقۃ وانفاسھم جھاد (اسرار الشہادۃ ملا دربندی ۲۴۰)

رسول نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ مجھے کیا غم کہا فرمائیں۔ فرمایا ہائے رے میرا شوق اپنے اُن بھائیوں کی

ملاقات کا جو میرے بعد پیغمبرانہ شان کے ہوں گے رضائے خدا کیلیے اپنے ماں باپ سے بھاگیں گے خدا کے لیے مال کو چھوڑیں گے تو ضیع کے ساتھ بذل نفس کریں گے ان میں سے ہر ایک کا اجر ستر اہل بدر کے برابر ہوگا۔ ہر ایک خدا کے نزدیک ہر شئے سے زیادہ محترم ہوگا اُن کے دل اور عمل خاص خدا کے لیے ہوں گے ہنسی اون کی عبادت۔ فرحت اُن کی تسبیح نیند اُن کے صدقے سانسیں اُن کی جہاد "

(اسرار الشہادۃ ملا دربندی ۲۷۰)

(۳) قطب راوندی نے کتاب الخرائج میں امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ امام حسینؑ نے قبل اپنے مقتول ہونے کے فرمایا:۔

میرے نانا رسولِ خدا فرماتے تھے حسینؑ! تم عنقریب عراق کی ایک زمین (عمورا) پر قتل ہوگے اور تمھارے ساتھ اصحاب کی ایک جماعت شہید ہو گی جو الم آہن (تلواروں اور نیزوں) سے متاثر نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:۔ یا نارکونی بردا و سلاماً علی ابراھیم۔ الانبیا۔ اے آگ ٹھنڈی ہو جا مگر ابراہیم سلامت رہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے حسینؑ تم پر اور تمھارے اصحاب پر میرا سلام۔ یہہ کہکر خود حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ خوش ہو اگر ان لوگوں نے ہمیں خدا کی راہ میں قتل کر ڈالا تو ہم رسول خدا کے پاس پہونچ جائیں گے

(اسرار الشہادۃ ۱۶۷۔ شفاء الصدور ۳۶۱)

(۴) امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ایک روز جناب سیدہ امام حسینؑ کو اُٹھائے ہوئے تھیں پیغمبرؐ نے حسینؑ کو اون سے لے لیا اور فرمانے لگے خدا تیرے قاتل پر لعنت کرے۔ سیدہ نے عرض کیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا میرے اور تمھارے بعد جو مظالم ان پر ہوں گے وہ یاد آگئے۔ اُس وقت ان کے ساتھ ایک گروہ ہوگا جن کے چہرے تاروں کی طرح چمکتے ہوں گے۔ وہ خوشی خوشی قتل ہو جانے کی طرف اقدام کریں گے (شفاء الصدور ۳۶۱)

(۵) امیر المومنینؑ کی ایک حدیث طویل میں مروی ہے:۔

ان اصحابہ من سادۃ الشھداء یوم القیامۃ (مہیج الاحزان ص ۱۲۶)

حسینؑ کے اصحاب قیامت کے دن تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔

شیخ صدوق نے "جبلہ مکیہ" سے روایت کی کہ اونھوں نے "میثم تمار" کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ امیر المومنین نے مجھے خبر دی ہے کہ حسینؑ پر تمام کائنات روئے گی۔

یا جبلۃ اعلمی ان الحسینؑ سید الشھداء یوم القیامۃ ولاصحابہ علی سائر الشھداء فضلاً (مہیج الاحزان ۱۲۷)

اے جبلہ حسینؑ کے اصحاب کو تمام شہدا پر فضیلت ہے

(۶) امام زین العابدینؑ سے ذیل کی روایت مروی ہے:-

قال جمع الحسین اصحابہ عند قرب المساء فسمعت ابی وھو یقول فانی لا اعلم اصحابا اوفی ولا اخیر من اصحابی فجزاکم اللہ عنی جمیعا

(ناسخ ۲۳۹)

امام حسینؑ نے شام کے قریب اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ آپ نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا "میرے علم میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں گزرے۔ اللہ تم سب کو میری جانب سے جزائے خیر دے۔

(۷) امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ امام حسینؑ اپنے کشتوں کو قریب قریب رکھتے جاتے اور فرماتے تھے:- قتلی النبیین وآل النبیین۔ یہ انبیا۔ اور آلِ انبیا کے مقتول ہیں۔ (بحار مجلسی)

(۸) امام موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت ہے کہ قیامت میں۔ حواریین رسول پکارے جائیں گے تو سلمان و ابو ذر و مقداد اٹھینگے اور جب حواریین علیؑ پکارے جائیں گے تو عمر بن حمق اور محمد بن ابو بکر اور میثم تمار اور اویس قرنی اٹھینگے۔ اور جب "حواریین حسنؑ" پکارے جائیں گے تو سفیان بن ابی لیلےٰ ہمدانی اور حذیفہ بن اسد اٹھینگے۔ اور جب ابن "حواری الحسینؑ" کی ندا ہو گی تو وہ تمام شہدا اٹھینگے جنھوں نے آپ کی نصرت کی ہے۔

(۹) صاحب الامرؑ امام زماں نے زیارت ناحیہ میں ان اصحاب کو ذیل کے الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:-

السلام علیکم یا خیر الانصار السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار بوّاکم اللہ مبوّاء الابرار۔ اشھد لقد کشف اللہ لکم الغطا ومھّد لکم الوطاء واجزل لکم العطاء وکنتم عن الحق غیر بطاء وانتم لنا فرطاء ونحن لکم خلطاء فی دار البقاء وَالسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ناسخ ۳۴۴)

تم پر سلام۔ اے بہترین مددگار۔ سلام تم پر تمہارے صبر و تحمل کے عوض۔ دیکھو آخرت کا گھر کیسا اچھا گھر ہے خدا تم کو کاشانہ ابرار میں جگہ دے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا نے تمہارے سامنے سے پردہ اٹھا دیا اور جنت میں تمہارے لیئے فرش بچھا دیا اور عطا و انعام کو تمہارے لیے بڑھا دیا۔ تم نے حق میں تاخیر نہیں کی اور تم ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہم دار بقا میں تمہارے دوست ہیں۔

احادیث بالا پر تبصرہ

احادیث بالا سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ گزشتہ انبیا کی کتابوں میں رسول اور ائمہ کی نگاہوں میں اصحاب حسین کا کیا درجہ ہے۔ ان احادیث میں وہ حدیث قابل بحث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اصحاب حسین الم آہن سے متاثر نہوں گے تیر و

نیزہ اور تلوار وغیرہ سے اونھیں کوئی صدمہ محسوس نہوگا۔ بظاہر حدیث کے الفاظ قواعد تکلیف کے خلاف ہیں اس لیے کہ صفت شعور و ادراک قدم میں لغزش پیدا کردیتے ہیں۔ ایک مخبوط الحواس یا بے ہوش کو بڑی سے بڑی جرارت کرتے دیکھو گے مگر ایک حساس آسان ہمیشہ وہمی خطرہ سے بھی جان بچاتا ہے۔ لہذا اگر ان حق شناس اصحاب کو تلوار اور نیزوں کی چوٹ کی پوری تکلیف کا احساس ہوتا اور ثابت قدم رہتے تو اون کا یہ فعل ضرور قابل ستایش ہوتا۔ ایک وہ شخص جس کو بیہوشی سنگھا کر اپریشن دیا گیا ہو وہ یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کو مظاہرہ مردانگی کے موقعہ پر پیش کیا جاسکے۔ بیہوشی کے ذریعہ سے ایک صغیر السن بچہ کو خاموشی کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ خیال کرتے ہیں تو کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ تمام اعمال کی روح یہ ہے کہ انسان نفس کو موت پر آمادہ کرے اور خدا کی رضا جوئی میں دنیا وی زندگی سے ہاتھ اٹھالے اس سے بلند کوئی عمل نہیں یہی ثواب کا منشا ہی اور اس پر اجر مرتب ہوتا ہے۔

اگر نفس پہلے سے تیار نہیں اور بغیر قصد کوئی فعل ہوگیا تو اگرچہ اس سے نفس کو تکلیف ہوتی ہی مگر اس سے کسی ثواب کا استحقاق حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نفس میں آمادگی کی پوری اسپرٹ پیدا ہوگئی ہے اور اس کے بعد کسی ناگہانی یا قدرتی سبب کی وہ فعل واقع نہیں ہوا تو اجر کا حاصل ہونا یقینی ہی اس لیے کہ منشا اجر نیت اور ارادہ ہے۔ جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے واقعات دہرا جاؤ۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہایت استقلال سے آتش نمرود کا استقبال کیا اگرچہ بعد میں آگ ٹھنڈی ہوگئی مگر اون کو اجر ملا $\frac{۱۷}{۵۹}$ انبیا

حضرت اسماعیلؑ نے کمال اطمینان سے چھری کے نیچے لیٹنا گوارا کیا اگرچہ بعد میں ذبح سے بچ گئے۔ مگر اون کو اجر کا استحقاق حاصل ہوگیا $\frac{۲۳}{۱۰۲}$ صافات

کیوں؟ صرف عزم مصمم کی وجہ سے۔ علاوہ اس کے علوم عقلیہ میں مسلم ہے کہ دو علتوں کا توارد محلول واحد پر محال ہے۔ اصحاب حسینؑ تکالیف اہلبیت کے احساس میں از سرتا پا ڈوبے ہوئے تھے۔ عضو عضو۔ اہلبیت کے مصائب سے متاثر تھا اسلیے وہ تلوار اور نیزوں کی تکلیف سے متاثر نہیں ہوئے خدا نے کسی شخص کے دو دل اس کے سینہ میں نہیں پیدا کئے۔ $\frac{۲۱}{۴}$ احزاب

فلسفہ وداد ی اور جذبہ شوق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ شوق میں کس قدر کشش اور قوت ہے۔ انوار نعمانیہ میں ایک دلکش واقعہ مذکور ہے۔ ایک شخص اپنے محبوب کی طرف ملتفت تھا اور کفگیر کو ہاتھ سے حرکت دے رہا تھا جذب شوق اس قدر بڑھا اور نظارہ جمال میں اس قدر محو ہوا کہ کفگیر ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ہاتھ اس کا قائم مقام ہوا۔ رفتہ رفتہ ہاتھ جل کر خاک ہوگیا۔ مگر

مشتاق جمال کو کچھ خبر نہیں ہوئی۔

مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھ کر انتہائے محویت میں بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے $\frac{12}{12}$ یوسف۔

جب شوق میں اتنی قوت ہے اور اصحاب کا نہائے شوق لقاء پروردگار معلوم ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ باوجود اس کامل شوق کے اصحاب حسین کو کوئی اذیت کوئی تکلیف اپنی طرف متوجہ کرسکے اور صاحب شوق دوسری طرف ملتفت ہونے دے

دشمنوں کے دلوں میں حسینی شیروں کا دبدبہ

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونھم مثلیھم رای العین $\frac{3}{12}$ آل عمران

تمھارے لیئے ان دونوں گروہوں میں جو باہم گتھ گئے تھے ایک نشانی تھی ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں مقابلہ کرتا تھا اور دوسرا کافر تھا جنھیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دوگنا دیکھ رہے تھے "

یہ آیت بدر کے موقع کو یاد دلا رہی ہے جس میں کافروں کا گروہ مسلمانوں سے دوگنا تھا لیکن پھر بھی مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ آخر اس میں کیا راز تھا۔ اسکو دوسری آیت ظاہر کررہی ہے۔

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا $\frac{10}{5}$ انفال

اگر تم میں سے بیس پر جگر صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر بھاری ہوں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر قادر رہینگے "

فلسفۂ تربیت عسکری بجز اسلام کے آج تک کوئی کار بند نہیں ہوا۔

اسلام قشون قاہرہ کی اعانت کا محتاج نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے چند ہی آدمیوں میں وہ روح پھونکدی انھیں اس قدر پر جگر اور ارادہ کا پکا بنا دیا کہ وہ بڑی بڑی کثیر جماعتوں سے مڈبھیڑ کرسکے۔

۱۸ بنی ہاشم اور ۵۴ اصحاب کی تعداد ہی کیا۔ جس میں شش ماہہ مجاہد کا بھی شمار تھا۔ یہ لوگ دو ایک کے مقابلہ میں نہیں آئے۔ بلکہ ہتھیار بند سپاہ کی بہت بڑی اور کثیر جماعت کے مقابلہ میں ڈٹ گئے جن کی تعداد بقول بعض ۲۲ ہزار (اعثم یافعی) اور بقول بعض پچاس ہزار (ابو فراس) اور بقول بعض اسی ہزار (ابو مخنف) اور بعض کا خیال دو لاکھ سے پندرہ لاکھ ہے۔ بہر حال بیس ہزار سے کم اور ۵۱ ہزار سے زیادہ نہیں۔ (ناسخ ۲۳۳) اکاون ہزار سے زیادہ جو تعداد بتائی جاتی ہے اس میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو لشکر کی مختلف ضروریات کے متکفل تھے۔

حسینی فوج کے ایک ایک سر فروش نے بڑی بڑی جماعتوں کو زیر و زبر کرڈالا۔ صرف صحرا پسر نے

بقول ابی مخنف کم از کم ستر شخص قتل کئے۔ وہب بن عبداللہ نے بارہ پیادے انیس سوار "بریر بن خضیر" نے ۳۰ شخص۔ مسلم بن عوسجہ نے ۵۰ شخص پسر مسلم نے ۳۰ شخص۔ حبیب نے ۶۲ شخص۔

ممکن تھا ہم تمام اصحاب کے مقتولوں کی فہرست پیش کر دیتے۔ لیکن انفرادی حیثیت سے اس میں اختلافات ہیں اور ہم سرسری بحث کے ساتھ گزرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس بیان کو کافی سمجھتے ہیں تاہم یہ نتیجہ صاف طور سے نکالا جا سکتا ہے کہ آسمان و زمین کے بادشاہ کا ہاتھ اصحاب حسینؑ کی پشت پر تھا۔ اس لیے کہ آیت بالا میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ۲۰ صابر ۲۰۰ پر غالب آئیں گے اور ۱۰۰۔ ایکہزار پر۔ معرکۂ کربلا میں جو صورت اصحاب کے سامنے پیش تھی اُس کا کچھ عجیب عنوان تھا۔ ایک ایک آدمی کے مقابلے میں ایک ایک ہزار کا پرا تھا۔ بلکہ ایک ایک کے مقابلہ میں ہزاروں کا لشکر سمٹ آتا تھا اور یہ سب کو بھگا دیتے تھے۔ اور اس وجہ سے دشمنوں کے دل اُن سے دہلے ہوئے تھے۔ ہم ذیل میں چند عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ لشکر یزید کو حسینی سرفروشوں سے کس قدر دہشت اور ہراس تھا اور اصحاب حسینی کے متعلق اون کے دلوں میں کیسے خیالات موجزن تھے۔ جب عابس بن شبیب" جنگ کے لیئے آئے ہیں تو انھوں نے الا رجل۔ الا رجل۔ (کیا کوئی مرد ہے)۔ کی آواز بلند کی۔ ربیع بن تمیم لشکر عمر سعد میں ایک شخص تھا کہنے لگا کہ میں عابس کو خوب پہچانتا ہوں۔

(ایہا الناس ھذا اسد الاسود ھذا ابن شبیب)۔

خبر ہے یہ شیروں کا شیر ابن شبیب ہی جو اُس کے سامنے جائیگا وہ ہرگز موت سے نجات نہیں پا سکتا۔ (ناسخ ۲۷۵)

وصاح عمر بن الحجاج الناس اتدرون من تقاتلون فرسان المصر قوما مستمیتین لا یبرزون لھم منکم احدا فانھم قلیلون وقل ما یبقون۔ واللہ لو ترموھم بالحجارۃ لقتلتموھم فقال عمر بن سعد صدقت الرای (طبری۔ ابن جریر ۳۱۰ھ)

عمر بن حجاج (سردار لشکر ابن سعد) نے بہ آواز بلند کہا "تمھیں معلوم ہے تم کس سے لڑ رہے ہو یہ شہسواران بلا ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ تم میں سے فرداً فرداً ان سے کوئی مقابلہ نہ کرے یہ تھوڑے ہیں اور تھوڑی دیر زندہ رہیں گے۔ مگر خدا کی قسم اگر تم سب مل کر ان پر پتھر نہ برساؤ گے تو یہ تم کو فنا کر دیں گے۔ ابن سعد نے کہا بیشک تمھاری رائے صحیح ہے۔

(تاریخ طبری ابن جریر ۳۱۰ھ)

در شرح شافیہ مسطور ست کہ مردے از لشکر عمر بن سعد را گفتند وائے بر تو با فرزند رسول قتال داری۔

قال عضضت بالجندل انك لو
شهدت ما شهدنا لفعلت ما
فعلنا۔ ثارت علینا عصابة
ایدیها فی مقابض سیوفها
کالاسود الضاریة تحطم الفرسان
یمینا وشمالا وتلقی انفسها علی الموت
لا تقبل الامان ولا ترغب فی
المال ولا یحول حائل بینها
وبین الورود علی حیاض المنیة
والاستیلاء علی الملك فلو
کففنا عنها رویدا لاتت علی
نفوس العسکر بحذافیره فما کنا
فاعلین لا ام لك (ناسخ ۲۴۳)

کسی شخص نے لشکر یزید کے کسی سپاہی سے
کہا افسوس تم نے فرزند رسول سے جنگ کی اس نے
کہا تمھیں پتھر چبانا نصیب ہو جو ہم نے دیکھا اگر تم بھی
وہی دیکھتے تو وہی کرتے جو ہم نے کیا۔ ایک جماعت
ہم پر ٹوٹ پڑی جو حملہ آور شیروں کی طرح تلواروں کے
قبضوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھی۔ داہنے بائیں۔
شہسواروں کو چور کئے دیتی تھی۔ اپنے کو موت کے
منہ میں ڈالے دیتی تھی نہ وہ امان کو قبول کرتی
تھی نہ مال و دولت کی طرف رغبت کرتی تھی۔ اور نہ
کوئی شے اس کے اور موت کے چشموں پر اترنے
اور ملک پر غالب آنے کے درمیان حائل ہوتی
تھی۔ اگر ہم تھوڑی دیر کو بھی اپنا ہاتھ روک لیتے تو وہ
تمام لشکر کو فنا کر دیتی پھر ایسے وقت ہم بجز اس کے اور
کیا کرتے۔ (تیری ماں مرجائے)۔

حسینؑ سرفروشوں کے آقا کی بارگاہ میں بہادرانہ کلمات

ایمان والو تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جس کو کرکے نہیں
دکھاتے۔ خدا کے نزدیک بڑے غضب کی بات ہے
کہ تم ایسی باتیں کہو جس کو پورا نہ کر سکو ۲۸ صف۔
آیت کے تیور بتاتے ہیں کہ بے بنیاد دعووں کی زد پڑ
تلی ہوئی ہے۔ تاریخ سے اُن لوگوں کے زمانے کی
تعیین ہو جاتی ہے جو بڑھ بڑھ کے بولا کرتے تھے اور
عملی میدان ان سے خالی رہتا تھا۔ اصحاب رسول
ایک روز بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ کہ اگر ہماری نظر
میں وہ عمل معین ہو جائے جو خدا کو سب سے زیادہ
پسند ہو تو ہم اُس کی تعمیل میں اپنی جان و مال بھی دریغ
نہیں کرینگے جب آیہ ان اللہ یحب الذین ۲۸
صف نازل ہوئی تو یہی لوگ جنگ احد میں بھاگتے دکھائی
دیئے۔ اور رسول کو دشمنوں کے مجمع میں چھوڑ گئے
(درمنثور سیوطی ۱۱/۹ ۲۱۳)

ہم اس عنوان کے تحت میں اصحاب حسین کے پرشوکت
اور بہادرانہ الفاظ نقل کریں گے۔ جن سے اُن کی
قلبی حالت معلوم ہوسکیگی اور ناظرین کو اس۔
موازنہ کا موقع ملیگا کہ حسینؑ کے اصحاب کے دہن
سے جو لفظیں نکلی تھیں وہ کہاں تک سچائی میں
ڈوبی ہوئی تھیں اور اصحاب رسول کے فعل میں

کس حد تک ارتباط تھا۔

قالوا انفوسنا دون نفوسکم ودمائنا دون دمائکم وارواحنا لکم الفداء واللّٰہ لا یصل الیکم بمکروہ وفینا الحیاۃ وقد وھبنا للسیوف انفسنا وللطیر ابداننا فلعلہ نقیکم زلف الصفوف ونشرف۔ دونکم الحتوف فقد فاز من کسب الیوم خیرا وکان لکم من المسؤن مجیرا (مقتل ابی مخنف)

ناسخ ۲۷۷/۲

اصحاب نے اہلبیت سے کہا ہماری جانیں آپ پر قربان ہمارا خون آپ پر نثار ہماری روحیں آپ پر فدا۔ خدا کی قسم جب تک ہمارے دم میں دم ہے آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا۔ ہم نے تلواروں کے لیئے اپنی جانیں اور تیروں کے لیئے اپنے جسم ہبہ کر دیے ہیں۔ ہم آپ کے سامنے موت کا شرف حاصل کریں گے۔ جس نے آج نیکی کی اور آپ کو موت سے بچا لیا کامیابی اُس کے لیے ہے۔

قال مسلم بن عوسجۃ لا افارقک حتی اکسر فی صدورھم رمحی واضربھم بسیفی ولو لم یکن معی سلاح لقذفتھم بالحجارۃ حتی اموت (تاریخ کامل ابن اثیر)

مسلم بن عوسجہ نے کہا میں آپ کا ساتھ اُس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا نیزہ اعدا کے سینہ میں نہ ٹوٹ جائے۔ میں اُنھیں اپنی تلوار سے ماروں گا اور اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ رہیگا تو میں اُن پر سنگساری کروں گا یہاں تک کہ مجھ کو موت آ جائے۔

قال سعد بن عبد اللّٰہ الحنفی واللّٰہ لا نخلیک حتی یعلم اللّٰہ انا قد حفظنا غیبۃ رسول اللّٰہ فیک واللّٰہ لو علمت انی اقتل ثم احیی ثم احرق حیا یفعل بی ذلک سبعین مرۃ ما فارقتک حتی القی حمامی دونک وکیف لا افعل ذلک وانما ھی قتلۃ واحدۃ ثم ھی الکرامۃ التی لا انقضاء لھا ابدا۔

وقال زھیر بن قین واللّٰہ لوددت انی قتلت ثم نشرت ثم قتلت حتی اقتل کذلک الف قتلۃ واللّٰہ یدفع بذلک القتل عن نفسک وعن النفس ھولاء الفتیۃ من اھل بیتک وتکلم جماعۃ بکلام یشبہ بعضہ بعضا فی وجہ واحد فقالوا واللّٰہ لا نفارقک ولکن انفسنا لک الفداء نقیک بنحورنا وجباھنا و

ایدینا فاذا نحن قتلنا کنا وفینا وقضینا ما علینا (طبری)

سعد بن عبد اللہ حنفی نے کہا خدا کی قسم ہم آپکو اُس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک خدا کے سامنے عملی حیثیت سے یہ نہ ظاہر کردیں کہ ہم نے رسول کی حفاظت صرف انکی ذات تک ہی کی۔

بلکہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں قتل کیا جاؤں گا۔ پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر زندہ جلا دیا جاؤں گا اور یہ سلوک میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا تو بھی میں آپ کا ساتھ اوس وقت تک نہ چھوڑونگا جبتک موت سے ہمکنار نہ ہو جاؤں اور جب یہ معلوم ہے کہ ایک ہی بار مرنا ہے اور اس کے بعد وہ کرامت ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی تو کس طرح اس سے باز رہ سکتا ہوں۔ پھر زہیر بن قین نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ یہاں تک کہ اسی طرح ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں۔ مگر اللہ میرے اس قتل سے آپ کی اور آپ کے جوانانِ اہل بیت کی جانوں سے اس مصیبت کو دفع کرے۔ پھر باقی اصحاب نے بھی اسی طرح کی ملتی جلتی تقریریں کیں اور سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اور اپنی جانیں آپ پر نثار کردیں گے۔ ہم اپنے گلوں اور پیشانیوں اور ہاتھوں سے آپ کو بچائیں گے اور جب قتل ہو جائیں گے تو ہمارا عہد پورا اور ہمارا فریضہ ادا ہو جائیگا۔

یہ کلمات اس خطبہ کا جواب ہیں جو سید الشہداء نے شب عاشور اصحاب کی گردنوں سے اپنی بیعت نکالکر اون سب کو رخصت دیدی تھی کہ تم سب مجھے چھوڑکر چلے جاؤ۔ (اسرار الشہادۃ ۲۶۶ ناسخ ۲۴۲ ص ۲۴۲ مہیج الاحزان صـ۱۰۱ - ارشاد قلمی ص ۱۰۴ - مناقب ص ۹۳ روضۃ الشہداء ۲۹۵

جب یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اس وقت محمد بن حضرمی کو اطلاع ہوئی کہ تمہارا بیٹا ملک رے میں گرفتار ہو گیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: "انت فی حل من بیعتی" میں نے اپنی بیعت تم سے اُٹھالی تم اپنے لڑکے کی رہائی کی فکر کے لیے چلے جاؤ۔ فقال اکلتنی السباع ان فارقتک" محمد نے کہا کہ اگر میں آپکو چھوڑکر چلا جاؤں تو مجھے درندہ کھا جائیں (ناسخ ۲۴۲)

عابس بن شبیب ایک موقع پر کہتے ہیں:۔ یا اباعبد اللہ اما واللہ ما امسی علی وجہ الارض قریب ولا بعید اعز علی ولا احب الی منک ولو قدرت علی ان ادفع منک الضیم او القتل بشئی اعز علی من نفسی ودمی لفعلت (ناسخ ۲۴۴)

مولا! کوئی مخلوق روئے زمین پر خواہ قریب ہو یا بعید میرے نزدیک آپ سے زیادہ عزیز و محبوب نہیں ہے اور اگر مجھ کو قدرت ہوتی کہ میں آپ سے ظلم و قتل کو کسی ایسی شے سے دفع کرتا جو میری جان اور میرے خون سے زیادہ مجھے عزیز ہوتی تو میں اُسے بھی صرف کر کے دفع کرتا۔

(باقی - باقی)

یزید اور حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت عماد العلماء مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی

ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مشاہیر علماء اسلام نے یزید کو کیسا لکھا ہے اور اس کے کیریکٹر پر کن الفاظ میں روشنی ڈالی ہے پھر اس کے بعد خود بخود ان عقل و ہوش کے دشمن اور ننگ انسانیت خیالات پر روشنی پڑ جائے گی جن سے یزید کی تائید کی جاتی ہے۔

اُن الفاظ کو ہم آیندہ بیان کریں گے جو امام حسینؑ کی زبان اقدس پر جاری ہو کر مسلمانوں کو بتا گئے کہ یزید کی کیا حیثیت تھی۔ سب سے پہلے اُن خیالات کو پیش کیا جاتا ہے مقاصد تحریر کا جن سے زیادہ تعلق ہے

خود یزید کے بیٹے معاویہ کا خطبہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۴ اور حیوٰۃ الحیوان مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۷۷ میں ہے۔

معاویہ بن یزید کی تقریر

(۱) ان معاویۃ بن یزید لما ولی صعد المنبر فقال ان ہذہ الخلافۃ فتجعلہا اللہ تعالیٰ وان جدی معاویۃ نازع الامر من اہلہ ہو احق بہا منہ علی بن ابیطالب ورکب بکم ما تعلمون حتی اتتہ منیتہ فصار فی قبرہ رہینا بذنوبہ ثم تقلد ابی الامر وکان غیر اہل لہ نازع ابن بنت رسول اللہ فقصف عمرہ وانبتر عقبہ وصار فی قبرہ رہینا بذنوبہ ثم بکی وقال ان من اعظم الامور علینا علمنا سوء مصرعہ وبئس منقلبہ وقتل عترۃ رسول اللہ واباح الخمر وخرب الکعبۃ ولم اذق حلاوۃ الخلافۃ فتقلدہ اتقلد مرارتہا فشانکم امرکم اللہ واللہ لئن کانت الدنیا خیرا فقد نلنا منہا حظا ولئن کانت شرا فکفی ذریۃ ابی سفیان ما اصابوا منہا۔

"اس عبارت کا ترجمہ صاحب براہین قاطعہ نے اس طرح کیا ہے":-

چون معاویہ بن یزید بن معاویہ والی امر خلافت شد بر منبر آمد وگفت کہ امر خلافت عہدیست از جانب خدا رسالتمآب و رسول او باختیار احدے نیست مگر خدائے تعالیٰ ہر کہ را لائق امر خلافت کردہ است پس او خلیفہ میشود نہ این کہ اختیار مردان باشد و ہر کس کہ میخواہند خلیفہ نمایند واورا امام دین خوانند امامت ونبوت بید قدرت دوست ہر کرا خواہد قابلیت این امر بدوست۔ چنانکہ اہلیہ مہتر داؤد میخواست کہ بعد از تو داؤد فرزند پیغمبر شود خدائے تعالیٰ فرمود کہ اے داؤد نبوت وامامت اختیار بمن ست نہ بر تو نہ بر اہلیہ تو فردا دو مرد نزد تو خواہند رسید

دعویٰ بر یکدیگر خواہند نمود۔ آں مقدمہ بر پسران خود داری ہر یک دراں حکم کند بنی ست حکم حضرت سلیمان نمود و بدرستیکہ جد من معاویہ نزاع کرد دریں امر باکسیکہ از خدا و رسول خدا خلیفۂ دین و دنیا احق و اولے بودؔ از وے علی ابن ابیطالب و مرتکب امر چند شد کہ شما او را میدانید تاتیکہ وفات یافت در قبر رہین ذنوب گشت باز پدر من مقلد ایں امر گشت ولیاقت برائے او نداشت و با پسر دختر رسولؐ منازعہ نمود پس شکست عمر خود را و قطع نمود او را و امروز در قبر بوبال و نکال گناہاں خود گرفتار است بعد ازاں گریہ بسیار کرد و گفت اعظم امور بعلم ما آنست کہ بد است مصرع از وبد است منقلب او بدرستیکہ قتل کرد عترت رسولؐ را و اباحت خمر نمود و کعبہ را خراب کرد الخ۔

اھل البیت ادری ما فی البیت (گھر والے گھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں)

معاویہ بن یزید بن معاویہ کی یہ مشہور تقریر حضرت معاویہ اور یزید کی نیتوں کا پورا پورا حال بتا رہی ہے آج حاشیہ نشینان بزم یزیدی اوس کی مدح و ثنا میں زمین کے قلابے آسمان سے ملا دیں لیکن حق وہ ہے جو ظاہر ہو کے رہتا ہے۔ یزید کا بیٹا اپنے باپ کا کن الفاظ میں ذکر کر رہا ہے۔ کیا دنیا میں کوئی سمجھدار فرزند اپنے باپ دادا کی علی الاعلان مذمت کر سکتا ہے۔ جب تک کوئی ایسی ہی بات نہ ہو جس سے بیٹا اس پہ مجبور ہو جائے کہ باپ دادا کی مذمت کرے اگر کوئی غیر کہتا تو کل دنیائے سواد اعظم اُس کی زباں بندی کرنے کے لیے تل جاتی۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ خود وہ بیٹا یزید و حضرت معاویہ کے خون سے جس کی ساخت ہوئی علی الاعلان ممبر پر آباؤ اجداد کے فسق و فجور اور چھپے ہوئے بھیدوں کی کہانی کہہ رہا ہے۔ ان دونوں میں کون حق پر تھا۔ اس کا فیصلہ ہمارے ذمہ نہیں ہے۔

اس تقریر کے الفاظ سے اس کا بھی پوری طرح پتہ چل گیا کہ معاویہ بن یزید کے نزدیک خلافت حضرت علیؑ کا حق تھا نہ حضرت معاویہ کا اور اسی طرح یزید نے حضرت امام حسینؑ کا حق چھین کر ذریت رسول اللہ کو قتل بھی کیا۔ جس کے سبب سے یہ دونوں بقول معاویہ بن یزید کے اپنے گناہوں کے پہاڑوں کے نیچے قبر کے اندر دبے ہوئے ہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ خلافت کو بچوں کا کھیل نہیں سمجھتا تھا بلکہ اُس کے نزدیک یہ ایک آسمانی چیز تھی جو بغیر حکم خدا کے کسی شخص کے لیے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اُس کے نزدیک شورائے مسلمین یا وصیتیں کسی کو خلیفۃ اللہ نہیں بنا سکتیں نہ کسی کی خود ساختہ مشین پیغمبری کے پرزے ڈھال سکتی ہے۔ بلکہ پیغمبر یا خلیفہ و امام وہی بنا سکتا ہے جس نے عالم کی ہر شے بنائی ہے۔

(خدا معاویہ بن یزید پہ رحم کرے)

یزید کا حکم قرآنی کو ٹھکرانا

(۲) یزید نے اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اور آیہ قرآنی "ازواجہ امھاتکم" کی پرواہ نہ کی (ترجمہ مدارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۲۲۶) تعجب ہے کہ

یہ حدیث کیونکر صحیح ہوسکتی ہے لیکن کیا کریں کہ کتاب بھی مستند ہے۔

امام حسینؑ کے سامنے شراب پیش کرنے کی جسارت کرنا

(۳) حالت ولیعہدی میں حج کو جاتے ہوئے مدینہ میں مجلس شراب آراستہ کرنا اور ایک پیالہ پی کر امام حسینؑ کے آگے پیش کرنا جس پر آپ نے فرمایا کہ اے شخص تیری شراب تجھ ہی کو مبارک رہے (کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۵۰ مطبوعہ مصر)

یزید کی عیاشی

(۴) وکان یزید صاحب طرب وجوارح وکلاب وقرود وفہود ومنادمة علی الشراب و غلب علی اصحاب یزید وعماله ما کان یفعله من الفسوق وفی ایامه ظهر الغنا بمکة والمدینة واستعملت الملاهی واظهر الناس شرب الشراب

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)

یزید بڑا عیاش تھا اور شکاری جانوروں، کتوں اور بندروں، چیتوں میں مصروف رہتا تھا۔ شراب کی مجلسیں آراستہ کرتا تھا اور جو فسق وفجور کی حرکتیں وہ خود کرتا تھا وہی اس کے اصحاب اور عاملوں میں بھی پھیل گئیں۔ اس کے عہد حکومت میں مکہ ومدینہ میں "غنا" رائج ہوئی اور آلات لہو ولعب استعمال کیے جانے لگے۔ اور ظاہر بظاہر لوگ شراب نوشی کرنے لگے۔

یزید فرعون سے بدتر تھا

(۵) ولما شمل الناس جور یزید وعماله وعمهم ظلمه وما ظهر من فسقه من قتله ابن بنت رسول الله وانصاره وما ظهر من شرب الخمور وسیرة سیرة فرعون بل کان فرعون اعدل منه فی رعیته وانصف منه لخاصته وعامته اخرج اهل المدینة عامله علیهم وهو عثمان اسا ئر بنی امیة

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۴۸)

جب یزید اور اس کے حکام کا ظلم وجور عام ہوگیا اور رسول اللہ کے نواسے کے قتل سے اس کا فسق پوری طرح ظاہر ہوچکا اور نیز شراب پینے سے اس کی اسلام نوازی کھل گئی اور یہ معلوم ہوگیا کہ اس کی سیرت فرعون کی سی سیرت ہے بلکہ وہ بھی اس سے زیادہ عدالت پسند تھا اپنی کل رعیت اور تمام خاص عام میں وہ اس سے زائد انصاف کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا تو اہل مدینہ نے (عثمان) کو جو اس کی طرف سے اُن پر حاکم تھا اور تمام بنی امیہ کو شہر سے نکال دیا۔

یزید کا حرمت مدینہ برباد کرنا

(۶) فسیر الیهم بالجیوش من اهل الشام علیهم مسلم بن عقبة المری الذی اخاف المدینة ونهبها وقتل اهلها وبایعه اهلها علی انهم عبید لیزید وسماها منتنة وقد سماها رسول الله طیبة وقال من اخاف اهل المدینة اخافه الله

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹)

اس پر یزید نے اہل مدینہ کی سرکوبی کے لیے

شامیوں کا لشکر بسر کردگی مسلم بن عقبہ کے روانہ کیا۔ مسلم نے اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کیا اور اُن سے یزید کے لیئے غلامی کی بیعت لی۔ رسول اللہ صلعم نے مدینہ کا نام (طیبہ) رکھا تھا۔ اس نے منتنہ نام رکھا۔ اس نے قسم قسم کے مظالم کو شہر طیب مدینہ پر جائز رکھا حالانکہ رسالتمآب صلعم فرماگئے تھے کہ جس نے اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کیا خدا اُس کو خوف زدہ کریگا۔

یزید نے کعبہ ڈھایا اور اُس میں آگ لگائی

(۷) وليزيد وغيره اخبار عجيبه ومثالب كثيرة من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وهدم البيت واحراقه وسفك الدماء والفسق والفجور وغير ذلك مما قد ورد فيه الوعيد باليأس من غفرانه كوروده فی من جحد توحيده وخالف رسله۔

(مروج الذہب جلد ۶ صہ ۱۵۲)

یزید اور اُس کے اعوان و انصار کے عجیب عجیب حالات ہیں ان کے مثالب، عیوب گناہ، بیشمار ہیں جیسے شراب پینا۔ فرزند رسول صلعم کو قتل کرنا وصی رسول صلعم پر لعنت کرنا۔ کعبہ کا منہدم کرنا۔ جلانا، اور مسلمانوں کا خون بہانا۔ فسق و فجور کرنا۔ ان امور کے علاوہ اس کے اور بہت سے گناہ ہیں جو قابلِ بخشش نہیں ہیں۔ اور جس طرح منکر توحید و منکر رسالت رسل و نبوت انبیا کو نجات سے مایوس ہونا چاہیئے اسی طرح یزید بن معاویہ کو بھی۔

دُنیائے سنیت اپنے امام مسعودی سے اچھی طرح واقف ہوگی ۳۴۶ھ میں ان کی وفات ہوئی جس کو ایک ہزار برس سے زائد ہوئے۔ مولوی شبلی نعمانی نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ اور انھیں معتبر مورخین میں شمار کیا ہے۔ ذرا یزیدیت مآب ان کے ارشادات کو ملاحظہ فرمائیں جو اُنھوں نے اُن کے حضرت یزید خلیفۃ اللہ کے متعلق فرمائے ہیں۔

کیا ان تمام (محاسن صفات) کے بعد بھی یہ کہے جانے کی گنجائش ہے کہ یزید ایک مسلمان ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ زبان جل جانے کے قابل ہے جو امام مسعودی اور معاویہ بن یزید کے ان زریں خیالات کی مخالفت کرے اور یزید کو مشرکین و ملحدین سے بدتر نہ سمجھے۔

مدینہ کا تباہ کرنے والا، لعنت کا مستحق ہے

(۸) من اخاف اهل المدينة ظلماً اخافه الله وعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين

(رواہ مسلم) (تاریخ الخلفاء مطبوعہ مصر صہ ۱۸۱ وصواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۴)۔

جس نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا اور قتل کی دھمکی دی اُسے خدا اپنے عذاب سے ڈرائیگا۔ اور اُس پر خدا کی لعنت ہو۔ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی

ان میں یہہ بھی لکھا ہے کہ یزید اس حدیث کا مصداق تھا:۔

اس تصریح کے بعد اس حدیث سے اس کا پوری طرح پتہ چل گیا کہ یزید خدا اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے اس کے بعد کیا میں دنیائے انصاف سے پوچھ سکتا ہوں کہ جب وہ اہلِ مدینہ جنھیں رسولؐ کی طرف محض معمولی سی نسبت حاصل تھی اُن کا یہہ احترام ہوگیا کہ اُنھیں صرف ڈرانے والا اس کا مستحق ہے کہ خدائے قہار اُسے اپنے عذاب کی دھمکیاں دے چہ جائے کہ اُنھیں قتل کرنے والا لیکن اب ذرا مجھے علامہ سیوطی اور صاحب صواعق محرقہ بتائیں کہ حسینؑ کیا اہلِ مدینہ سے بھی بدتر تھے ایک طرف ساکنان شہر مدینہ کا یہ اعزاز اور دوسری جانب نواسہ رسولؐ واجب القتل اور باغی سمجھا جائے اور اُس کا خون مباح کر دیا جائے اور اُس کے خلاف یزید کی حمایت میں اُسے پیغمبری کا مستحق سمجھا جائے (شرم شرم)

یزید کا اپنی ماں بہنوں کے ساتھ زنا کرنا۔

(۹) وکان ابن حنظلہ یقول یا قوم واللہ ماخرجنا علی یزید حتی خفنا ان ترمی الحجارۃ من السماء وانہ رجل ینکح البنات والامہات والاخوات ولیشرب الخمر ویدع الصلوۃ ولیقتل اولاد النبیین (تذکرۂ خواص الامہ قلمی صد ۲۴۵)

ابن حنظلہ کہتے تھے کہ اے قوم خدا کی قسم ہم نے یزید کے خلاف اُس وقت تک خروج نہیں کیا جبتک ہمیں اس کا ڈر نہ پیدا ہوا کہ اب آسمان سے پتھر برسیں گے اور یزید تو ایسا شخص ہے جو اپنی بیٹیوں ماں بہنوں کے ساتھ نکاح کرتا ہے۔ علی الاعلان بلا خوف شراب پیتا ہے۔ اور انبیا کی اولاد کو قتل کرتا ہے۔ اور نماز نہیں پڑھتا۔

اِن تمام احادیث کے علاوہ کچھ وہ پیش گوئیاں بھی ہیں جن میں بقول علما رسواد اعظم رسولؐ اللہ اس کی خبر دے گئے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے بعض درج ذیل ہیں :۔

(۱۰) عن ابی عبیدہ قال قال رسولؐ اللہ لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔

(تاریخ الخلفا صد ۸۱ صواعق محرقہ صد ۱۳۲)

ابو عبیدہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے امور برابر درست رہینگے یہاں تک کہ وہ پہلا شخص جو اُن میں رخنہ اندازی کرے گا وہ بنی امیہ میں سے ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

ان ہی دو کتابوں میں پھر ایک مقام پر ہے سمعت النبیؐ یقول اوّل من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید صد ۱۹

میں نے رسول کو کہتے ہوئے سُنا کہ پہلا وہ شخص جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ ہی کا ایک شخص ہوگا

جس کا نام یزید ہوگا۔

خیر اس حدیث سے یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ شریعت بنی اُمیہ ہی کے نونہال نے بدلی جو اُن کی نیک نامی کیلئے بہت کافی ہے۔

ان دو حدیثوں کے پیش کرنے کا مطلب یہ نہ خیال لیا جائے کہ ہم انھیں بالکل صحیح سمجھتے ہیں اور امامت کو اس وقت تک قائم بالقسط خیال کرتے ہیں۔ جبتک مظالم یزید کا ظہور نہوا تھا ہمارے نزدیک اس قسم کی حدیثیں کبھی صحیح مفاد پر روشنی نہیں ڈال سکتیں اور نہ رسالتمآب کی ذات کی طرف انھیں منسوب کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ہمارے مقاصد کا جہانتک ان سے تعلق ہے صرف اس حد تک ہے کہ جو قوم رسالتمآب کی طرف سے ایسے ایسے اقوال و ارشادات کو منسوب کرتی ہو اُسے یزید کی تعریف و ثنا خوانی کرتے ہوئے کیوں شرم نہیں آتی یا تو خود رسول سچے نہ تھے (العیاذ باللہ) اور یا وہ نام نہاد مسلمان رسولؐ کے اِس قول کی تکذیب کرکے دائرہ اسلام سے خارج ہوکر اولئك هم اصحاب النار کا مصداق صحیح بن گئے۔

(۱۱) مدینہ والوں کا ایک وفد یزید کے حالات معلوم کرنے گیا تھا اُس کا سردار ابن حنظلہ تھا جب ارکان وفد کی یزید سے ملاقات ہوئی تو اُس نے ابن حنظلہ اور منذر بن ربیع کو ایک ایک لاکھ درہم دیئے۔ ان دونوں کے علاوہ اور لوگوں کو بھی حسب حیثیت بہت کچھ دیا اسی وفد نے یزید کے متعلق اپنے چشم دید حالات بیان کئے جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

انا قدمنا هذا من عند رجل ليس له دين يشرب الخمر ويضرب بالطنابير ويعزف عنده القيان ويلعب بالكلاب ويسمر عنده الخراب وهم اللصوص وانا نشهد كم انا قد خلعناه

ہم ایک بیدین شخص کے پاس سے آئے ہیں جو شراب پیتا ہے طنبور بجاتا ہے اور اُس کے پاس گانے والے گاتے بجاتے ہیں کتوں سے کھیلتا ہے رات کو چوروں اور بدمعاشوں کی صحبت میں رہتا ہے ہم تم لوگوں کو گواہ کرتے ہیں کہ ہم نے اُسے اُتار دیا۔ اس کے بعد اہلِ مدینہ نے عبد اللہ بن حنظلہ کی بیعت کرکے اپنا امیر بنا لیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۹۱-۲۹۲ و تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۴)

(۱۲) منذر بن زبیر یزید کے پاس سے کوفہ چلا گیا۔ وہ اس کے بعد مدینہ پہونچ نہ سکا جب آیا تو کہا کہ یزید نے اگرچہ مجھے ایک لاکھ درہم دیے ہیں اور میرا بہت کچھ احترام کیا۔ لیکن میں حق کو چھپا نہیں سکتا۔ اس کے بعد اُس کا یہ قول ہے:۔

واللہ انه ليشرب الخمر واللہ انه ليسكر حتى يدع الصلوة۔

خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے اور خدا کی قسم وہ اس قدر نشہ میں مخمور رہتا ہے کہ نماز کا وقت گزر جاتا ہے۔

(کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۹۲)

یزید کے مشہور اشعار اور اُس کا کفر

(۱۳) قال سبط ابن جوزی وغیرہ المشہور

انہ لما جئی راس الحسینؑ جمع (یزید) اھل الشام وجعل ینکت الراس الشریف بالخیزران وینشد ابیات ابن زبعری

لیت اشیاخی ببدر شھدوا

الابیات المعروفہ وزاد فیھا بیتین مشتملین علی صریح الکفر

سبط ابن جوزی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب امام حسینؑ کا سر یزید کے پاس بھیجا گیا تو اُس نے تمام اہلِ شام کو جمع کیا اور سر مبارک کو بید سے اذیت دی۔ ابن زبعری کے وہ مشہور اشعار پڑھے جن کا پہلا مصرعہ یہ ہے:۔

کاش میرے وہ بزرگ ہوتے جو بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔

اُس کے بعد دو شعر اور پڑھے جو اُس کے صریحی کفر کُفر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ (بعض کتب میں بجائے خندف کے عتبہ لکھا ہوا ہے۔

(صواعق محرقہ صـ۱۳۱) اور وہ شعر یہ ہیں:۔

لست من خندف ان لم انتقم

من بنی احمد ما کان فعل

لعبت ھاشم بالملک فلا

خبر جاء ولا وحی نزل

(ینابیع المودۃ صـ۳۲۰ تاریخ طبری اعثم کوفی) میں خندف یا عتبہ سے نہیں اگر میں احمدؐ کی اولاد سے انتقام نہ لوں جو احمد نے میرے آباؤ اجداد کے ساتھ کیا تھا۔ بنی ہاشم ملک و دولت کے ساتھ کھیل کھیلتے تھے۔ نہ کوئی خبر آئی تھی نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔

یزید کی رسولؐ اور اولادِ رسولؐ سے دشمنی

(۱۴) قال ابن الجوزی فیما حکاہ عنہ

سبطہ لیس العجب من قتال ابن زیاد الحسینؑ وانما العجب من خذلان یزید وضربہ بالقضیب ثنایا الحسینؑ وحملہ ال الرسولؐ سبایا علی اقتاب الجمال وذکر اشیاء من قبیح ما اشتھر عنہ ثم قال وما کان مقصودہ الا الفضیحۃ ولو لم یکن فی قلبہ احقاد جاھلیۃ واضغان بدریہ لاحترم الراس الشریف المبارک واحسن الی ال الرسول (ینابیع المودۃ صـ۳۲۰)

علامہ ابن جوزی کا بیان ہے جیسا کہ اُن کے نواسہ نے نقل کیا ہے کہ ابن زیاد کا امام حسینؑ کو قتل کرنا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی۔ تعجب تو اس پر ہے کہ یزید نے حسینؑ کو ذلیل کیا اور آپ کے سرِ اطہر پر چھڑی ماری اولادِ رسولؐ کو قیدی بنا کر اونٹوں پر سوار کیا اور اُس کی بہت سی قبیح حرکتوں کا تذکرہ

کیا جو تمام زمانہ میں شہرت پا چکی ہیں اور اگر اس کے دل میں ایام جاہلیت کے بغض و عناد اور جنگ بدر کی دشمنیاں نہ ہوتیں تو وہ ضرور سبط نواسہ رسول کا احترام کرتا اور اولاد رسول کی عزت اور اُن کے ساتھ نیک برتاؤ۔

جناب علامہ ابن جوزی کے اس بیان سے پوری طرح ظاہر ہے کہ یزید کو رسالتمآبؐ اور آپ کی اولاد سے صرف اِس لیے دشمنی تھی کہ اُنھوں نے جنگ بدر وغیرہ میں اُس کے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا۔

کیا اس عالم جلیل کا یہ قول اِس کی شہادت دے رہا ہے کہ حسینؑ باغی تھے اس لیے یزید اُن کے قتل پر مجبور ہوا۔ کیا اِس سے حسینؑ کی جنگ کا سیاسی ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔ علامہ جوزی بچے نہ تھے جو بغیر سمجھے بوجھے کہہ بیٹھے لیکن در اصل علامۂ موصوف کی طرح ہر وہ شخص جو ذرا عقل سے کام سے وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ حسینؑ کس لیے جنگ پر مجبور ہوئے اور یزید کے دل میں کیا تھا۔ آنکھیں بند کرکے منہ کھول دینا تو ہر شخص کو آتا ہے۔

(۱۵) قال نوفل بن ابی فرات کنت عند عمر بن عبد العزیز فقال رجل امیر المومنین یزید فقال عمر تقول امیر المومنین ۱۲

نوفل بن ابی فرات سے حدیث ہے کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے یزید کے نام کے ساتھ امیر المومنین کہا تو اس پر عمر نے کہا کہ تو اُس کو امیر المومنین کہتا ہے اور

اُسے بیس تازیانے لگوائے۔

یزید سے امام احمد بن حنبل کی بیزاری

(۱۶) ان ابن الجوزی قال فی کتابہ المسمی بالرد علی المتعصب العنید المانع من لعن یزید سئلنی سائلٌ عن یزید بن معاویۃ فقلت یکفیہ ما بہ فقال الجوز لعنہ قلت قد اجازہ العلماء الوارعون منھم احمد بن حنبل فانہ ذکر فی حق یزید ما یزید علی اللعنۃ ثم روی ابن الجوزی عن القاضی ابی یعلی انہ روی فی کتابہ المعتمد فی الاصول باسنادہ الی صالح بن احمد بن حنبل قال قلت لابی ان قوما ینسبوننا الی تولی یزید فقال یا بنی ھل یتولی یزید احد یومن باللہ ولم لا یلعن من لعنہ اللہ تعالی فی کتابہ فقلت فی ای آیۃ قال فی قولہ تعالی وھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم و اعمی ابصارھم فھل یکون فساداً اعظم من القتل (ینابیع المودۃ صہ ۲۷۱)

الرد علی المتعصب العنید میں ابن جوزی نے تحریر کیا ہے کہ کسی نے اُن سے یزید بن معاویہ کے متعلق سوال کیا اس کے جواب میں اُنھوں نے کہا

کہ اُس کے لیئے جو کچھ ہے وہی کافی ہے۔ اُس نے پھر پوچھا کہ اُس پر لعنت کرنا جائز ہے تو اُنھوں نے کہا کہ اس کی تو بڑے بڑے متقی اور پرہیزگار عالموں نے اجازت دی ہے اُن میں سے ایک امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔ اُنھوں نے یزید کے متعلق لعنت سے زیادہ کہا ہے۔ اِس کے بعد ابن جوزی پھر کہتے ہیں کہ ابو یعلی نے اپنی کتاب المعتمد میں صالح بن احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ بہت سے لوگ ہماری طرف یزید کی محبت کو منسوب کرتے ہیں کیا یہہ صحیح ہوسکتا ہے۔ اس کے جواب میں اُنھوں نے کہا کہ اے فرزند کوئی مسلمان جو خدا پر ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت نہیں کرسکتا اور اُس شقی پر ضرور لعنت کرے گا۔ جس پر خدا نے قرآن میں لعنت کی ہے میں نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے جواب دیا کہ وہ آیت یہ ہے (ترجمہ) کیا تم بادشاہ ہوجاؤ گے تو زمین پر فساد پھیلاؤ گے اور قطع رحم کروگے۔ ایسے ہی لوگ تو ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور اُن کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے۔ مجھیں بتاؤ کوئی فساد قتل سے بڑھ کر ہوسکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے قرآن سے ثابت کردیا کہ یزید قابل لعنت ہے اور خدا کی بارگاہ میں شیطان کی طرح ملعون ہے اس کے بعد کیا کوئی مسلمان یزید کی مدح سرائی کرسکتا ہے یا اُس کے جہنمی ہونے سے انکار کریگا۔ جبکہ بقول امام احمد قرآن مجید کی صریحی نص اُس کے ملعون ہونے پر روشنی ڈال رہی ہے۔ لیکن اس کے بعد مجھے سخت تعجب ہے کہ ایسا شخص جس کے متعلق ایسے ایسے معتبر علماء اہلسنت لعنت کے فتوے دیں وہ کیونکر خلیفۃ اللہ ہوسکتا ہے اور اُس کے باوجود اجلہ علما نے اُسے کیوں زمرۂ خلفاء میں شمار کیا ہے جن میں سے علامہ جلال الدین سیوطی بھی ہیں حالانکہ وہ اس پر برملا لعنت کرچکے ہیں۔ چنانچہ اُس کی تحریر ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱۷) فقتل وجیئ براسہ فی طست حتی وضع بین یدی ابن زیاد لعن اللہ قاتلہ و ابن زیاد معہ ویزید ایضا۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۴ و ۱۴۵ مطبوعہ مجیدی پریس)

پس امام حسینؑ قتل کردیے گئے اور آپ کا سر ایک طشت میں ابن زیاد ملعون کے سامنے لایا گیا۔ خدا امام حسینؑ کے قاتل اور ابن زیاد اور یزید پر لعنت کرے۔

اِس تحریر کے بعد پھر بھی اُس کا نام خلفاء رسولؐ کی فہرست میں لکھا گیا ہے اور اُس کی حیثیت ایک اسلامی حکمراں کی سی سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ خود ہی اُسے کافر ملعون مشرک، ملحد بھی کہا جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مفتیان دین وعلماء مذہب و ائمۂ ہدیٰ کی تلون مزاجیاں کس عقل کے معیار پر منطبق ہوسکتی ہیں۔

قاتل امام حسینؑ کے کفر پر تمام مسلمانوں کا اجتماع

الامۃ اجتمعت والائمۃ اتفقت على الكفر واللعن قاتل الحسينؑ۔

(مناقب السادات ملک العلما، دولت آبادی)

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور کل آئمہ کا اتفاق ہے کہ امام حسینؑ کا قاتل کافر اور مستحق لعنت ہے اس کے بعد کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یزید کافر اور ملعون نہیں ہے۔

(۱۹) (شہادت حسین) صفحہ ۳۰۵ میں مولوی عبد الحی فرنگی محلی کا حسب ذیل فتویٰ نقل کیا گیا ہے

بعضے درشان یزید براہ افراط و موالات رفتہ میگویند کہ وے بعد از آنکہ باتفاق مسلماناں امیر شد اطاعتش برامام حسینؑ واجب شد و ندانستند کہ وے باوجود امام حسینؑ امیر شود باتفاق مسلماناں کے باشد باجماعتے از صحابہ واز اولاد صحابہ خارج از و بودند و برسخے کہ حلقہ اطاعت او بگردن انداختند چوں حال او از شرب خمر و ترک صلوٰۃ و زنا و استحلال محارم معائنہ کردند بہ مدینہ منورہ باز آمدند و خلع بیعت کردند و بعض گویند کہ وے امر بقتل امام حسینؑ نہ کردہ نہ بر اں راضی بود نہ بعد از اں بقتل امام حسینؑ و اہلبیت آنحضرت مستبشر شد۔

بعض لوگ یزید کی محبت کے نشہ میں یہ کہتے ہیں کہ جب وہ تمام مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ امیر تسلیم کر لیا گیا تھا تو امام حسینؑ پر بھی اُس کی اطاعت واجب ہو گئی تھی حالانکہ کہنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ نواسۂ رسول کی موجودگی میں وہ کیونکہ امیر ہو سکتا تھا مسلمانوں کا اتفاق و اجتماع کب اور کیونکر ہوتا ہی صحابہؓ اور اولاد صحابہ کی جماعتیں اُس کے خلاف تھیں اور جو لوگ اُس کی بیعت کر چکے تھے۔ جب اُنھیں اُس کی شراب خواری۔ تارک الصلاتی۔ زنا۔ استحلال۔ محارم (ماں بہنوں پر تصرف) وغیرہ کا علم ہوا تو وہ مدینہ منورہ میں آئے اور اُس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید نے قتل امام حسینؑ کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ اس فعل شنیع پر راضی تھا اور نہ اُس کے بعد قتل حسینی و اہانت اہلبیت پر استبشار،،

ایں سخن نیز باطل است چنانچہ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح عقائد النسفیہ۔

یہ بھی غلط ہے چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفیہ میں اس کے متعلق اس طرح تحریر کیا ہے:۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالك واھانتہ اھل البیت النبی مما تواتر معناہ۔

حق یہی ہے کہ یزید کی رضا نے حسین علیہ السلام کو قتل کرایا۔ اس کے بعد اُس کا مستبشر ہونا اور اہانت اہلبیت اُن واقعات میں سے ہیں جن کے وقوع پر تواتر ہو چکا ہے۔

بعضے دیگر گویند کہ قتل امام حسینؑ گناہ کبیرہ است نہ کفر۔ ولعنت مخصوص است بہ کفار۔

اسی طرح بعض کہتے ہیں کہ قتل حسینؑ گناہ کبیرہ ضرور ہے لیکن کفر نہیں ہے اور لعنت کفار کے ساتھ مخصوص ہے" اس لیے یزید لعنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

نازم بر فطانت ایشاں۔ ندانستند کہ کفر بکطرف خود ایذائے جناب رسول الثقلین چہ ثمرہ دارد

وقال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ الذین یوذون اللّٰہ و رسولہ لعنھم اللّٰہ فی الدنیا والاخرۃ

یہ بھی اُن کی کم عقلی کی دلیل ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ ایذائے رسولؐ بھی کوئی معمولی شئے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:"

کہ جو لوگ خدا اور رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں اُن پر دُنیا وآخرت میں خدا کی لعنت ہے۔

و بعضے گویند کہ خاتمۂ وے معلوم نیست شاید کہ وی بعد از ارتکاب کفر و معصیت توبہ کردہ باشد۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید کے آخری حالات تو معلوم نہیں ہو سکے ممکن ہے کہ اُس نے توبہ کرلی ہو اور اپنے اِس کفر و معصیت پہ درگاہ خدا میں شرمندہ ہوا ہو۔

امام غزالی کا خیال

وشل غزالی در احیاء العلوم بایں طرف است مخفی نہ باد کہ احتمال توبہ ورجوع از معاصی احتمالی است و الا آں بے سعادت آنچہ دریں اُمت کرد ہیچ کس نہ کردہ باشد۔

اس کے علاوہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ احتمال توبہ اور یہ کہ یزید نے شاید اپنے گناہوں کو محسوس کرکے خدا کی بارگاہ میں معافی مانگی ہو" اِس خیال کی ایک احتمال سے زیادہ وقعت نہیں ہے لیکن بہرحال جو کچھ اُس نے کرڈالا کسی نے نہ کیا تھا۔

مولوی عبدالحی صاحب کی اِس تحریر سے قریب قریب اُن خیالات پہ روشنی پڑتی ہے جو عام طور سے پھیلائے گئے ہیں اور اِسی قسم کی رکیک تاویلوں سے حسینؑ مظلوم کی عزاداری اور ہردلعزیزی کو مٹانے کی سعی لاحاصل کی جارہی ہے۔تصویر کا ایک رُخ تو یہ تھا جسے ناظرین کرام کے سامنے پیش کیا گیا۔

اس کے ذریعہ سے اس کا پوری طرح اندازہ ہوسکتا ہے کہ والی دمشق کا کیرکٹر کس حد تک تعلیم اسلام کا متحمل تھا اور کہاں تک اوس نے تہذیب اسلامی کو برباد کیا اور عام اسلامی دُنیا میں اوس کے متعلق کیسے کیسے خیالات قائم کئے گئے اور اُن تمام خیالات کی تنہا ذمہ دار کیا چیز تھی۔ اس کے ساتھ ہمیں نہایت مختصر الفاظ میں اس کا بھی ثبوت پیش کرنا ہے۔ کہ یزید کو حضرت یزید اور رحمۃ اللہ و خلیفۃ الرسولؐ اور امیر المومنین کہنے والے کون تھے اور عام نگاہوں میں اُن کی کیا پوزیشن تھی۔

اس کے متعلق سب سے پہلا قول ابوبکر عربی مالکی کا پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اپنے مخصوص الفاظ کے ساتھ اس کی پوری کوشش کرڈالی کہ ابن معاویہ پرسے الزام قتل ہٹ جائے لیکن مشکل تو یہ ہے ع

جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا۔

ابوبکر عربی کے وہ مشہور الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

ان الحسینؑ قتل بسیف جدہ

(امام) حسین (علیہ السلام) اپنے نانا کی تلوار سے شہید ہو۔

the new-born monarchy of the latter kingdom? The Judge, the living Creator was pleased to grant me an offspring, whom we called Ali Akbar, who has this day left us alone for ever. May I be offered for thee! While Ali Akbar my son was alive, I had indeed a sort of esteem and credit with thee, but now that my cypress, my newly-sprung-up cedar, is unjustly felled, I have fallen of from credit too, and must therefore shed tears."

"HUSAIN'—"Be it known unto thee, O thou violet of the flower-garden of modesty that thou art altogether mistaken. I swear by the holy enlightened dust of my mother Zahrah's grave, that thou art more honourable now than ever. I well remember the affectionate recommendations of Ali Akbar, our son, concerning thee. How much he was mindful of thee at the moment of his parting! How tenderly he cared for thee and spoke concerning thee to every one of his family."

UMMILAILAH"—'O gracious Lord, I adjure thee, by the merit of my son, Ali Akbar, never to lessen the shadow of Husain over my head. May no one ever be in my miserable condition, never be a desolate, homeless woman like me!"

"HUSAIN"—"O thou unfortunate Zainab, my sister, the hour of separation is come! The day of joy is gone for ever! the night of affliction has drawn near! Drooping withering sister, yet most blest in thy temper, I have a request from thee which I fear to make known."

"ZAINAB' – 'May I be a sacrifice for thy heart, thou moon-faced, glorious sun, there is nobody here, if thou hast a private matter to to disclose to thy sister."

"HUSAIN'—"Dear unfortunate sister, who art already severely vexed in heart, if I tell thee what my request is, what will be thy condition then? Though I cannot restrain myself from speaking, still I am in doubt as to wihch is better, to speak, or to forbear."

"UMMILAILAH"—(the mother of Ali Akbar)—The elegant stature of my Akbar fell on the ground; like a beautiful cypress tree it was forcibly felled! Alas for the memory of thy upright stature! alas, O my youthful son of handsome form and appearance! Alas my troubles at night-time for thee! How often did I watch thy bed, singing lullabies for thee until the morning! How sweet is the memory of those time! yea, how pleasant the very thought of those days! Alas! where art thou, dear child? O thou who art ever remembered by me, come and see thy mother's wretched condition, come!"

'HUSAIN'—(not knowing that it is Ummi Lailah who is crying)—"O Lord, why is this mournful voice so affecting? Methinks the owner of it, the bemoaning person, has a flame in her heart. It resembles the doleful tone of a lapwing whose wings are burnt! like as when a miraculous lapwing, the companion of Solomon the wise, the king of God's holy people received intelligence suddenly about the death of its royal guardian!"

"HUSAIN"—"Again I am put in mind of my dear son! O my heart, melted into blood; pour thy self forth! Dear son, whilst thou wast alive, I had some honour and respect, every body had some regard for me; but since thou art gone, I am altogether abandoned. Woe be to me! I am despised and rejected. Woe unto me!"

'HUSAIN'—(addressing Ummi Lailah)—Do not set fire to the harvest of my soul any further. Husain is, before God, greatly ashamed of his shortcomings towards thee. Come out from the tent, for it is the last meeting before we seperate from one another for ever; thy distress is an addition to the heavy burden of my grief.

"UMMILAILAH"—"I humbly state. O glory of all ages, that I did not expect from thy saintship that thou wouldst disregard thy handmaid in such a way. Thou dost show thy kind regard and favour to all except me. Dost thou not remember my sincere services done to thee? Am I not by birth a descendant of the glorious kings of Persia, brought as a captive to Arabia when the former Empire fell and gave place to

for the good services thou hast perfomed but I beg thy pardon for all inconsiderate actions on my part.'

"FIZZAH"—'May I be a sacrifice for thee, thou royal ruler of the capital of faith ! turn not my days black, like my face, thou benevolent master. Truly I have had many troubles on thy behalf. How many nights have I spent in watchfulness at thy cradle ! At one moment I would caress thee in my arms, at another I would fondle thee in my bosom I became prematurely old by my diligent services, O Husain ! Is it proper now that thou shouldst put round my poor neck the heavy chain of thy intolerable absence ? Is this, dear master, the reward of the services I have done thee ?"

"HUSAIN'—Though thy body, O heavenly mind, is now broken down by age and infirmity yet thou hast served us all the days of thy life with sincerety and love; thou must know, therefore, that thy diligence and vigilance will never be disregarded by us. Excuse me to-day, when I am offering my body and soul in the cause of God, and cannot help thee at all; but be sure I will fully pay the reward of thy services in the day of universal account."

"FIZZAH"—"Dost thou remember, good sir, how many troubles I have suffered with thee for the dear sake of Ali Akbar, the light of thine eyes ? Though I have not suckled him with my own breasts to be sure I laboured hard for him, till he reached the age of eighteen years and came here to Karbala. But, alas ! dear flourishing Ali Akbar has been this day cruelly killed-what a pity ! and I strove so much for his sake, yet all, as it were, in vain. Yea, what a sad loss !"

"HUSAIN"—"Speak not of my Ali Akbar any more. O heavenly maiden, nor set fire to the granary of my patience and make it aflame. *(Turning to his sister)* Poor distressed Zainab, have the goodness to be kind always to my mother's old maid, for she experienced many troubles in our family; she has laboured hard in nursing Ali Akbar my son."

next world. We rojoice in tributlations, seeing they are but temporary and yet they work out an enternal and blissful end. Though it is predestined that I should be mercilessly killed yet the treasury of everlasting happiness shall be at my disposal as a consequent reward. Thou must think of that, and be no longer sorry. The dust in the field of such battles is as highly esteemed by me, O sister, as the philosopher's stone was in former times, by the alchemists; and the soil of Karbala is the sure remedy of my inward pains."

"KULSUM"—"May I be sacrificed for thee ! Since this occurrence is thus inevitable, I pray thee tell thy poor sister Kulsum her duty after thy death. Tell me, where shall I go or in what direction set my face ? What am I to do ? and which of thy orphan children am I to caress most"

"HUSAIN"—Show thy utmost kindness good sister to Sukainah, my darling daughter, for the pain of being fatherless is most severely felt by children too much fondled by their parents, especially girls. I have regard to all my children, to be sure, but I love Sukainah most."

"FIZZAH"—(an old Female Slave of Hussain's mother) —Dignified master, I am sick and weary in heart at the bare idea of separation from thee. Have a kind regard to me, an old maid, much stricken with age ! Master, by the soul do I swear that I am altogether weary of life. I have grown old in thy service; pardon me, please for all the faults ever committed by me."

"HUSAIN"—Yes, thou hast served us, indeed for a very long time Thou hast shown much affection and love toward me and my children. O handmaid of my dear mother Fatimah; thou hast verily suffered much in our house, how often didst thou grind corn with thine own hand for my mother ! Thou hast also dandled Husain most caressingly in the arms. Thou art black-faced, that is true, but thou hast I opine a pure white heart, and art much esteemed by us. To-day I am about to leave thee, owing thee, at the same time, innumerable thanks

"HUSAIN' — 'O miserable creature, weep not now, nor be so very much upset; thou shalt cry plentifully hereafter owing to the wickedness of time. When the wicked Shimr shall sever my head from the body; when thou shalt, be made a captive and forced to ride on an unsaddled camel; when my body shall be trampled down by the enemy's horses, and trodden over; when my beloved Sukainah shall be cruelly slapped by Shimr my wicked murderer; when they shall lead thee away captive from Karbala to Sham; and when they shall make thee and others live there in a horrible, ruined place; yea, when thou shalt see all this, then thou mayest, and shalt verily, cry. But I admonish thee, sister, since this sad case has no remedy but patience, to resign the whole matter, submissively to the Lord, the God Maker of all !. Mourn not for my misfortune, but bear it patiently without giving occasion to the enemy to rejoice triumphantly on this account, or speak reproachfully concerning us."

"KULSUM"—"Thou struttest about gaily, O Husain, thou beloved of my heart. Look a little behind thee; see how Kulsum is sighing after thee with tearful eyes ! I am strewing pearls in the way, precious jewels from the sea of my eyes ! Let me put my head on the hoof of the winged steed, Zul Janah "

' HUSAIN''— 'Beloved sister kindle not a fire in my heart by so doing. Take away thy head from under the hoof of my steed. O thousand-noted nightingale, sing not such a sad-toned melody. I am going away, be thou the kind keeper of my helpless ones."

KULSUM '—"Behold what heavens have at length brought upon me ! what they have done also to my brother ! Him they have made to have parched lips through thirst, and me they have caused to melt into water, and gush out like tears from the eyes ! Harsh severity is mingled with tyrannous cruelty.'"

"HUSAIN'—Trials, afflictions and pains, the thicker they fall on man dear sister, the better do they prepare him for his journey to

quickly enough. Didst thou ever say thou hadst a Zainab in the tent? Is not this poor creature weeping and mourning for thee? „

"HUSAIN"—"Dear sister, thou rest of my disquieted, broken heart, smite on thy head and mourn thou thousand-noted nightingale. Today I shall be killed by the ignoble Shimr Today shall the rose be turned out of its delightful spot by the tyranny of the thistle; Dear sister, if any dust happen to settle on the rosy cheeks of my lovely daughter Sukainah, be pleased to wash it away most tenderly with the rose-water of thy tears? My daughter has been accustomed to sit always in the dear lap of her father whenever she wished to rest; for my sake, receive and caress her in thy bosom."

"ZAINAB"—"O thou intimate friend of this assembly of poor afflicted strangers, the flaming effect of thy speech has left no rest in my mind. Tell me, what have we done that thou shouldest so reward us? Who is the criminal among us for whose sake we must suffer thus? Take us back brother, to Madinah, the sacred monument of our noble grandfather; let us go home, and live like queens in our own country."

"HUSAIN"—"O my afflicted, distressed, tormented sister, would to God there were a way of escape for me! Not-withstanding they have cruelly cut down the cypress-like stature of my dear son Ali Akbar; not-with-standing Kasim my lovely nephew tinged himself with his own blood; still they are intent to kill me also. They do not allow me to go back from Irak, nor do they let me turn elsewhere. They will neither permit me to go to India, nor the Capital of China. I cannot set out for the territory of Abyssinia or take refuge in Zanzibar."

"ZAINAB"—Oh, how am I vexed in my mind, dear brother, on hearing these sad things! May I die, rather than listen to such affecting words any more! What shall we, an assembly of desolate widows and orphans, do after thou art gone? Oh, how can we live without our master?"

Enter soon among thy women, and with tears bid them a farewel; then come forth to war, and show us thy great fortitude.'"

'HUSAIN"—(talking to himself).-Although the accursed fellow Shimr, will put me to death in an hour's time, yet the reproachful language of the enemy seems to be worse than destruction itself. It is better that the foe should sever my head cruelly from the body than make me hear these impertinent words. What can I do ? I have no one left to help me, no Kasim to hold my stirrup for a minute when about to mount. All are gone ! Look around if thou canst find anyone to defend the descendant of Muhammad, the chosen of God-if thou canst see any ready to assist the holy family of God's Prophet ! In this land of trials there is no kind protector to have compassion on the household of the Apostle of God, and be friend them.

"ZAINAB"—May I be offered for the sad tones of thy voice dear brother ! Time has thrown on my head the black earth of sorrow. It has grieved me to the quick. Wait, brother, do not go till thy Kasim arrives. Have patience for a minute, my Ali Akbar is coming.

"Husain"—(looking around).-Is there one who wishes to please God, his maker ? Is there any willing to behave faithfully towards his real friends ? Is there a person ready to give up his life for our sake, to save us, to defend us in this dreadful struggle of Karbala ? "

"ZAINAB"—"O Lord, Zainab's brother has no one to assist or support him ! Occasions of his sorrows are innumerable, without anyone to sympathise with him in the least ! Sad and desolate, he is leaning on his spear ! He has bent his neck in a calamitous manner; he has no famous Ali Akbar, no renowned Abbas any more ! "

"HUSAIN"—Is there any one to pity our condition, to help us in this terrible conflict of Karbala" ? Is there a kind soul to give us a hand of assistance for God's sake ? "

"ZAINAB"—"Brave cavalier of Karbala, it is not fitting for thee to be so hurried. Go a little more slowly, troubles will come

than anything dear to it. Sacrifice for truth is a reward in itself. Religion understood in the proper sense of the word is a crusade for truth against falsehood. It should be the moto of our life to live and to die for truth. Truth may entail any sacrifice but we should be ever ready for it. Imam Husain should be the guiding star in our life from whom we can take inspiration and ameliorate ourselves fully well. Example is better than precept and it was through his martyrdom that Husain gave the example. Similarly we should try to be examples and ideals for fellow brethren as Husain was for humanity. Imbi-be the true spirit of Husain and see that wonders can be achieved.

The Al-Widaa of Imam Husain.

(By a Husaini from Zanzibar, E. Africa).

"HUSAIN"—I am sore distressed at the unkind treatment received at the hands of the cruel heavens. Pitiful tyranny is exercised towards me by a cruel, unbelieving army! All the sorrows and troubles of this world have overwhelmed me! I have become a butt for arrow of affliction and trouble. I am a holy bird stripped of its quills and feathers by the hand of the archer of tyranny and have become, O friends utterly disabled, and unable to fly to my sacred nest. They are going to kill me mercilessly, for no other crime or guilt except that I happen to be a prophet's grandson.

"SHIMR"—(challenging him)-O Husain, why dost thou not appear in the field? Why dost not thy majesty show thy face in battle? How long art thou going to sit still without displaying thy valour in war? Why dost thou not put on thy robe of martyrdom and come forth? If thou art indeed so magnanimous as not to fear death, if thou carest not about the whistling sounds of the arrows when let from the bow, mount thou, quickly thy swift horse named Zul Janah, and deliver thy soul from so many troubles. Yea, come to the field of battle, be it as it may.

order to get himself established on the throne demanded oath of allegiance from Husain. But how could Husain swear loyalty to one who was a pagan out and out He answered Yazid with a flat refusal.

And Yazid made up his mind to coerce Husain into Submission. But Husain was a man who could never be coerced. He was prepared to resist him at all costs. Yazid by a clever stratagem surrounded Husain with a huge army and asked him to do *bait* to him. But Husain who stood for principle, the principle of up holding the cause of Islam against paganism fought Yazid till his last breath flinching not for a moment from his purpose, and was at last killed in the thick of fight.

To a superficial observer it may appear that Husain lost the battle and consequently his mission was a failure. For these observers I have an emphatic 'no' in reply. On the other hand Husain succeeded in his mission by his material defeat. His defeat was in reality his success. Husain laid his life for a noble cause and thus attested truth over falsehood. In his material defeat lay the secret of his success which was in spirit and not in form. Truly has the late maulana Mohammad Ali of revered memory said:—

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ھے
اسلام زندہ ھوتا ھے ھر کربلا کے بعد

There are some critics who say that Husain's struggle with Yazid was political in nature and not religious. May I know the data on which these critics base their conclusion. Did no Husain know that Yazid was a man in power and could rally forces against him any moment. Did not he know the poor strength of his force could not Husain, in view of the heavy odds against him come to terms with Yazid if it was a political struggle.

Now let us see as to what lessons were given by the great martyrdom of Husain. This martyrdom to my mind has varied lessons for humanity. The supreme sacrifice done by the great Imam installs into humanity a feeling of considering the cause of Truth to be higher

a greater attention and admiration from humanity than has uptill now been paid to him by it.

Let us now briefly trace the history of Islam after the demise of the great prophet of Arabia till the accession of Yazid that finally brought about the assassination of Husain in an open conflict with Yazid on the historical plain of Karbala. We know that the rapid progress made by Islam during the life of Mohammad excited the jealousy of a section of the Arab population who were ever on the attempt to create dissention in the Muslim rank and thus retard the onward march of the great movement of Islam began by the Holy Prophet Muhammad (May peace of Allah be upon him and his children). To their utter disappointment they could not find the apportune moment when they could strike the nail during Mohammad's own life. But no sooner was Mohammad passed away from this world than they began hatching plots against Islam to sweep it out of existence from the surface of the earth. This appeard in the shape of Yazid's accession to the throne of Islam after the death of his father Mayavia. It is a well known historical fact that Islam ever stood for democracy pure and simple which knows no distinction of caste, colour or race. It was in keeping with this principle that accession to the Islamic caliphate was made a matter of election

None could assume the reigns of caliphate through succession but he could do so only through election by majority. But quite in opposition to this rule Yazid took up caliphate by force caring not a bit for the popular feeling on the matter. This was the first un-Islamic action of Yazid. Leaving aside the question of breaking the Islamic law Yazid stood no better as a man. His private life was as base as his public. As a man he led the life of Debauch indulging freely in wine and woman and such other things forbidden by Islam. And no wonder Islam would have been completely washed out from earth by the un-Islamic conduct of Yazid, had not Husain appeared on the scene and attested the principles of Islam which were being Violated by Yazid in the name of the so called Islam. Soon after his accession Yazid, in

The circumstances under which Husain was compelled to suffer this agony have been described above though inadequately. Husain in such awfully trying cricumstances exhibited an excellence of physical, moral and spiritual worth of unequalled degree and thus carved for himself a name on the highest pinnacle of martyrdom and is guiding even to-day all the lesser stars of sacrifice and martyrdom. Considering all these cirumstances there cannot be two opinions about the claims of the greatness of Husain's sacrifice.

A NATIONAL HERO.

(By Molvi Nasirul Haque, Siwan.)

THE commemoration of the memories of the eminent personages of the world is a matter of common occurance. Hundreds of anniversaries and memorial meetings are held almost every day through out the world and scenes of great enthusiasm are witnessed on these occasions. Even in our own country we find Gandhi day, Tilak day and Malavia day etc. being celebrated every year. We may now ask overselves as to what are the utilities of these observances and as to why so much money is being spent over them. The simple answer to this question is that the community or the country responsible for these celebrations has only one object in view and that object to my mind is the keeping alive of the lessons of morality and spirituality in this world In view of this fact I think the memory of Husain who occupies the most unrivalled position in the list of the great heroes of the world must be given a conspicuous place in our national observances, so that the great lessons taught by Husain the hero of Karbala should remain intact in this material ridden world, giving light to the dark humanity. It has been rightly said great men are the builders of civilisation and I think Husain's contribution to civilisation is far greater than that of any individual forming the galaxy of national heroes, and as such claims

by worldly motives of greed, wealth and lust of power.

"Indeed I will put an end to your (Husain's) life but I am sure that your father was the best of all beings who spoke after the death of the Prophet. I am beheading you to-day but I will suffer shame and remorse soon after. I understand very well that my destination is hell and hell only. Oh Husain I am shedding your blood and am not taking pity on the children of the Prophet."

This makes the position of Husain all the more clear. To kill one's father would be a most calumnous villainy imaginable. Husain, who looked upon the people of his grandfather as his own children, was put to death, with incomprehensible torture and his children and family were put to unimaginable agony by the same people, makes him the greatest martyr of the world. His anxiety to show the right path to his people was so great that the love of his children even did not stop him to sacrifice all that was dear and near to him only to save the tottering and dismembering fabrics of the faith of God. One is tempted again to repeat the words. "کارے کردی حسین کا ے کردی"

History is not poor in offering examples of people going on hunger strike as a measure of passive resistance and protest and the current Indian history is considerably rich in this respect. Husain also suffered from hunger and thirst for a period of three days only but every fair minded person will appreciate the difference of quality between the two kinds of hunger and thirst differing though apparently in length of time and duration. Things are though generally judged in this world on their face value but such kinds of judgments are wasted and decision, unless they take into account the intrinsic differences of merits and demerits, are sure to be shame and shallow.

Passive resistance exhibited by means of hunger strikes is though by no means trifling but the cricumstances in which it is undertaken is not unenviable and minus hunger strike most people will wish to experience it whole heartedly.

he deny it. The sacrifice of Husain, the grand-child of the chosen Prophet of God, was to resuscitate the mission of Muhammad (peace be on him), and so it had to be singular and unique in all respect and it is as the world knows it to be.

Husain's head when being carried to Damascus was pelted with stones and Guru Govind Singh also suffered the same fate when his was being carried to Delhi. The two instances look alike on the first sight but the difference is great. In the case of Guru Govind Singh the struggle was political and a common spectacle of the universal rule of nature, survival of the fittest, in the sphere of government and politics. The Sikhs have justification to regard him as a martyr for he fought for their cause. But what sympathy other than the one which a soft heart is ready to extend to all cases of sufferings can he command from others. His head was stoned by a woman who had lost her husband at the hands of Guru Govind Singh. The sacrifice of Jesus Christ under those considerations was more magnificent for he lost his life at the hands of his own people in his effort to show them the right path. Guru Govind Singh challenged the forces of Alamgir to wrest political power and not to teach him Gospel truth. He would have done the same what Aurangzeb did to him if his arms would have been victorious. If would have been certainly a matter of greater consequence if Guru Govind Singh should have suffered martyrdom at the hands of his own people while working for them in their own interest but if a Salahuddin kills a Richard it would not be a case of martyrdom commanding universal sympathy. If a Sikh would have killed the successor of the Guru only because he wanted them to follow the Gospel it would have been a case of real martyrdom. The antagonists of Husain at Karbala were neither Christians nor Jews. They claimed themselves to be the followers of Muhammad the grandfather of Husain and still they did what a human heart shou'd always be dispelled to do. It is a fact of history that the man who cut Husain's head, while running his dagger on his neck was uttering lines given below which show that his own conviction was against his own villainous act and he was prompted to his misdeed only

agony of death after receiving countless wounds on a body deprived by hunger and thirst of three days and nights, on the scorching sand on the hottest day of the year with the silvery Eupharates lapping and rippling yonder is certainly a suffering beyond human imagination. To die is easy, but to brace oneself to face death with mind full of ideas of the future of a family deprived of all its male members even of six months old babe except for a lean, pale sick man, specially when the future is clear like a scene on the screen—when one knows that the tender women and young children will be dragged on foot and compelled to traverse a distance of hundreds and hundreds of miles of burning sand with no shoes to protect soles, nothing to cover head and no protection from the blast of winds and the maddening heat of sun expcept meagre rags—when it is clear that the children of the Prophet, heavily chained, will have to suffer whipping, slapping and stone pelting nobody to console but instead the blood smeared head of their protector being carried on a spear to keep them reminded of the sufferings at Karbala—is a marvel of patience, fortitude and obedience to the will of God beyond ordinary human comprehension. Certainly Husain and Husain alone could have suffered in the way he did. He submitted with a smile on his lips and a splendour on his face to the dagger of calumny when the proud passion of the Hashemite blood was coursing through his veins and when a most deadly struggle could have been waged by him against the forces of Syria as the grand child of the Prophet (peace be on him) who had inherited all the Majesty and grandeur, both spiritual and secular, from him, had influence enough in the Islamic countries to command a host of millions under his banner (and it is not idle imagination as was shown later by the risings against the Ommeyads which ultimately led to their fall at the hands of the Abbassides who enlisted the support of the Persians on the pretext of avenging the death of Husain). Husain did so only because he was inspired with a sublime motive. He meant to sacrifice all that he could call his own and ideas of strategy and warcraft which led later claimants of the Caliphate to seek protection within the holy city of Karbala. He knew the critical condition of Islam that demanded his blood—rich, noble and pure—to gain back lost vitality and how could

Generally speaking all those deeds of piety and virtue which lessen the distance between God and human beings can be called acts of sacrifice but technically the term implies that impulse which inspires one to give up the dearest and nearest possession in the path of Almighty, the Most Beneficent and Merciful. To renounce wealth and affluence, to attain self-purification and to forsake all comforts of life are acts of magnificent sacrificial spirit. To undergo bodily torture and suffer agony for a right cause also commands admiration but when the question of life comes one meets the real test of his nobility of soul and sublimity of spirit which are the guiding forces of sacrifice. In the Holy Quran in a beautiful chapter known as Al-Kausar which means highest of good and prosperity there is promise of two things. The acquistion of all that is noble and good and the removal of all obstructions in the way of this acquistion. Really speaking these are the only objects of life. To attain the objects of life we ought to be guided by these principles according to the Holy Writ. First is deed of piety, second is refraining from evil and all that is forbidden and the third is sacrifice that is giving up everything we may love to possess *though we are justified to do so* but when higher ends demand our parting with them we ought to give them up. Thus the Holy Quran teaches that we cannot attain any good unless we are ready to part and do actually give up what we value in our possessions. "No one can deny the value of life we may be ready to give up every other thing if we could save life when it is in danger. In other words life is the thing we love to possess and Imam Husain gave the same."

In the history of religions we find that many sages and saints have cared little for their life when the question of defending their faith came and no alternative except sacrifice of life remained. We have cited many examples from Islamic history also of magnificent sacrifices. But sacrifice in circumstance of physical agony and mental torture of the most extreme type unparalleled in history for its callousness, deserves precedence of position and eminence of rank in all deeds of the kind. To die is easy, but to see one's darlings passing through

his own children and of those of his dead brother and cousins. the knowledge of the impending disaster to his women and children after his death hardly gave him a single minute's peace of mined. An ordinary mortal would have been sure to break down but Husain was different from other mortals and resoluteness of his purpose. the nobility of his cause and sublimity of his mission were reflected clearly and distinctly when the tragedy of his martyrdom was staged at Karbala. This tragedy proved itself unique in all respects. The hero and the villain both played their parts to their entire capacity and to its extreme flexibility. Husain distinguished himself as the greatest of all martyrs and Yezid showed himself to be the vilest of all villains.

As a matter of fact self-renunciation and sacrifice can be classified into two broad divisions: The first kind is concerned only with the life and circumstances of the individuals and the second kind goes beyond the ordinary tenure of one's life and is very far-reaching. Sacrifice is always inspired by higher motives. Nobility of soul and virtue of mind and thought give rise to ideas of sacrifice. All those actions of man in denial of self-comfort and in the interest of fellow mortals without any motive of self-interest or if we want to carry it even further to self-gratification inspired only and mainly by the idea of following the path of God which spontaneously lead to self-purification are called sacrifices. But all such acts of sacrifices belong to the first category and one is free to go to any extent with them keeping of course within the limit beyond which selftorture and danger of life begin. Any transgression beyond this line will amount to madness. Such acts of sacrifices can be performed by any body who has attained the refinement of soul and virtue of mind to some extent and is physically and mentally strong enough to meet his obligations and calls on his resources. But the sacrifices which belong to the second category are of the higher order. They require one to give up every thing in his possession inspired only with the motive of the service of humanity in the path of God and such acts of sacrifices can be performed only by those who get Divine inspiration and Divine guidance.

the sacrifice of Christ the splendour and glory of the martyr of Karbala who was the guiding light of all of them cannot be comprehended in its fullness. The sacrifice of Karbala is cerainly the pride of all the other sacrifices and martyrdoms of the world The man who irrigated the dying tree of Islam to fruition with his blood deserves the admiration expressed in the line.

کارے کردی حسین کارے کردی

The Unparalleled Sacrifice of Husain.

The tragedy of Karbala was not common spectacle of unjust and atrocious treatment of piety and virtue. It was more than that. The hot drops of blood which fell on the sandy stretch along the Euphrates were though instantly absorbed in the thirsty bosom of the desert but even there they did not forget the task with which they were entrusted and the fruition and fructification of the Hashimites' blood soon manifested itself in the rejuvination of Islam which was being choked to death by the tightening hands of the Ommaiyad paganism and the Yezidite heresy. In modern medical science anæmia or loss of blood is treated by injecting fresh and healthy corpuscules into the body. Husain did the same by his sacrifice at Karbala. He treated the anæmia of Islam by using his own blood as well as that of his friends and children. But when we consider the circumstances under which he had to face this task of infusing life into the dying body of the greatest spiritual system of the world we cannot but find our hearts overfilled with admiration at the nobility of the purpose and the extreme sublimity of the sacrifice. Husain was called upon to spare his life and blood at a time when little of it was left with him. Three days of forced hunger and thirst on the open and barren sand of Karbala during the hottest part of the year can be imagined better than described This physical torture was also combined with mental suffering. The news of the treachery of the Kufites and the torturous death of his envoy and cousin Muslim bin Aqil combined with the sufferings of

of Islamic history he will find that its whole fabric is studded with unparalleled gems of noble and self-less sacrifice and patience and fortitude as shown in all such cases is a matter of marvel for the human feelings. In view of the above mentioned fact one can easily say, if he is not adjudged of partiality, that the persecution and crucifixion of Jesus Christ appears insignificant in comparison to the persecutions and tortures practised on even ordinary sons of Islam to deter them from the path of truth and righteousness. The sacrifice of Husain at Karbala was a much greater achievement than that of the following but we must remember that the tragedy of Karbala infused other martyrs with a spirit to hold fast to the cause of truth and justice even in the face of the danger of losing everything dear to one's soul even life. In 242 A. H. Shaikh Abu Yusuf Yaqub bin Ishaq was put to death by Mutawakkil by pulling his tongue out with forceps. One can imagine what agony it involves. Crucifixion or scaffolding becomes a blessing when compared to such torture. Shaikh smilingly met his fate and held fast to his convictions about the righteousness of his cause. In another instance Shaikh Shumsuddin Abu Abdullah Muhammad another true son of Islam was put to death, in a most barbarous manner. He was at first beheaded then hanged, stoned and last of all burnt to ashes. The third instance was that of Qazi Nurullah of Shushter whose death is a hideous stain on the life and history of Jahangir. He fell a victim to a conspiracy of his antagonist Mullas in the Court of Agra and they out of spite for him persuaded Jahangir when he was tight to put an end to his noble life and also his righteous teachings. He was beaten to death by thorny whips Such torture can better be imagined than described In all those cases the martyr of Karbala shone as a guiding star and others received their inspirations of patience and fortitude from him which made them face the worst with a smile on their lips and light on their face.

Islamic history is full of similar tales of martyrdom and sacrifice while glancing over them one is apt to overlook and forget the crucifixion of Christ. When small stars like those mentioned above outshine

Pages of history tell us tales of torture and agony which drive us mad with shame and anger and it becomes difficult to restrain a soft heart from melting and a sympathetic eye from shedding tears. Human ingenuity in inventing singular methods of torture and agony is certainly awe-inspiring It is difficult to imagine innocent babes being put alive in a boiling cauldron of oil and thus fried only because their parents preferred to leave off their hereditary religion and embrace another which they considered right. In fact in comparison to this method of torture crucifixion seems a blessing.

The question who was the greatest martyr of the world remains still unanswered The next great religion is Islam and so far we have not explored pages of Islamic history. The very first page of Islamic history begins with tragic accounts of the persecutions the Holy Prophet Muhammad (peace be on him) had to suffer at the hands of the Meccans Then comes the short but tragic life of his only & only child Lady Fatima (peace be on her) and also the sufferings and the untimely and calculated martyrdom of Hazrat Ali (peace be on him, the first Imam and the fourth Caliph). Then comes the martyrdom of his son Hasan (peace be on him). But when we come into sight of the life of Husain, the third Imam we are struck by a new light and we find ourselves suddenly faced with the object of our inquiry. It is really impossible to single out any other person, starting from the early days of the world and finishing up to our own day, whose, courage and intrepidity, sufferings and sacrifices are the essence and soul of the history of martyrdom. The forlorn and forsaken hero of Karbala stands unparalleled in all respects of his heroism and martyrdom and the world has yet to produce somebody to beat his record which is not only highly improbable but impossible. These words may be scouted as the assertions of a devoted mind but in the following pages sufficient will be seen to dispel this belief. Religious belief as I have said before cannot convince people universally although it is capable of doing so locally and it is only plain logic and simple facts which go to root an idea in our minds.

If one is ready to take a little more trouble to go into the details

The sacrifice of Jesus Chirist is certainly beyond the shadow of fictions and is potent enough to stand scientific scrutiny. But the question is whether the crucifixion of Christ can be regarded as the greatest sacrifice in the history of mankind? The answer should be in the affirmative if no other instance parallel to it can be found on the pages of history. Before proceeding with historical scrutiny it is better to look upon this sacrifice with a dispassionate eye. Lord Christ was crucified and suffered great torture for no fault of his own and the fate he was compelled to meet was grossly callous and atrocious. His body was fixed and pinned to the wooden cross by driving nails through his flesh and bone.* These facts are certainly heart-rending and deserve denunciation in the strongest terms. But the consideration is why Christ was put to such pains. If his antagonists wanted to put an end to his noble life to spare their infamous actions and misdeeds from his disapproval and denunciation they could have done it in a less objectionable way without giving demonstration of the villainous tortures. Was it because they wanted to subject him to singular pain and suffering? It is really difficult to say what their real motive was but one thing which strikes us is that what we regard as highly inhuman and barbarous way of putting one to death was regarded as the only possible way of doing so at that time.† Those were not the days of eloctrucation and guillotine and the advanced notion of better treatment of convicts was quite out of sight. The pain and suffering to which Lord Christ was put was the same to which others were also subjected but they deserved punishment whereas Christ was guiltless and rather was incapable of any misdeed or even misdemeanour. In this respect only his sacrifice was certainly true and magnificent and deserves regret and sorrow as well as respect and reverence.

---

*The Holy Quran declares that Jesus Christ was neither crucified nor killed bust he was raised alive and therefore thes So called tortures have no meaning. Vide VI: 157 which runs thus:—"And their saying surely we have killed the Messiah Jesus son of Mary, the apostle of Allah, and they did not kill him nor did they crucify him, but the matter was made dubious to them" (Editor.)

† Ch. VI: 158 (the Holy Quran again declares:—"And they killed him not for certain But Allah raised him towards Him. And Allah is Mighty Wise" (Editor).

go wide apart and it becomes really difficult in many cases to make any successful attempt at reconciliation between the two ends. Thus an *autar* or *rishi* may be reigning supreme over the imaginations of a certain people due to his sublime piety and noble sacrifices but this cannot influence the mind and thought of those whose hearts do not reflect the image of spiritual magnificence of those *rishis* and *autars*, unless and until they can be convinced by plausible arguments and convincing reasons that they ought to pay homage to them in respect of their deeds of honour and acts of sacrifices. This is why history, inspite of all its sympathies with the anecdotes of self-sacrifice and noble virtue in the Ramayana and the Mahabharatha, has failed to support them as matters of historical truth although more than 20 million people of India are still ready to put their unswerving faith in their validity. In fact their importance and significance is local and not universal.

Of course there is ground to assert that the incidents mentioned in the Hindu Epics happened in an unhistorical age and in the absence of any authentic historical data it is difficult to appreciate their excellence but nevertheless they are true. But those who know even a little about the usefulness of the sciences of Archæology, Anthropology, Genealogy and Ethnology will hardly feel the weight of the claim mentioned as the above mentioned sciences which serve as handmaids to history are potent enough to dig out facts and cull out figures sufficient enough to stand the test of historical inquiry. The best historical research has gone no further than to discover that the Epics are but pieces of mythological fictions. Leaving this argument as closed we find that due to the want of dispassionate outlook and breadth of vision many instances of misguided sacrifices have also been applauded to the length of hoarseness although they deserve denouncement. In ancient Indian mythology we read that in many cases people in absence of provision slaughtered their sons to offer broth to their guests and those in need. How far this deserves serious consideration is plain and simple enough and one need not strain his mind and pen to comment upon such instances of misguided passion.

mind and understanding. Ask a Jain and he will put before you all those who have not failed at any moment to see that no living soul is tortured, even at the expense of their comforts and conveniences. Come to the Hindus of different schools of thought and they will all be able to satisfy your curiosity without the least inconvenience in the same way as the Buddhist and the Jain have done. Again, ask a Christian what instances he can give you of sacrifice and self-renunciation from the annals of his religion and he will tell you all about the life of Jesus Christ the saviour of humanity who passed through all imaginable tortures to atone for the sins of his people. He will certainly insist on you to believe that the sacrifice of Christ was the greatest offered in this world and in comparison to this all others pale down.

All of them are right in proclaiming their instances of sacrifice as the greatest in the history of the world within their own limits and according to their own vision. Certainly those instances were magnificent and a human being with the least bit of soft-heartedness will hardly fail to appreciate those deeds of self-renunciation and sacrifice and their example will ever illumine the dreary gloominess of human callousness in the pages of history. But at the same time we cannot shut our eyes to the fact that much of what we find in the pages of religious scriptures cannot stand the scrutiny of historical inquiry as a greater part of those instances of noble life have been meant to satisfy our common religious beliefs and in order to arrive at conclusion about the real magnificence and sublimity of those examples of life we will have to judge all of them one by one according to the standard of truth, justice and piety. This will, instead of reducing their spiritual splendour add to it just as a piece of gold shines true after being put to heat.

In fact belief is also a psychological phenomenon and it demands causes for its existence but in most cases causes are not percentible at first sight and lead to differences according to the differences of vision and outlook of different people on the subject. Generally speaking belief and reason though not entirely incapable of compromise, in many cases,

in such a way as to leave no stain of doubt that the lives which they present as instances of sublime sacrifice are really more sublime such as to defy the capacity of human mind to express them and no other similar instances can near them in point of comparison.

A study of the evolution of religions will lead us to a detailed list of thoughts and beliefs together with those principles of piety which are essence of their teachings and then by steps we will come face to face to the noble achievements and sublime actions of the leaders of religion It does not require a second thought to understand that teachings as long as they are cloaked in words only and are unsupported by action are mere dead letters. Such assertions and claims unsupported by arguments and reasonings fall merely on deaf ears so do the teachings of a creed if they are not demonstrated in terms of action. For a reformer of life and guide of soul the best weapon is his own character. A creed cannot hope to thrive unless its teachings are exhibited in the actions of its protagonists. Piety and self-purification in deed and thought are the back-bones of all spiritual systems. Indeed it is not a flourish of imagination but hard real fact which leads humanity to its highest pinnacle and invests the word (humanity) with meaning. The history of the world is full of chapters giving accounts of the rise development and decline of religions many of them have long been burried in the pages of history and are known only to those who take the trouble to cull facts out of those pages, while others are still strong in the minds of the people and are directing their courses of life by their influences. But the one thing common to all of them is the demonstration of the principle mentioned above in their separate histories *i. e.* words of piety combined with deeds of sacrifice.

Question a Buddhist about instances of men and women who have sacrificed their lives in the interest of humanity and he will point to you a long list of names crowned with that of Lord Buddha who had really tried to give up every-thing that they owned in the best interest of their people though of course subject to the limitation of their own

THE

ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

Vol. 3. | JAN & FEBRUARY, 1940. | Nos. 11 & 12

THE MARTYR OF KARBALA

* بسم الله الرحمن الرحيم *

(With the name of God, the Merciful and Compassionate.)

THE world after its creation has had to witness countless spectacles of victimization and sacrifice and the history of the world offers quite an exhaustive catalogue of cases of self-renunciation and sacrifice engendered by sublime ideas and noble thoughts. From the time when the world was young till recently religion and spiritualism had a fascinating hold on the imagination of the people and all the noble manifestations of human thought and action were inspired by motives, religious and spiritual. In fact sacrifice, self-renunciation, self-purification and all such sublime demonstrations of human mind and action are intertwined with soul and its conditions and religion in general caters for the requirements of the soul. This retrospective glance on the history of religions offers to our imagination bright spots of human sublimity here and there in the over clouding gloom of human degradations. Religions, great and small and Nations powerful and powerless have ever been occupied in proclaiming deeds of sacrifice and nobility in their history and all of them have tried to perform the task

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 3. Jan & February, 1940. Nos. 11 & 12

S. No.	*SPECIAL FEATURES.*	*Page No.*

Regd. No. A. 30[illegible]6.

THE
ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 3. JAN & FEBRUARY. 1940 Nos. 11 & 12.

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA Rs. 4/- SINGLE COPY (INDIA) -/7/-

FOREIGN Rs. 6/- .... FOREIGN -/9/-

HONORARY EDITOR -
[illegible] S. E. A. SHAH NAQVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALI ASHRAF
[illegible] STREET BUDAUN

[illegible]

رجسٹرڈ نمبر ای ۳۰۸۹
زیر عنایت اعلیٰحضرت ظل اللہ حضور پرنور سرکار سلطان المسلمین شہریار دکن برار خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ
شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
حضرت
خواجۂ خواجگان سجزی اجمیری علیہ الرحمۃ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین
اسلامی دنیا
کا
حسین نمبر
بابت
مارچ و اپریل سنہ ۱۹۳۹ء
زیر سرپرستی
حضرت قمر الواعظین مولانا محمد ذوالفقار علی حیدری
مدظلہ العالی
مینیجر و پبلشر
علی غضنفر۔ قاضی محلہ بدایوں
مدیر
ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ
نقوی

حضرت قمر الواعظین مدظلہ العالی کے افادات عالیہ میں سے

چند نایاب چیزیں

موجود ہیں

شائقین حضرات جلد توجہ فرمائیں

۱- **لیکچر انگریزی** "**اسلام مذہب عالم ہے**" یہ لاجواب لیکچر ہے جو حضرت قمر الواعظین مدظلہ العالی نے مذاہب عالم کی کانفرنس منعقدہ ناگپور میں سنہ ۱۹۳۶ء میں بیان فرمایا تھا اور جس کے بعد بانیان جلسہ کو تسلیم کرنا پڑا کہ کوئی مقرر اپنے مذہب کو اس خوبی کے ساتھ پیش نہ کرسکا۔ صرف تھوڑی سی جلدیں باقی ہیں۔ ہدیہ صرف ۲/

۱- **ایضاً اردو**۔ مندرجہ بالا کا اردو ترجمہ قریب الختم ہے اگر کافی تعداد میں خواہش کی گئی تو بہت جلد طبع ہوسکے گا۔ قیمت ۲/

۲- **دشمنان حق** (انگریزی) مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے بعض مغالطات کا تحقیقی جواب کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دلائل ناقابل انکار ہیں۔ ہدیہ ۴/

۳- **شہید کربلا کی کہانی ایک بوڑھی عورت کی زبانی** بزبان انگریزی۔ انگریزی داں بچوں کے واسطے بالخصوص اور معمولی استعداد والے حضرات کے واسطے بالعموم مفید ہے۔ بے حد موثر طریقہ پر واقعہ کربلا کو لکھا گیا ہے۔ ہدیہ ۸/

۴- **شیعہ وسنی کو مفید مشورہ** (انگریزی) لفظ شیعہ کی کامل تحقیق اور طالبان حق کے واسطے بہترین مشورہ ہے۔ ہدیہ ۲/

۵- **شہید کربلا کی کہانی** کا اردو ترجمہ زیر طبع ہے عنقریب حاضر کیا جاسکتا ہے۔ ہدیہ ۴/

منیجر اسلامی دنیا قاضی محلہ بدایوں سے طلب فرمائیے۔

نوٹ:- ایک روپے سے کم کی فرمائش کی تعمیل نہ ہوگی ۲؍ کے ٹکٹ آنے پر پیکٹ پارسل روانہ ہوسکے گا۔

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں محمد حبیب اللہ پرنٹر

چندہ سالانہ
للعہ

بیرون ہند سے
ے ۱

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

اسلامی دنیا

کا حسین نمبر

زیر ادارت
حضرت قمر الواعظین لسان الملۃ
ناصر الشریعۃ مولنا مولوی
محمد لقاء علی حیدری مدظلہ العالی

مدیر مسئول
حکیم و ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ نقوی
ایچ ایم بی ایس ایچ
ایل ڈی۔ آر۔ ای۔ ایم
ریڈیو پی لکھنؤ

نمبر ۱ و ۲

فہرست مضامین بابتہ ماہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۳۶ء

شہنشاہ اقلیم فصاحت و بلاغت اعلیٰ حضرت حضور نظام کا

"شاہانہ کلام"

مسلمانان عالم کے محبوب ترین بادشاہ سلطان العلوم سلطان المسلمین کا کلام بلاغت نظام بہترین درس عقیدت دینے والا ہے۔

(خاکسار حمیدی)

سلام بحضور فیض گنجور لامع النور علیہ صلوٰۃ والسلام

(مطلع) قدسی آئے ہیں عجب بادۂ احمر لیکر | اپنے دامن میں گل و نکہت عنبر لیکر
کیا کریں ہائے وہ۔ کہتی ہے یہی بادِ صبا | شانِ گلزار کو شمشاد و صنوبر لیکر
خضر سے پوچھیے اس آبِ بقا کی قیمت | کہتا ہے جام پہ صہبائے معطر لیکر
جانِ عظمت کو کسی کی تو ذرا شمر لعین | پھینک دے خاک پہ تو میان سے خنجر لیکر
تخت اور تاج سے پوچھو تو گواہی دینگے | کس کا رتبہ ہو عیاں کرسی برتر لیکر
سورۂ کہف پڑھا سر نے جب ہی نیزے پہ | شانِ مصحف تھی نمایاں رخِ اطہر لیکر

(مقطع) قطرۂ خونِ حسینی پہ تصدق عثماں
کیا تقابل میں کروں خون کبوتر لیکر

رائے استاد جلیل) سبحان اللہ کیا کہنا اس سلام کا

"سلام بہ حضور امام انس و جاں علیہ تحیات والسلام"

(مطلع) در چمن آہ۔ نغمہ خوانی نیست | جام صہبائے ارغوانی نیست
تا نباشد غم حسین بہ دل | کار ہرگز بہ جانستانی نیست
ہر شہیدے کہ رفت۔ گفت بشنو | بہر ماندن کہ دارِ فانی نیست
کار بسیار لازم است نخست | ہر کلامے پُر از معانی نیست
(مقطع) پُرسس ایں ماز از نبی عثمان | نقشِ اکبر ز کلکِ ثانی نیست

سلام بہ حضور امام عالی مقام علیہ صلوٰۃ والسلام

(مطلع) من چہ گویم بہر گل جامہ دریدن مشکل است ۔ نور چمن بنگر شمیمے ہم وزیدن مشکل است
طاقت پرواز بلبل رفت بر دوش صبا ۔ از قفس بشکستہ پر راہے پریدن مشکل است
ایں زمانہ نیست بنگر آنکہ ما عشرت کنیم ۔ گفت ساقی بادہ را حاشا خریدن مشکل است
سوزنے بخیہ کند جائیکہ دست او رسد ۔ بہر مقراضے بنگر دامن بریدن مشکل است
ایں چہ آفت ہست برپا در لباس شب نگر ۔ گفت عاشورہ کنوں صبحے دمیدن مشکل است
ایں چہ غوغا ہست غنچہ گفت سر کردہ فرو ۔ نوحہ بلبل بگوش گل شنیدن مشکل است

(مقطع) کار ہر کس نیست ایں کو حاملش چاہے بود
ادعا عثماں وار تا آنجا رسیدن مشکل است

رائے استاد جلیل) سبحان اللہ کیا کیا سلام ہو رہے ہیں کہ جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

رائے حسن نظامی) چونکہ یہ سلام دل سے نکلے ہیں اس لیے ہر شیعہ سنی کے دل پر اثر کرتے ہیں اور تمام ہندوستان میں گھر گھر پڑھے جاتے ہیں۔

سلام بہ حضور امام ذوالاحتشام علیہ صلوٰۃ والسلام

(مطلع) دیکھ کر نقش دغا رنگ قضا نے بدلا ۔ چولا دامن سے جدا ہو کے جفا نے بدلا
نبض کہتی ہے سنو خاک اچھالے منہ پر ۔ تاکہ مر جائیں لعیں رنگ دوا نے بدلا
سانس لیتی ہوئی کہتی ہے یہ بلبل سن لو ۔ ماتمی جامہ نیا آج قبا نے بدلا
پوچھو احوال نہ مفرور سیہ کاروں کا ۔ پینترا جبکہ بن شیر خدا نے بدلا
اپنی رنگت کو تہہ تیغ بھی کرکے پانی ۔ دیکھ کر خون شہیداں کو حنا نے بدلا
التجا سنکے مریضوں کی سراپا تصویر ۔ نسخہ بے دیکھے کہوں کیا جو شفا نے بدلا

(مقطع) گل ہوئے چاک گریباں جو عزا میں عثماں
غنچے مرجھائے، چلن باد صبا نے بدلا

رائے استاد جلیل) سبحان اللہ کیا سلام ہوا ہے۔

سلام بہ حضور امام عالی مقام علیہ تحیات والسلام

(مطلع) ایں چہ نوحہ تو نگر بلبل نالاں کردہ ۔ سینہ کوبی تو نگر سنبل پیچاں کردہ

عندلیبے چو فغاں کرد بہ اطرافِ چمن | ماتمے سبزہ کہ در خواب پریشاں کردہ
دیدہ خونے کہ ز اجسامِ شہیداں جاری | خونِ خود آہ جگر لعلِ بدخشاں کردہ
غنچہ و لالہ و گل کردہ چہ تبدیلِ لباس | مجلسِ آہ و بکا رنگ خیاباں کردہ
اشک ریزی چہ شدہ۔ آہ بہ یومِ عاشور | سامرہ نیز نجف ملک خراساں کردہ
دیدہ گریہ کہ بپا کرد تلاطم۔ بہ صدف | کارِ غلطیدن بہم دُر غلطاں کردہ

(مقطع) قلبِ عثمان و جگر گشتہ مثالِ ریزہ
ماتمے بسکہ پئے شاہ شہیداں کردہ

رائے استاد جلیل} سبحان اللہ کیا کیا مضامین عالیہ بیان ہوئے ہیں

سلام بہ حضور لامع النور فیض گنجور علیہ صلوٰۃ والسلام

(مطلع) مپرس حالِ بلا۔ شرحِ ماجرا ستم است | کہ ہر چہ رفت نگر یاد ماحیٔ ستم است
زبانِ غنچہ چہ گوید شنو بگوش نیوش | برائے بلبلِ ایں شیون و بکا ستم است
ہمہ عنادل گلشن دریدہ جامۂ خویش | برائے سنبل و گل آمدِ صبا ستم است
سفینہ غرق شدہ موجِ آب را دیدہ | عبور کردنِ ایں بحر ناخدا ستم است
بگو تو پیشِ مسیحا کہ بے نیاز تو ایم | برائے صحتِ ما بین کہ ایں دوا ستم است
کنیم ضبط نہ تا بر جفا و ظلم نخشت | برائے بودنِ ما بندۂ خدا ستم است

(مقطع) ہر آں کہ قطرۂ خوں می چکید ز جسمِ شہید
برائے دست کہ عثمان ہم ایں حنا ستم است

رائے استاد جلیل} سبحان اللہ کس مشکل زمین میں سلام ہوا ہے۔

سرپرست رسالہ اسلامی دنیا:۔ شاہان اسلام میں بعض ایسی ہستیاں بھی نظر آتی ہیں جنھوں نے با وفات مختلفہ اہلبیت کرام علیہم السلام کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے لیکن ہم بلا مبالغہ عرض کرتے ہیں کہ اعلحضرت سرکار سلطان العلوم شہریار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اس بارہ میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔
حضور پرنور کا کلام دلی عقیدت کا آئینہ ہے اور مسلمانان عالم کے واسطے بہترین سبق آموز ہے

خاکسار حیدری

شذرات

"اسلامی دنیا" کا تیسرا دور شروع ہو رہا ہے۔ گزشتہ دو سال کے عرصہ میں ہمارے قارئین کرام کو رسالہ کے وقت پر شایع ہونے سے جو شکایتیں پیدا ہوئی تھیں وہ سب بجا اور درست تھیں اور ہم بار بار معذرت کر کے اپنی کمزوری کو زیادہ کرنا نہیں چاہتے اس رسالہ کا اجرا کسی شخصی و انفرادی غرض کے پورا کرنے کے واسطے ہرگز نہیں ہوا ہے۔ یہ صرف اس مقصد کو لے کر میدان میں آیا ہے کہ دنیا کو محبت اہلبیت رسالتمآب کی دعوت دے کر اُن کی پیروی پر آمادہ کر دے۔ خدا کا شکر ہے کہ باوجود موانع بسیار پھر بھی رسالہ اپنی صوری و معنوی حیثیت سے کسی طرح کم توجہی کے قابل ثابت نہ ہوا اور ہم کو اس بات کے ظاہر کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ دو سال کے عرصہ میں جن حضرات نے رسالہ کی خریداری سے انکار کر دیا اُن کی تعداد ایک فی صدی بھی نہیں ہے برخلاف اس کے "حسین مظلوم" کے فدائی اس رسالہ کی مدد کے لیئے اس طرح آمادہ نظر آتے ہیں کہ اگر اُن کی تعداد کے لیئے میں یہ آیت پڑھوں "یدخلون فی دین اللہ افواجاً" تو بیجا نہ ہو گا۔ کربلا کے میدان میں بظاہر حسین عصر کے وقت بے یار و ناصر رہ گئے تھے لیکن جن لوگوں کو اس بزرگوار نے آخر وقت بھی فراموش نہیں کیا تھا وہ انشاء اللہ قیامت تک حسین کو نہ بھولینگے اور اسی اُمید پر مرینگے کہ جوانان جنت کے سرداروں کے غلاموں میں محشور ہونگے آج ہم پھر "اسلامی دنیا" کا دوسرا "حسین نمبر" پیش کر رہے ہیں۔ خدا کرے جناب سیدہ نساء عالمیان اس کو منظور فرما لیں پھر تو خدا و رسول اور ائمہ ہدیٰ کی منظوری انشاء اللہ حاصل ہو گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ جیسا نمبر دل چاہتا تھا ویسا تیار نہ ہو سکا جس کی تلافی انشاء اللہ بشرط حیات مستعار سال آئندہ کی جائے گی لیکن اُمید ہے کہ قارئین کرام بڑی حد تک پسند فرمائینگے۔　　ناچیز "مدیر"

جمعیتہ الاحرار نے ہمارے صوبہ میں جس طرح امن عامہ کو خطرہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے شیعہ سنی ہر دو فریق آپس میں مل جل کر زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ان نام نہاد مسلمانوں کو یہ اتفاق پسند نہ آیا اور "قضیہ مدح صحابہ" کا شاہ محمد صاحب کے ٹیلہ سے سلسلہ شروع کیا۔ سال بھر سے زیادہ کی مسلسل کوشش کے بعد دو ڈھائی ہزار کرایہ کے آدمی جیل بھیجے گئے اور حکومت کو اس غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا کہ مدح صحابہ ایجی ٹیشن آل انڈیا حیثیت رکھتا ہے۔ اگر جانچ کی جائے تو دو فی صد مسلم آبادی بھی اس کی تائید میں نہ ملے گی۔ ہندوستان بھر کے سنی علما نے جو محب اہل بیت ہیں اس ایجی ٹیشن کے خلاف آواز بلند کی اور کر رہے ہیں لیکن احراری وہی مرغی کی ایک ٹانگ کی رٹ لگا رہے ہیں۔ شیعیان لکھنؤ نے تنگ آ کر بجائے اُمید عمل کرنے کے بجائے "جواب ترکی بہ ترکی" پر عمل شروع کیا اور برقی رو کی طرح سارے ہندوستان کو "تبرا ایجی ٹیشن" سے متاثر کر دیا ابھی وقت ہے کہ امن عامہ کے خواہشمند اس فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش فرمائیں ورنہ بعد کو کف افسوس ملنا ہو گا دو بھائیوں کو جدا کرنا ضد اور نفرت کے جذبات پیدا کرانا کہاں کی انسانیت ہے۔ ہم اس مسئلہ پر بعد کو روشنی ڈالیں گے ابھی ہم کو اُمید ہے کہ انشاء اللہ مسلکدہ فضا جلد خوشگوار صورت پیدا کرلے گی اور دشمنانِ اہلبیت اپنے کیفر کردار کو پہونچیں گے۔ (نائب مدیر)

نور العین فی شہداء الحسین

(جناب سرپرست مدظلہ العالی سلسلہ جلد ۹ سے)

حضرت نے گریہ فرمایا اور فرمانے لگے اے بیٹے تمہارے چچا پر یہ بہت گراں ہے کہ تم اس سے مدد مانگو اور تمہاری کوئی مدد نہ کرسکے (یہ کہکر) لاشہ کو اٹھایا اور دیگر شہدا میں لاکر رکھدیا اب جو قاسم نے دیکھا کہنے لگے بھیا مجھ پر تمہاری جدائی سخت گراں ہے (اب میں بھی تمہارے پاس آرہا ہوں) یہ کہتے ہوئے نکلے کہ بھائی کے بعد زندگی کیسی اب جینے کا کوئی لطف نہیں اور اس وقت قاسم ۱۹ سال کے جوان تھے پھر یہ اشعار بطور رجز پڑھے سے

(۱) مختار و برگزیدہ خاندان کی وہ تلوار تمہارے پاس آرہی ہے کہ جس کے خوف و ہول سے شیر خوار بچے بڑھے ہو جاتے ہیں

(۲) اے گروہ کفار (اگر کچھ دم ہے تو آگے) بڑھو (اور یہ یاد رکھو کہ) نیست و نابود کر دینے والی تلوار تمہارے سامنے ہے۔

پھر اشقیا پر ایک زبروست حملہ کیا اور برابر جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آٹھ سو جوانوں کو قتل کیا پھر امام حسین علیہ السلام کی طرف لوٹ کر واپس آئے مگر حالت یہ تھی کہ مارے پیاس کے آنکھیں اندر دھس گئی تھیں اور پکار پکار کہہ رہے تھے کہ بس کسی صورت سے ایک گھونٹ پانی کی مدد کر دیجئے تاکہ میں دشمنوں کے مقابلہ کے لئے قوی ہو جاؤں امام نے فرمایا بیٹا ذرا دیر اور صبر کرو تاکہ اپنے جد بزرگوار محمد مصطفٰے کے پاس پہونچ جاؤ اور وہ تم کو اپنے کاسہ سے اس طرح سیراب کر دیں کہ اسکے بعد کبھی تم کو پیاس نہ لگے۔

(یہ سنکر) وہ واپس ہوئے اور پھر ایک حملہ کیا اور بیس جوان اور قتل کر دیئے اور پھر خود درجہ شہادت پر فائز ہوئے پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے قاسم کے گرداگرد حملہ کرکے چارسو آدمیوں کو قتل کیا اور پھر شہید کو اٹھاکر لاشہ ہائے شہدا میں لا رکھا۔ پھر علی بن الحسین (علی اکبر) نکلے اور اجازت طلب کی چنانچہ آپ نے اجازت دی پھر چہرہ علی اکبر پر نظر ڈالی اور باران اشک برسنے لگا اور فرمایا خداوندا میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ اس وقت وہ شخص ان اشقیا کی طرف چلا ہے جو تیرے رسول سے خلق و خلقا میں ہر طرح بہت مشابہ ہے چنانچہ علی اکبر نے یہ اشعار پڑھتے ہوئے زبردست حملہ کیا۔

(۱) میں علی بن الحسین ہوں اور میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ہم رسول اللہ کی اولاد ہیں۔

(۲) میں ایک (بہادر) جوان کی طرح نیزہ و شمشیر سے حملہ کرکے اپنے باپ کی حمایت کرونگا۔

(۳) یثرب کے رہنے والے ہاشم کے گھرانے عربی النسل خاندان ہاشم کے چشم و چراغ جوان کی ایسی تلوار چلاؤنگا (اور وہ جنگ کرونگا جو میرے بزرگوں کا نقشہ دکھادے گی)

پھر اشقیا پر ایک زبردست حملہ کیا اور پانسو سواروں کو قتل کیا پھر باپ کے پاس پلٹ کر آئے مگر حالت یہ تھی کہ مارے پیاس کے آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے تھے غرض کہ

بابا جان پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے حضرت سن کر رونے لگے اور فرمایا بیٹا جاؤ لڑو تم بہت جلد اپنے جد امجد جناب رسالتمآب سے ملاقات کروگے اور وہ تم کو اپنے کاسہ کوثر سے سیراب کریں گے چنانچہ جناب علی اکبر لوٹے اور جنگ کرکے اسّی آدمیوں کو قتل کیا پھر منقذ بن مرہ نے یکایک آپ کے سر مبارک پر ایسی تلوار لگائی کہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے گھوڑے کی زین سے زمین پر تشریف لائے اور پھر سیدھے ہوگئے اور با آواز بلند کہا یا ابت ھذا جدی ھذا ابی و ھذہ جدتی فاطمہ پھر آپ نے جام شہادت پیا رحمۃ اللہ علیہ پھر امام نے لشکر پر حملہ کیا اور قاتل علی اکبر کا قصد کیا چنانچہ اس کے کاندھے پر تلوار مار کر پشت سے نکال دی (اور وہ داخل جہنم ہوا) پھر لشکر پر حملہ کرکے لوگوں کو اپنے فرزند کے قریب سے پراگندہ کیا اور بیٹھ کر شدید گریہ فرمایا اور فرمایا بیٹا تمہاری جدائی مجھ پر بہت شاق ہے پھر میت کو اٹھا کر لاشہائے شہدا میں لاکر رکھا ماں سر و سینہ پیٹتی اور فریاد کرتی تھی اور پھوپھی زینب واحبیباہ وا قرۃ عیناہ کہتی تھی پھر امام علیہ السلام نے ان مخدرات کو خیمہ میں پہنچایا پھر مسلم بن مسلم بن عقیل نکلے اور یہ کہنے لگے ؎

(۱) آج میں اپنے مسلم سے ملاقات کرونگا اور ان مطیعان رسالتمآب سے ملونگا جو مر گئے ہیں۔

(۲) اور ان سرداروں سے ملونگا جو موت تو پاچکے ہیں اور وہ ہمارے مولا و آقا جناب رسالتمآب کی اولاد ہیں۔

پھر آپ نے حملہ کیا اور ان سے جنگ کرکے ستر آدمیوں کو واصل جہنم کیا پھر قتل ہوگئے۔ پھر ان کے بعد ان کے بھائی جعفر نکلے اور حملہ کرکے پندرہ آدمیوں کو قتل کیا اور پھر خود قتل ہوگئے ان کے بعد ان کے بھائی عبدالرحمٰن نکلے اور جنگ کرکے پچاس (۵۰) جوانوں کو قتل کیا اور پھر خود قتل ہوگئے پھر عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نکلے اور جنگ کی اور دس سواروں کو قتل کرکے قتل ہوگئے پھر ان کے بعد عون نکلے اور جنگ کی ستائیس آدمیوں کو قتل کرکے شہید ہوگئے پھر عبداللہ بن حسین نکلے اور اشقیا سے جنگ کی چودہ آدمیوں کو قتل کیا پھر ان کے بھائی قاسم نکلے اور جنگ میں بیس جوانوں کو قتل کیا پھر ابن فضل اسدی نے سر پر تلوار ماری جس سے آنجناب زمین پر گرے اور آواز دی یا اتباہ ادرکنی (آواز سنتے ہی) امام عالی مقام اس طرح دوڑے جس طرح شاہین اپنے شکار پر ٹوٹ کر گرتا ہے اور بڑھ کر آپ نے قاتل فرزند کو تلوار سے برابر کے دو ٹکڑے کر دیئے وہ اتنا زور سے چلایا کہ اس کی تمام قوم نے اس کی آواز سنی سب لوگ اس کو بچانے کے لیئے دوڑے جس کی وجہ سے گھوڑوں نے اس کو روند ڈالا اور سب نے دیکھا حسین اپنے فرزند کے سرہانے کھڑے رو رہے ہیں اور جوان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہیں کہ آج کے بعد بروز قیامت میرے جد بزرگوار ان اشقیا کے دشمن ہوں گے پھر جیسے دوسرے مقتولین کو اٹھایا تھا ان کو بھی اٹھا کر لائے اور شہدا میں رکھدیا اور حملہ کرکے سخت جنگ کی جیسا کہ آپ کا اس وقت تک معمول تھا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ اصحاب و آل نبی کی طرح میں بھی قتل ہونگا۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا جہاں تک کہ بنی ہاشم کا آخری شخص بھی قتل ہوگیا اور کل بنی ہاشم سترہ جوان تھے جن میں عباسؑ عبداللہؑ جعفرؑ عثمانؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی تھے جن کی ماں ام البنین تھیں اور ان کے بھائیوں میں سے ہی عمر ابوبکر بھی تھے جن کی ماں

نیلی تھیں اور شہدائے بنی ہاشم میں سے عبداللہ و علی فرزندان جناب امام حسین علیہ السلام نیز محمد و قاسم بن حسن اور محمد و عون بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب برادر علی علیہ السلام اور عبداللہ جعفر عبدالرحمن فرزندان عقیل بن ابی طالب برادر علیؑ اور عقیل بن جعفر بن ابی طالب بھی یہ سب کے سب سترہ ہوتے ہیں جو بنی ہاشم میں سے تھے ان سب کے لیئے پایئن امام حسین علیہ السلام ایک گڑھا کھودا گیا ہے جس میں سب بجز حضرت عباس کے دفن کیئے گئے ہیں اور حضرت عباس اپنے مقتل میں براہ غاذیہ دفن ہوئے اور ان کی قبر مبارک بکلا الگ واضح ہے لہذا جو شخص ان کے بھائیوں کی زیارت کرنا چاہیئے تو اس کو لازم ہے کہ وہ قبر امام پر جائے اور آپ کے پائے مبارک کی طرف اشارہ کرے (رضی اللہ عنہ وعنہم) لیکن آپ کے اصحاب و انھار جو آپ کے سامنے شہید ہوئے ہیں وہ سب کے سب آپ کے گرد دفن ہیں ان کی قبور کا صحیح صحیح طور پر علم نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ حائر حسینی سب کو محیط و حاوی ہے۔ اب رہ گئے امام حسین علیہ السلام تو ان کی حالت یہ ہے کہ جب تمام اصحاب و انصار و اعزہ و اقربا شہید ہو چکے تو آپ نے داہنے و بائیں نظر اٹھا کر دکھا تو کوئی مدد کرنے والا کوئی پناہ دینے والا دکھائی نہ دیا بلکہ اپنے تمام ساتھیوں کو مردہ اور اپنے آپ کو یکہ و تنہا پایا اس وقت آپ نے سرآسان کی طرف بلند کیا اور درگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے اے پالنے والے تو دیکھ رہا ہے ان اشقیا نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے یہ کہکر رونے لگے اور یہ اشعار پڑھے ؎

(۱) اے پالنے والے تو مجھے ان لوگوں میں یکہ و تنہا نہ چھوڑ جنھوں نے جان بوجھ کر لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

(۲) اور انھوں نے ہم کو اپنے درمیان غلام بنا دیا ہے اور اپنے افعال و کردار سے یزید کو راضی کرتے ہیں۔

(۳) اور ہم میں سے ہر ایک شہید چل بسا اور زمین پر گر کر اپنے خون میں غلطاں ہو گیا۔

پھر آپ خیمہ میں داخل ہوئے اور فرمایا بہن زینب میرے چھوٹے بچے کو تو لاؤ تاکہ میں اس کو بھی رخصت کروں۔

جناب زینب نے فرمایا لیجیئے یہ آپ کا بچہ حاضر ہے آج تین دن سے ایک قطرہ پانی کا اس نے نہیں چکھا (جائیے) تاکہ اس کے لیئے ایک گھونٹ پانی مانگیئے (یہ کہکر) جناب زینب نے بچہ جناب امام حسین علیہ السلام کے سپرد کیا آپ اس کو لے کر چلے اور بوسے دیتے جاتے تھے اور بچہ کی حالت یہ تھی کہ مارے پیاس کے باپ کے ہاتھوں پر تڑپتا جاتا تھا پھر امام ان اشقیا کی طرف بڑھے اور فرمایا کہ تم نے میرے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے اور سوائے اس بچہ کے اور کوئی نہیں رہا اور اس کے ذمہ تمھارا کوئی خون (گناہ) بھی نہیں ہے اور یہ مارے پیاس کے جلا جاتا ہے لہذا مجھ پر ایک گھونٹ پانی کی مہربانی کر کے (ممنون کرو) ابھی آپ ان سے کہہ ہی رہے تھے کہ ناگاہ ایک زہرآلود تیر (حرملہ) فاجر کی طرف سے اس معصوم بچہ کی گردن میں لگا اور اس کو ذبح کر دیا باپ نے اپنے ہاتھوں میں معصوم کا خون لیا اور درگاہ خدا میں عرض کیا اے پالنے والے میں تجھکو اس قوم پر گواہ کرتا ہوں تو گواہ رہیئے۔ پھر آپ واپس ہوئے اور اچھی لاکر

ام کلثوم کے حوالہ کیا معصومہ نے اس کو اپنے سینہ سے لگایا اور رونے لگیں اور اور مخدرات نے بھی آپ کے ساتھ گریہ شروع کیا یہاں تک کہ ملائکہ آسمان بھی رونے لگے اور آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

(۱) ہائے میرا دل اس کم سن پیاسے بچہ پر سخت محزون و مغموم ہے جس کی دودھ بڑھائی سے پہلے تیر ستم نے دودھ بڑھایا

(۲) وہ بچہ اپنے کمسنی میں اپنے خون میں غلطاں ہوا اور میرا دل اس پر ملال و حزن کرتا رہے گا۔

(۳) (ہائے افسوس) اشقیا نے اس کے ماں باپ کے دل کو جلادیا اور اس کو تیر ستم سے شہید کر ڈالا۔

(۴) ہمارے اور ان سب اشقیا کے درمیان بروز محشر خداوند عالم فیصلہ فرمائے گا جہاں عداوتوں کا فیصلہ اور تصفیہ ہوگا۔

جب امام عالی مقام بالکل مایوس ہوگئے تو روتے ہوئے مخدرات کو رخصت کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ (سب سے پہلے) جناب زینب سلام اللہ علیہا آپکے پاس تشریف لائیں اور فرمایا بھیا خدا کبھی آپ کی آنکھوں کو نہ رُلائے (صبر کیجئے روئیے نہیں) امام نے فرمایا بہن میں کیسے نہ روؤں اور گریہ نہ کروں مجھے معلوم ہے کہ تم ذرا دیر بعد نرغہ اعدا میں کشاں کشاں پھروگی پھر بآواز بلند پکار کر فرمایا یا ام کلثوم و یا رقیہ و یا عاتکہ و یا سکینہ علیکن منی السلام آواز سلام سن کر جناب ام کلثوم نے فرمایا کیوں بھیا کیا آپ نے (بھی) مرنے کی تیاری کرلی ہے فرمایا ہاں بہن میں کیونکر موت کے لیئے کمربستہ نہ ہوں درانحالیکہ میری جان دوسرے کے قبضہ میں ہے جب سکینہ نے یہ آواز سُنی تو بآواز بلند دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں

اس وقت امام حسین علیہ السلام نے بھی گریہ فرمایا اور یہہ اشعار زبان پر جاری فرمائے ؎

(۱) اے بیٹی سکینہ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میری موت کے بعد تم کو بہت زمانہ تک رونا ہے

(۲) دیکھو بیٹی جب تک میرے جسم میں جان ہے تم رو کر میرا دل نہ جلاؤ۔

(۳) اے بہترین نسواں جب میں قتل ہو جاؤں تو جو کچھ تم کر رہی ہو خوب کرنا اور خوب رونا۔

(۴) (میرے بعد) رونا اور یہ کہکر رونا اے شط فرات کے مرنے والے تو تو جلدی سے گزر گیا اور مجھے مصیبت و بلا میں چھوڑ گیا۔

(۵) اور یہ کہہ کر رونا کہ مجھے اُمید تھی کہ جب تک مجھ کو زمانہ فرصت دے گا اور مجھے چھوڑے رکھے گا میں اپنے باپ کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کرونگی۔

(۶) اے بیٹی سکینہ جلد میرے پاس آجاؤ تاکہ تم کو میں مرنے والے کی طرح وداع کرلوں۔

(۷) میں تم کو اپنے چھوٹے بچے اور آل اولاد یتیموں اور پروسیوں کیلئے وصیت کرتا ہوں ان سے بہ محبت بسر کرنا)

(۸) دیکھو میرے مرنے کے بعد (میرے غم میں) کپڑے نہ پھاڑنا اور نہ بے صبری کی ذلیل موت کو بلا لینا (بلکہ میری محنت کی داد دینا اور صابرانہ موت مرنا۔

(۹) لیکن ہاں بیٹی سکینہ صبر کرنا اور قضاء الٰہی پر صابر رہنا اس لیئے کہ ہم تو اہل صبر و احسان ہیں۔

(۱۰) میں اپنے باپ دادا اور بھائیوں کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوں جن کے حقوق سرکش باغیوں نے چھین لیئے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر امام عالی مقام خیمہ سے نکلے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر پر ایک سخت حملہ کیا سب اشقیا سامنے سے ٹڈی کی طرح منتشر ہو کر بھاگ گئے پھر خیمہ میں واپس تشریف لائے اور لاحول پڑھ کر پھر دوبارہ ان اشقیا کی طرف پلٹے اور فرمایا اے لشکر والو خدا تم پر لعنت کرے آخر یہ تو بتاؤ مجھے کیوں قتل کرتے ہو کیا میں نے کوئی عہد شکنی کی ہے یا کسی سنت رسول کو بدل دیا ہے یا شریعت میں کوئی تغیر و تبدل پیدا کر دیا ہے یا کسی حق کو میں نے ترک کر دیا ہی جس کی پاداش میں تم مجھے قتل کرتے ہو سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ یہ سب کچھ نہیں بلکہ ہم صرف تمہارے باپ سے جو بغض و عداوت اور مخاصمت رکھتے ہیں اس کی بنا پر قتل کرتے ہیں یہ سن کر امام کو سخت غیظ آیا اور آپنے یہ رجز پڑھا؎

(۱) خیرۃ اللہ من الخلق ابی
بعد جدی وانا ابن الخیرتین

میرے بابا ہیں میرے جد کے بعد افضل دو عالم میں
میں ہوں ایسے دو خیر خلق کے آغوش کا پالا ہوا

(۲) والدی شمس و انا قمر
وانا الکوکب وابن النیرین

میری مادر مہ کامل پدر خورشید روشن ہیں
میں ہوں نجم اور ان دو نیروں کی آنکھ کا تارا

(۳) من لہ جد کجدی المصطفےٰ
او کامی فی جمیع الثقلین

میرے نانا محمد مصطفےٰ سے کس کے نانا ہیں
میری ماں کا سا رتبہ ہے دو عالم میں کسی ماں کا

(۴) فاطمۃ الزھراء امی و ابی
فارس الخیل و رامی النبلتین

میری ماں فاطمہ زہرا حبیب رب کی بیٹی ہیں
قدر انداز و سر خیل شجاعان ہے مرا بابا

(۵) ما نہر الابطال فی ھیجائہ
یوم بدر ثم احد و حنین

حنین و بدر اور یوم احد کے کارزاروں میں
شجاعوں کو کیا مغلوب باطل کو کیا پسپا

(۶) ابن عم المصطفےٰ من ھاشم
و شجاع حامل للرایتین

وہ ابن عم رسول اللہ کا اولاد ہاشم میں
شجاعوں میں یگانہ اور حامل دو نشانوں کا

(۷) ترک الاصنام لم یسجد لھا
مع قریش مذ نشا طرفۃ عین

قریشی اب بتان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے
کیا چشم زدن میں سنگی تصویروں کا وہ نقشا

(۸) عبد اللہ غلاما ناشئا
و قریش یعبدون الصنمین

یہ بچپن ہی میں صرف طاعت خلاق عالم تھے
قریشی کر رہے تھے جب بتوں کو سجدہ پہ سجدہ

(۹) یعبدون اللات والعزیٰ معاً
و علیؑ قائم بالرکعتین

ادھر مصروف تھے سب لات و عزیٰ کی پرستش میں
علی تھے اس طرف محو نماز خالق یکتا

؎ رجز امام علیہ السلام کا جناب رزم صاحب نے نظم میں ترجمہ کیا ہے اور ہم کو اتفاق سے مل گیا ہی جو اب سے کئی سال قبل غالباً الواعظ میں چھپا تھا ہم نے نثری بجائے نظم کا ترجمہ دینا ناظرین کرنا زیادہ مناسب سمجھا امید ہی کہ ناظرین جناب رزم صاحب اس برجستہ ترجمہ کی داد دیں گے (مترجم)

(۱۰) جدی المرسل مصباح الدجیٰ
وابی الموفی لہٗ بالبیعتین

میرے نانا اندھیری رات کی اک شمع روشن تھے
رہے دو بیعتوں کے عہد پر قائم میرے بابا

(۱۱) عروۃ الدین علیؑ ذو العلا
ساقی الکوثر امام الخافقین

سہارا دین و ملت کا سراپا صاحب عظمت
امام مشرق و مغرب علی ساقی ہے کوثر کا

(۱۲) اظھر الاسلام رغما للعدیٰ
بحسام قاطع ذی شفرتین

زمین و آسماں یکجا ہوئے تھے گو عداوت پر
دو دھاری تیغ سے اپنی مگر اسلام پھیلایا

(۱۳) مع رسول اللہ یسعیٰ نازلاً
قاتل الابطال والموفی لدین

نبی کے ساتھ کوشش کی جہاد راہ خالق میں
کیا کفار کو بیجاں فرائض کو کیا پورا

(۱۴) ترک الاصنام خفضا نازلاً
وفی الدین فوق النیرین

بتوں کو سرنگوں و پست یکسر کر دیا جس نے
خدا کے دین کو شمس و قمر سے کر دیا اونچا

(۱۵) فابت العین والاذن التی
اذعن الخلق لہ فی الخافقین

میں ہوں فرزند ایسے سامع و باصر کا دنیا میں
کہ اہل مشرق و مغرب نے جس کو پیشوا مانا

(۱۶) وبنا جبریل اضحیٰ فاخراً
وتفوھنا ابو نا کل دین

میرے باعث سے جبریل امین کو فخر حاصل ہے
میرے بابا نے ہر اک فرض مذہب کر دیا پورا

(۱۷) فجزاہ اللہ عنا صالحاً
خالق العالم مولی المشعرین

خدائے دو جہاں اس کی جزا دے میرے بابا کو
کہ وہ ہے خالق کون و مکاں کونین کا مولا

(۱) فضۃ قد صبغت من ذھب عہ
وانا الفضۃ وابن الذاھبین

چاندی نے سونے سے رنگ حاصل کیا
میں خود چاندی ہوں اور دو سونوں کا فرزند ہوں
(یعنی میری مثال چاندی کی ہے اور میرے ماں باپ سونے کی مثال رکھتے ہیں میں نے اپنے ماں باپ سے اخلاق و فضائل سیکھے ہیں جس طرح سونا چاندی کو رنگ دیتا ہے)

(۲) اخرت عن سیرھا الشمس لہٗ
لیصلی رکعتا او رکعتین

میرے باپ ہی کی خاطر آفتاب واپس لوٹا گیا تھا تاکہ وہ ایک یا دو رکعت نماز ادا فرما لیں (کیا میرے باپ کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی اس طرح آفتاب لوٹایا گیا ہے)

(۳) وابادا الکفر فی حملتہ
رجال ابر قوا فی العسکرین

عہ چونکہ اشعار رجز میں بہت اختلاف ہے کسی نے کچھ کسی نے کچھ روایت کی ہے اسی بنا پر جناب رزم صبا کے ترجمہ میں تین شعروں کا ترجمہ جناب صبا فدا لعین کی روایت کی بنا پر رہ گیا ہے ان تینوں کا ترجمہ ہم نے نثر میں کر دیا ہے ۱۲ (مترجم)

(۳) چمکتے ہوئے جوانوں کے لشکر انھوں نے اپنے حملہ سے
کفر کو بالکل نیست و نابود اور برباد کر دیا۔

پھر آپ نے لشکر پر حملہ کیا اور للکار کر ان کے اندر گھس پڑے اور ابدان اشقیا کو کاٹنا شروع کیا اور طولاً عرضاً داہنے بائیں قتل کرنا شروع کیا (اور اس کثرت سے قتل کیئے) کہ اشقیا گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلنے لگے اور ان کا خون نہروں کی طرح زور شور سے بہنے لگا پھر (اتنے میں) دن ڈوبنے لگا) آپ خیمہ میں واپس تشریف لائے اور آپ کے زخموں سے خون جاری تھا اور لشکر والوں نے اپنے مقتولین کا شمار کیا تو ایک ہزار پانچ سو چالیس نکلے (یہ دیکھ کر لشکر والوں کے دلوں پر رعب بیٹھ گیا اور بدحواس ہو گئے اتنے میں رات ہو گئی) امام علیہ السلام نے شدت عطش میں وہ شب بسر کی (راوی کا بیان ہے کہ) جب صبح ہوئی تو آپ نے پھر ایک حملہ لشکر پر کیا اور گھاٹ پر پہونچ کر پانی میں داخل ہو گئے جب گھوڑے نے ٹھنڈک محسوس کی تو پانی پینا چاہا امام نے فرمایا میموں (امام کے گھوڑے کا نام ہی) تو بھی پیاسا ہے اور حسین بھی بخدا (مجھے تیری وفا داری پر یقین ہے کہ ہرگز پانی نہ پئے گا) جب تک میں سیراب نہ ہوگا جب گھوڑے نے کلام امام سنا تو پانی پینے کا ارادہ چھوڑ دیا پھر حسین پشت اسپ سے اتر پڑے اتنے میں حصین بن نمیر نے ایک تیر مارا جو آپ کی ران مبارک میں لگا آپ نے اس کو کھینچ کر اپنے ہاتھ میں خون کو لے لیا اور فرمایا یا رب الیک المشتکی ممن اسال فوادی و منعونی شرب الماو انا و من صحی (اے پالنے والے میں اپنے خون بہانے والوں اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو پانی سے روکنے والوں کی تجھسے شکایت کرتا ہوں) پھر آپنے ایک چلو بھر کر پینے کا ارادہ کیا (یہ دیکھ کر) عمر ابن سعد نے پکار کر کہا اے لشکر والو بیعت یزید کی قسم اگر حسین سیراب ہوئے تو تم سب کو فنا کر دیں گے، اتنے میں خولی بن یزید اصبحی نے آواز دی اے حسین تمھارے خیمے جل رہے ہیں اور تم زندہ ہو (یہ سن کر) امام نے پانی ہاتھ سے پھینک دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر جانب خیمہ واپس ہوئے پہنچکر خیمہ کو صحیح سالم پایا امام سمجھے کہ یہ بھی ایک مکاری تھی (امام کو آتے دیکھ کر) جناب ام کلثوم نے (خیال کی بنا پر) فرمایا بیٹی سکینہ ارے پانی ہمارے لیئے آگیا ہے (یہ سنکر) سب باہر نکل آئیں (مگر پانی کی بجائے مظلوم حسین کو زخموں کے خون میں رنگین پایا سب ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگیں آپ نے سب کو تلقین صبر فرمائی پھر آپ طلب آب میں واپس ہوئے مگر پانی تک نہ پہونچ سکے اور لشکر والوں پر شیرانہ حملہ کیا سب بہادر کھڑے ہو گئے اور بچ بچ کر تیروں سے چھیدنا شروع کیا اور امام نہایت سرعت سے حملہ کر رہے تھے اور اشقیا کو بھگا رہے تھے اور آپ کا ضعف اور بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ ایک ہزار چھ سو جوانوں کو قتل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک گھونٹ پانی کی بھی تدبیر فرماتے تھے۔ قوت آپ کی ساقط ہو چکی تھی ہونٹ اور زبان مارے پیاس کے خشک ہو چکی تھی اور لشکر والوں کی طرف سے بکثرت زخم لگ چکے تھے اور تیر اس طرح زرہ میں پیوست تھے جس طرح ساہی کی جلد میں کانٹے ہوتے ہیں پس پھر آپ ذرا سیدھے ہوئے تاکہ آرام کر لیں کہ ناگاہ ایک تیر سہ شعبہ آپ کے قلب مبارک پر آکر لگا آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم

سے ہم پہلے اس امر کی طرف ناظرین کو متوجہ کر چکے ہیں کہ یہ جیسا نور العین کی تحقیق ہے ورنہ اور کسی معتبر کتاب میں ہماری نظر سے یہ قصہ ہرگز نہیں گزرا ۱۲ (مترجم)

وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہکر اس تیر کو کھینچکر نکالا تو تیر خون
میں تر بتر تھا آپ کو سخت غصہ آیا اور مارے غصہ کے آپ کی
یہ حالت ہوگئی جو شخص بنی کندہ میں سے حضرت کے پاس
(بارادہ قتل) آتا تھا رعب و جلال امام سے فوراً واپس ہوجاتا
تھا اور آپ کا معاملہ حیات بہت نازک ہوچکا تھا جب ضعف
بہت طاری ہوگیا اور ہمت کم ہوگئی اس وقت مالک بن
بشیر نامی ایک مرد کندی حضرت کے پاس آیا اور سر پر ایسی
تلوار ماری کہ خون سے بھر گئی یہ دیکھ کر تمام لشکر والے چاروں
طرف سے دوڑ پڑے اور صالح بن وہب مزنی نے ایک نیزہ
کوکھ پر مارا جس کی وجہ سے آپ داہنی نخار (سرین) کے بل
زمین پر گر پڑے پھر زرعہ بن شریک نے بائیں کندھے پر
آر ماری اور پچھاڑ کر تلوار کا دوسرا حملہ کندھے پر کیا اور امام
کو ملعون نے منہ کے بل گرا دیا پھر سنان بن انس نخعی نے
ترقوہ (ہنسلی) میں نیزہ مارا اور پھر دوسرا نیزہ سینہ میں
مارا اور پھر بیٹھ کر ایک تیر مظلوم کے گلے میں لگایا پھر اس کو
کھینچ لیا اور مظلوم کا خون سب نے اپنے ہاتھوں میں
لیا اور مظلوم کے سر اور ریش مبارک کو خون سے رنگ دیا
اور امام یہ فرماتے تھے کہ میں اسی طرح اپنے خون میں رنگین
اور مغصوب الحق اپنے خدا سے ملاقات کروں گا عمر سعد نے
ایک شخص کو حکم دیا کہ تو اپنے گھوڑے سے اتر اور حسین کو ذبح
کردے پس ابن زمانہ صبحی جلدی سے اترا تاکہ سر مظلوم کو
جدا کرے (مگر حضرت کو دیکھ کر) کانپ گیا اور واپس لوٹ گیا
پھر سنان بن انس نخعی اتر کر آپ کے پاس آیا ریش مبارک
کو پکڑ کر حلق پر تلوار چلانے لگا اور یہ بھی کہتا جاتا تھا کہ میں ضرور
تمہارا سر کے رہوں گا اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ تم
فرزند بنت رسول اللہ ہو حضرت نے اپنی دونوں آنکھیں
کھول دیں (سنان ملعون تاب نہ لاسکا اور ڈر کر بھاگا) اتنے
میں شمر ملعون آیا بولا کیوں حسین کو قتل کیوں نہیں کرتے اس نے
جواب دیا کہ حسین نے میرے سامنے اپنی دونوں آنکھیں کھولیں
تو مجھے ان کے باپ کی شجاعت یاد آگئی جس کی وجہ سے میں
ڈر گیا شمر ملعون نے کہا تجھے خدا سمجھے لا تلوار مجھے دے بخدا مجھ سے
زیادہ قتل حسین کا کوئی حقدار نہیں پھر اپنے گھوڑے سے اتر کر
حسینؑ کے پاس آیا اور سینہ پر سوار ہوکر تلوار کھینچی اور گلے پر رکھکر
ذبح کا ارادہ کیا کہ حسینؑ نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور فرمایا
تو کون ہے؟ خدا کی قسم تو نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب
کیا ہے تجھے خدا اور رسول سے کچھ شرم نہیں آتی اس ملعون نے
جواب دیا کہ میں شمر بن ذی الجوشن ہوں۔ فرمایا تجھے خدا لعنت
کرے کیا تو مجھے پہچانتا نہیں اس شقی نے جواب دیا (ہاں
پہچانتا ہوں) تو حسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ فرمایا
اے شقی جب تو یہ سب کچھ جانتا ہے تو پھر مجھے قتل کیوں کرتا
ہے شقی نے جواب دیا یزید سے جائزہ لینے کی غرض سے
قتل کرتا ہوں۔ فرمایا تجھے خدا لعنت کرے۔ تیرے نزدیک
میرے جد بزرگوار کی شفاعت یا یزید کا جائزہ زیادہ
پسندیدہ ہے اس ملعون نے جواب دیا کہ (ہاں) جائزہ
یزید کا ایک دانگ[1] تم سے اور تمہارے باپ سے میرے
نزدیک بہتر ہے۔ فرمایا اچھا اگر میرا قتل ہونا ضروری اور
یقینی ہے تو مجھے ایک گھونٹ پانی پلادے اس ملعون نے
جواب دیا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تم پانی چکھ سکو بلکہ
پانی کے عوض تم کو انتہائی تکلیف کے ساتھ شربت موت

[1] دانگ پونے چار رتی کا ہوتا ہے (مترجم)

گھونٹ گھونٹ کر پینا ہوگا۔ امام نے فرمایا خدا تجھ پر لعنت کرے تو نے جو ڈھاٹا باندھ رکھا ہے ذرا اس کو کھول چنانچہ اس شقی نے کھولا تو وہ شقی مبروص کانا اور داغدار تھا کتے کے ایسی تھوتھنی اور سور کے بال تھے فرمایا اللہ اکبر میرے جد بزرگوار نے سچ فرمایا تھا اس شقی نے پوچھا آپ کے جد نے کیا فرمایا تھا فرمایا کہ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تجھے وہ شخص قتل کرے گا جس میں کتے اور سور کے اوصاف ہونگے اس شقی نے جواب دیا اے حسین تو مجھے کتے اور سور سے تشبیہ دیتا ہے میں تجھے ضرور قتل کرونگا اور مجھے اس کا بھی خوب علم ہے کہ بروز قیامت ہر مسلمان کے لیئے شفاعت کی گنجایش ہے مگر میرے لیئے کوئی گنجایش اور امید نہیں پھر اس شقی نے چند بار گلے پر تلوار چلائی مگر کوئی اثر نہ ہوا اور کوئی رگ نہ کٹی تب آپ نے فرمایا خدا کی قسم جس جگہ سے تسبیح خدا کی آواز آتی ہو وہ کبھی نہیں کٹے گی پھر اس شقی نے حضرت کو اوندھے منہ زمین پر ڈالا اور سر قلم کرنے لگا اور یہ کہتا تھا ؎

اقتلک الیوم ونفسی تعلما
علما یقینا ما بہ توھما
ان اباک خیر من تکلما
وھو صھر النبی المکرما
اقتلک الیوم وسوف اندما
وسوف اصلی اخرًا جھنما

ترجمہ :- میں آج تجھے قتل کر رہا ہوں اور میرا نفس خوب جانتا ہے اور اس کو کوئی شک وشبہ نہیں کہ تمھارا باپ رسول اللہ کا داماد اور تمام بولنے والوں (انسانوں) میں بہترین شخص تھا اور میں آج تجھے قتل کر رہا ہوں (مگر کل مجھے نادم ہونا پڑے گا اور پھر عنقریب میں آتش جہنم میں جلونگا۔

پھر اس شقی نے سر مبارک کو جدا کر کے ایک نیزہ پر بلند کیا اور خولی بن یزید اصبحی کے سپرد کر دیا اور لشکر یزید نے تین بار باواز بلند تکبیر کہی اس وقت زمین میں زلزلہ آیا مشرق مغرب تاریک ہوگئے لوگوں پر بجلیاں گرنے لگیں اور ایک منادی نے آسمان سے ندا دی ؎

قد قتل الامام ابن الامام[۱] ابو الائمۃ وله من العمر ثمانیة وخمسون سنة

بروز دوشنبہ[۲] ۱۰ محرم کو یہ واقعہ جانکاہ واقع ہوا جب تاریکی دور ہوئی تمام اسباب کو باہم اس طرح تقسیم کیا کہ آنحضرت کا عمامہ عمر بن یزید چادر یزید بن سہل انگوٹھی و زرہ سنان بن انس نخعی۔ جوتا اور کپڑے محمد بن اشعث کندی تلوار مالک بن بشیر۔ پائجامہ یحیی بن کعب لے گیا۔

راوی کہتا ہے کہ اس وقت ایک تاریک و سیاہ رنگ کا غبار ہر جانب بلند ہوا اسی کے ساتھ سرخ آندھی بھی آئی تھی سب لوگوں نے سمجھا کہ بس اب عذاب نازل ہوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس وقت ملائکہ با نالہ وفغاں درگاہ خداوندی میں عرض کرنے

---

[۱] امام بن امام اور اماموں کا باپ قتل ہوگیا جس کی ۵۸ سال کی عمر تھی۔ مترجم

[۲] صاحب نور العین کی یہ تحقیق ہے ورنہ دیگر کتب سے جمعہ کا دن ثابت ہوتا ہے۔

اڑنا لینے والے حسین کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے حالانکہ وہ تیرے محبوب نبی کی پیاری بیٹی کا فرزند ہے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا اے ملائکہ میں اس خون ناحق کا ضرور ان اشقیا سے بدلہ لوں گا۔

ہلال بن نافع سے مروی ہے کہ میں عمر بن سعد سے باتیں کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک آواز آئی اے امیر خوش ہو جا حسین قتل ہو گئے اور خدا کی قسم حسین کے ایسا خون میں غلطاں ہونے والا میں نے کسی مقتول کو نہیں دیکھا مگر ان تمام باتوں کے باوجود حسین کے نور و جلال حسن و جمال رعب و کمال کی اس کے قتل کے متعلق کوئی غور و فکر نہ کر سکا پھر میں نے تیر تلوار اور نیزوں کے زخموں کو شمار کیا تو ایک سو بیس[۱] زخم تھے۔

راوی کہتا ہے پھر حسین کا گھوڑا مردوں پر قدم رکھتا ہوا میدان میں یکے بعد دیگرے مردوں سے گزرتا ہوا لاش سید الشہدا پر جا کر ٹھہر گیا دیکھا کہ جسد مبارک بے سر ہے چاروں طرف گھومنے لگا اور پھر اپنی پیشانی کو خون مظلوم میں رنگین کیا جب عمر بن سعد نے دیکھا تو بولا اے لشکر والو تم کو خدا سمجھے اس کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ چنانچہ لوگ دوڑے اس کے پیچھے ہو لیئے اور یہ گھوڑا جناب رسالتمآب کے گھوڑوں میں سے تھا اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ اس کا نام میموں تھا جب میموں نے اپنی گرفتاری کا احساس کیا تو اپنے آپ کو بچانے کے لیئے منہ سے کاٹنے اور سموں سے مارنے لگا یہاں تک کہ اس نے ۴۶ سوار اور ۷ گھوڑے مار ڈالے تب عمر بن سعد بولا ارے کمبختو اس کو چھوڑ دو تاکہ میں دیکھوں کہ یہ کرتا کیا ہے سب لوگ دور ہٹ گئے جب میموں نے دیکھا کہ سب لوگ ہٹ گئے ہیں اور ان لوگوں سے بے خطر ہو گیا تب پھر جسد مبارک کی طرف لوٹ آیا اور اپنا چہرہ ملنے لگا اور آنکھوں سے بوسہ دینے لگا اور صیحہ کرنے لگا (اور اتنا چیخا کہ) تمام صحرا گونج اٹھا پھر اس نے خیام پاک کا قصد کیا جب مخدرات نے گھوڑے کی آواز سنی جناب زینب اپنی بھتیجی سکینہ کے پاس پہونچیں اور فرمایا بیٹی (دیکھو شاید) پانی آیا ہے ذرا چلو اور پانی پی لو چنانچہ جناب سکینہ نکلیں دیکھا کہ زین خالی ہے اور گھوڑے کو ہنہناتا خبر مرگ سناتا پایا (دیکھ کر) چیخ ماری وا قتیلاہ وا غربتاہ وا حسیناہ ہذا حسین بین العدا مسلوب العمامۃ والردا جسم حسین زمین پر ہے۔ سر ان کا قلم ہو چکا ہے اور آج اس کے عیال و اطفال دشمنوں میں گھر جائینگے ہائے آتش مصیبت و بلا ہائے عالم غربت جس کے مداوا کی امید نہیں ہائے زخم فراق جس کا کوئی علاج نہیں میموں کی طرف ملتفت ہوئیں دیکھا کہ وہ رو رہا ہے اور چیخ رہا ہے اس وقت جناب سکینہ نے یہ اشعار پڑھے ؎

(۱) اے میموں تجھ پروائی ہو تو جلدی واپس آ اور فرزند رسول مقبول ہادی بلند پایہ کی حالت سے مطلع کر۔

(۲) اور ہم کو یہ بتا کہ تو نے فرزند رسول کو کہاں چھوڑا ہے جو بڑی بڑی مصیبتوں کا برداشت کرنے والا تھا۔

(۳) اے میموں کیا تو بھی حسین سے غدر کرے گا حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ (حسین کے علاوہ) کوئی ایسا نہیں جو ہما!

---

[۱] صاحب نور العین کے نزدیک یہ تعداد ہے ورنہ دیگر مقاتل و کتب تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہزار نو سو اکاون زخم تھے ۱۲ (مترجم)

کفیل ہو اور اس بارگراں کو اٹھائے

(۴) اے میموں کیا تو حسین کو ضایع کرکے ہمارے خیموں میں ہنہناتا اور چیختا چلاتا آیا ہے؟

(۵) اے میموں کیا تو نے حسین کو کاسہ موت پلا دیا ہے اور وہ اپنے خونخوار دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔

(۶) اے میموں تو آنحضرت کے سامنے قربان نہ ہوگیا (ضرور تو فدا ہو جاتا مگر قضا و قدر الٰہی نازل ہوگئی (اور کسی کا بس نہ چلا)

(۷) اے میموں کیا تو نے میرے سردار (کو ہلاک کرکے) دشمنوں کو (مرض عداوت سے) شفا دی اور تو آنجناب کو دشمنوں میں پڑا ہوا چھوڑ آیا ہے (استفہام انکاری ہے یعنی ایسا تو نے ہرگز نہیں کیا بلکہ مقدر ہی ایسا تھا)

(۸) اے میموں تو جلد واپس ہوا اور زیادہ ہماری باتوں میں طول نہ دے شاید تو ہماری محبت کی امید و آرزو نہیں رکھتا۔

(۹) بھیا علی اکبر تمہارے بعد میں یتیم ہوئی اور کبھی معزز تھی مگر تمہارے بعد انتہائی ذلیل ہوگی۔

(۱۰) بھیا تمہارے بعد اب ہمارا کون ہے جو ہماری طرف سے مدافعت کرے اور گروہ اشقیا سے حملہ کرکے بچائے

(۱۱) اے بھیا اب تمہارے بعد کس کو میں اپنا حامی و مددگار سمجھوں اور آج کے روز نے تو میرے قصد و ارادہ اور خیالات کو بالکل شکستہ اور بیکار بنا دیا ہے

سکینہ کے بال کھلے ہوئے تھے پھر سب مخدرات عصمت باہر نکل آئیں اور نالہ و فریاد گریہ و بکا کرنے لگیں (فاطمہ بنت الحسین گریہ فرماتی تھیں اور کہتی تھیں واابتاہ واعزیاہ واضیعتاہ بعدک یا اباعبداللہ اور پھر یہ اشعار پڑھے

(۱) مات الفخار و مات الجود والکرم
واغبرت الارض والآفاق والحرم

شہادت حسین سے فخر و جود و کرم کو موت آگئی اور اس غم والم میں زمین و آسمان اور بیت اللہ و حرم کعبہ سب غبار آلود ہیں۔

(۲) واغلق اللہ ابواب السماء فلا
ترقی لنا دعوۃ تجلی بھا النقم

خداوند عالم نے آسمان کے دروازے بالکل بند کر دیئے ہیں کہ ہماری کوئی دعا آسمان پر نہیں پہونچتی کہ جس سے ہماری مصیبتیں رفع ہو جائیں

(۳) غاب الحسین فوا اسفی لغیبتہ
وصار علینا بعدہ الظلم

حسین ہماری نظروں سے غائب ہوگئے ہیں (اور ہائے غیبت حسین کا بڑا صدمہ اور افسوس ہے) اور حسین کے بعد تو اب ہمارے اوپر تاریکیوں کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔

(۴) یا قوم ھل من فدا یا قوم ھل عوض
لتفدیہ واللہ ھذی الناس والامم

اور خدا کی قسم ان لوگوں اور امت والوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے قتل حسین کا فدیہ یا عوض کر سکیں۔

(راوی کہتا ہے) عبداللہ بن قیس کہتا ہے کہ میں نے گھوڑے کو دیکھا کہ وہ حرم محترم سے لوٹ کر قوم اشقیا پر

حملہ آور ہوا تا اینکہ جسد مبارک امام مظلوم پر پہونچا اور (کلمات) رخصت ادا کر کے اپنی پیشانی کو پائے مبارک پر ملنے اور ہنہنانے لگا پھر فرات کا قصد کر کے اس میں گھس پڑا پھر بعد میں اس کی کوئی خبر معلوم نہ ہوئی اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام آخرالزماں حضرت محمد مہدی سلام اللہ علیہ کے ساتھ نکلے گا اور وہی جناب اس پر سوار ہونگے پھر جب میموں کا معاملہ ختم ہوگیا تو عمر بن سعد نے حکم دیا کہ اس معرکے کے مقتولین شمار کیئے جائیں (چنانچہ شمار کیئے گئے تو) سوار و پیادہ جملہ مقتولین کی بیس ہزار تک نوبت پہونچی پھر جب اسکی اس کو اطلاع دی گئی (تو غیظ و غضب میں آکر کہنے لگا کہ) حرم حسین تمہارے قریب ہیں سب لوٹ لو چنانچہ بدبخت فوجی سب گھس پڑے اور مخدرات عصمت و اطفال حسین کے لباس وغیرہ لوٹنے لگے (جب سامان لوٹ چکے تو) خیام حسین کو تلواروں سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (یہ دیکھ کر) جناب ام کلثوم باہر نکلیں اور فرمایا اے ابن سعد ہمارے تمہارے درمیان (بروز قیامت) خداوند عالم فیصلہ کرے گا اور ہمارے جد بزرگوار کی شفاعت سے تجھے محروم رکھے گا اور ان کے مقبوضہ حوض (کوثر) سے تجھے سیراب نہ کرے گا اور تجھ کو ہی سزا دی جائے گی، جیسا کہ تونے اولاد رسول کے قتل و غارت کا حکم دیا ہے اور تونے ان کی عورتوں بچوں پر ذرہ برابر رحم نہ کیا اور مطلق ان پر دل نہ دکھایا (سب کچھ معظمہ نے فرمایا) مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی جناب زینب سلام اللہ علیہا خواہر امام حسین علیہ السلام فرماتی ہیں کہ ہم سب (بعد شہادت) خیموں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں یکایک تمام فوجی مرد خیموں میں گھس آئے ان میں سے ایک کرنجی آنکھوں والا شخص (بھی) تھا ہمارے خیمہ میں جو کچھ مال اسباب تھا اس کو لوٹنے کے بعد علی صغیر فرزند امام حسین

(جناب سید سجاد امام زین العابدین) کی طرف متوجہ ہوا کہ وہ بیماری کی وجہ سے ایک کھال کے ٹکڑے پر پڑے ہوئے تھے چنانچہ اس ملعون نے زور سے اس کو کھینچ کر سید سجاد کو (منہ کے بل) گرا دیا اور پھر میرے سر سے میری چادر چھینی اور میرے گوشوارے کی طرف دیکھ کر اس کے چھیننے میں الجھ پڑا چنانچہ اس ملعون نے گوشوارہ کو کھینچا اور میرا کان گھسیٹ کر اس کو اُتار لیا اور خون بہہ بہہ کر میرے کپڑوں پر آرہا تھا اور وہ (خبیث) اس کے ساتھ ساتھ روتا بھی جاتا تھا پھر اس نے فاطمہ صغریٰ کے پاؤں کی خلخال کو دیکھا اور اس کو چھیننے لگا چنانچہ دونوں خلخال کو اس نے توڑ کر پاؤں سے نکال لیا (فاطمہ صغریٰ تاب نہ لا کر) کہنے لگیں (کیوں اے شخص) تو ہم کو لوٹتا بھی ہے اور روتا بھی جاتا ہے وہ کہنے لگا اے اہل بیت رسالت میں روتا (تو) ہوں تمھاری مصیبت پر (اور لوٹتا اس لیئے ہوں کہ اگر میں نہ لونگا تو کوئی دوسرا لے جائے گا) جناب زینب فرماتی ہیں کہ کانوں کی تکلیف اور شدت گریہ و بکا کی وجہ سے مجھے گریہ گلوگیر ہو گیا فاطمہ صغریٰ نے فرمایا (اے شقی) خدا تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں تجھ کو آتش جہنم کا مزا چکھائے (راوی کہتا ہے) کہ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا مختار بن عبید اللہ ثقفی خون حسین کا بدلہ لینے کے لیئے نکلا چنانچہ یہ ملعون بھی اس کے ہاتھ لگا اور اس خبیث کا نام خولی بن یزید اصبحی تھا مختار نے اس سے پوچھا کیوں خولی تونے بعد شہادت امام کیا کیا تھا اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک مریض لڑکے کے نیچے سے کھال کا ٹکڑا گھسیٹا تھا اور ایک معظمہ کے سر کی اوڑھنی اور کانوں کے گوشوارے اور (دوسری معظمہ) کی خلخال جو ایک چھوٹی سی

بچی کے پیروں میں بھی سب کو چھین لیا تھا مختار نے جواب دیا کہ اس سے اور کیا بڑا گناہ ہوگا جو کچھ اس معظمہ نے تیرے بارے میں فرمایا وہ بھی سُنا؟ وہ شقی کہنے لگا ہاں سنا تھا وہ کہتی تھیں قَطَعَ اللّٰہُ یَدَیْكَ وَرِجْلَیْكَ واذاقك النار فی الدنیا قبل الآخرۃ۔ مختار نے کہا بخدا میں معظمہ کی دعا کو رائگاں نہ جانے دوں گا پھر اس نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو آگ میں جلوا دیا اور روانہ ہوگیا (راوی کہتا ہے) کہ پھر یہ اشقیا علی بن الحسین (سید سجاد) کی طرف بڑھے اور چاہا کہ ان کو (بھی) قتل کردیں جناب ام کلثوم نے جو دیکھا تو بے مقنعہ و چادر تڑھیں اور اپنے تئیں سید سجاد پر گرا دیا اور واغیلتاہ واقلت ناصراہ کی آواز بلند کرنے لگیں اور فرمایا اے قوم (جفاکار) اگر اس لڑکے کا قتل کرنا ہی ضروری ہے تو اس سے پہلے مجھ کو قتل کردو اشقیا ایک دوسرے سے کہنے لگے یہ لڑکا ہے (دوسرے بیمار) اس کا قتل کرنا جائز نہیں۔ پھر جناب زینب نے فرمایا کیوں عمر سعد ہم کو کیوں بلاتا ہے اس نے جواب دیا کہ میں تم لوگوں کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں معظمہ نے فرمایا کہ اچھا ہم کو ہمارے ماں جائے حسین کی لاش پر لے چل تاکہ ہم جدا ہونے سے قبل ان کو رخصت کرلیں چنانچہ اس نے بخوشی اس کو منظور کیا اور سب مخدرات کو لے کر نعش حسین کی طرف لایا جب مخدرات عصمت نے جسد مبارک بے سر دیکھا رونے اور چلانے لگیں اور جناب زینب روتی جاتی تھیں اور یہ فرماتی تھیں ؎

(۱) مصائب زمانہ ہم پر ٹوٹ پڑے اور زمانہ نے تند و تیز دانتوں اور پنجوں سے ہم کو پھاڑ ڈالا ہے

(۲) زمانہ نے عالم مسافرت میں ہم پر یہ ظلم ڈھایا ہے اور (اس کے ظلم و ستم کے) بچھو ہم پر مصائب و تکالیف لے کر چل نکلے

(۳) ان اشقیا نے میرے بھائی کو جان پہچان کر انتہائی تکلیف کے ساتھ اُن کے قتل کا ارادہ کیا (اور قتل کردیا)

(۴) بلائے فراق نے بہت بری طرح ہم پر ظلم کیا فراق کے دریا ہم پر اُمنڈ آئے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

(۵) حسین قتل کر ڈالے گئے اور دین خدا کی راہیں تاریک ہوگئیں

(۶) میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں کہ جہاں میں پناہ لوں اور میری خاطر سے کون زمانہ کا مقابلہ کرے اور اس کے مقابلہ میں میری اعانت کرے۔

(۷) اس ناہنجار زمانہ نے ہمارے اندر بُری طرح تفرقہ ڈالا ہے اور آلام زمانہ نے اپنی پوری چادر کے پردے (ہم پر) ڈال دیے ہیں۔

جناب زینب کے بعد جناب سکینہ چیخ پڑیں اور فرمانے لگیں ؎

(۱) (اے میرے بابا) حسین ان دشمنوں نے ہم کو اسی طرح مقید کیا ہے جس طرح غلاموں کو قید کرتے ہیں

(۲) میری روح کو قتل حسین سے قید کر لیا ہے اور وہ حسین تو میری مراد و غایت ہے۔

(۳) اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک یکتائے زمانہ حسین ان اشقیا نے تجھے قتل کرکے اپنی دلی مراد حاصل کی ہے۔

(۴) اے علی و فاطمہ کے لاڈلے فرزند زمانہ بھر کے لیے راہ ہدایت

؎ خدا تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے اور آخرت سے پہلے دنیا میں ہی تجھ کو آتش جہنم کا مزا چکھائے۔

کا ہادی تو ہے۔

(۵) ان اشقیا نے حسین کا سر نوک نیزہ پر بلند کیا ہے اور سر اقدس چودھویں کے چاند کی طرح ضیا پاش تھا۔

(۶) اولاد احمد مجتبیٰ کو کھلے خزانے (مقید کرکے) رسن بستہ لیے جا رہے ہیں اور اپنے گھوڑوں پر دشمن بیٹھے ہوئے نیزوں سے تکلیف پہونچاتے ہیں۔

(۷) اسی طرح تمہارے بعد ہماری بھی انتہائی توہین کی اور اپنی عداوت اور دشمنی سے ہم کو تیروں اور برچھیوں سے مارتے اور تکلیف پہونچاتے ہیں۔

(۸) ان اشقیا نے اس رسول عربی کی حرمت کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا جو ہدایت کرنے میں سب پر فوقیت لے گئے اور سب کے سردار و آقا ہیں۔

(۹) اس رسول کی اکلوتی بیٹی بتول عذرا پر ظلم کیا اور اپنی تمام عداوتوں کا بدلہ فتنہ و فساد کی صورت سے نکالا۔

(۱۰) اور علی مرتضیٰ کو بھی ستایا اور پھر حسین اور حسین کے پورے قافلے کو بری طرح ستایا۔

اس کے بعد عمر بن سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا)

(۱) یا ابن سعد قد ارتکبت عظیماً
سوف تصلی السعیر یوم المعاد

(۲) یحکم اللہ بیننا و علیکم
ذلک الحشر بابن کل العباد

یعنی اے ابن سعد تو نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا اور تو عنقریب بروز قیامت آتش جہنم میں جلے گا اور ہمارے تمہارے درمیان اس روز خداوند عالم تمہارے خلاف فیصلہ کرے گا اور یہ حشر کا دن تو سب لوگوں کیلئے ہی ہوگا۔

(راوی کہتا ہے کہ میں اس منظر کو کبھی نہیں بھول سکتا جبکہ جناب زینب اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے یہ فرما رہی تھیں وا محمداہ[ف] ھذا الحسین مرمل بالدماء صریع بکربلا مقطع الاعضاء وبناتک سبایا والی اللہ المشتکی والی محمد المصطفی والی علی المرتضی والی حمزۃ سید الشھداء

راوی کہتا ہے کہ پھر جناب زینب نے گریہ کیا اور فرمایا واللہ علی کل شئی شھید وحفیظ (اللہ ہر چیز کا دیکھنے والا اور اس کو محفوظ اور یاد رکھنے والا ہے)

(باقی آئندہ)

[ف] وامحمداہ یہ آپ کا حسین خاک و خون میں غلطاں ہو زمین کربلا میں پڑا ہو جس کے اعضا تک الگ الگ ہوگئے ہیں آپ کی لڑکیاں اسیر بنا لی گئی ہیں اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ اور ان کے ولی علی مرتضیٰ اور سید الشہدا جناب حمزہ سے میں شکایت کرتی ہوں۔

نوٹ: ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ہر پرچہ وقت پر نکلے گا اور ہمارے رسالہ کا "حسین نمبر" ماہ اپریل میں ضرور شایع ہو جائے گا لیکن سوء اتفاق سے مشین ۱۵ اپریل سے ٹوٹ گئی ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ ہمارے قارئین کرام کو پھر تھوڑا سا انتظار کرنا پڑے گا۔ "نائب مدیر"

فدیۂ ذبح

وفدینٰہ بذبحٍ عظیم

اسلام نے قربانی ہر صاحب نصاب پر واجب کی ہے
حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ رسم بہت مرغوب تھی۔
صحابہ کرام نے جب اس کی غایت حضور اقدس سے
دریافت فرمائی تو ارشاد ہوا سُنَّۃُ اَبِی ابراھیم (یہ میرے
باپ ابراہیم کی سنت ہے) اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ
ملت ابراہیمی میں اس رسم کا درجہ صرف سنت کا تھا جس کو ترقی دیکر
مولائے کائنات نے واجب کے حد تک پہونچا دیا۔

خدائے قدوس اور اُس کے رسول کے احکام ذلیل
اور غیر ضروری نہیں ہوتے وہ کسی انسان پر اوتنا بوجھ جس کو وہ
نہ اُٹھا سکے نہیں ڈالتا لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا
اس حکم کے اندر کوئی نہ کوئی کشش کوئی نہ کوئی جاذبیت ایسی ضرور
موجود ہے جس نے اس کو وجوب کا درجہ دیا اور جس کو سمجھنا ان لوگوں
کا جو مکلف بنائے گئے فرض ہے۔

اس کے سمجھنے کے لیئے اس رسم کی ابتدا اور انتہا دونوں
پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

اس کی ابتدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ایک تاریخی
واقعہ سے شروع ہوتی ہے جس کو عام طور پر خطیب عید اضحےٰ کے
خطبہ میں بیان کرتا ہے مگر ان خطبات میں اُن حقائق پر کافی
روشنی نہیں ڈالی جاتی جنھوں نے اس مبارک رسم کو وجوب
کے درجہ تک پہونچا دیا ممکن ہے کہ اس بیان سے اِسلامی دُنیا
کے ناظرین کسی خاص نتیجہ پر پہونچیں۔ اور میری یہ خواہش کسی روحانی
لطف کا باعث ہو دنیائے اسلام اور نہ صرف دنیائے اسلام
بلکہ مذہب یہود اور عیسوی سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ
تمام انبیا و رسل میں ابراہیم جیسا دوسرا عاشق خدائے قدوس کا
نہ تھا جس نے آنکھ کھولتے ہی ماسوا اللہ کی بندگی اور پرستش
کی نفی کے ساتھ ہی اللہ اکبر کا وہ نعرہ توحید بلند کیا جو آج تک
اسلامی دُنیا کا شعار ہے اور جس نے ہمیشہ ہر امتحان میں
اپنے استقلال اور بلند ہمت ارادوں سے باطل اور باطل پرستوں
کو شکست دے کر کفر و شرک کے سر بفلک کشیدہ قلعوں کی بنیادوں کو
کھوکھلا کر دیا۔

اگر ہم اس بلند ہستی کے مقابل کسی کو لاسکتے ہیں اور کوئی ذات
دُنیا میں ایسی پیش کی جاسکتی ہے تو وہ وہی ہوسکتی ہے جس نے حضرت
خلیل کی ڈالی ہوئی بنیادوں کو مکمل کرکے اُن کے مشن کو پورا کیا اور رضائے
الٰہی کے حصول کے لیئے نہ صرف اپنی ذریت کو بلکہ پیش کر دیا حضرت
خلیل کو ہمیشہ اپنے محبوب اور معشوق خدائے قدوس سے ہمکلام ہونے
کا موقع ملتا رہتا تھا اور طرح طرح کی راز و نیاز کی باتیں ہوتی تھیں لیکن
اس عاشق خدا نے بجز تعمیل احکام الٰہی کے کبھی اپنی خواہش کا اظہار
نہ کیا۔

حضرت خلیل باوجود چند مرتبہ اپنا تمام مال و دولت خدائے
قدوس کے راہ میں دے دینے اور لٹا دینے کے نہایت مالدار تھے

کثیر قطعات زمین کے مالک تھے۔ اُن کے کھیتے اور کوٹھے غلے سے
بھرے رہتے تھے۔ اُن کے گلے میں ہزارہا بھیڑ بکری۔ اونٹ شامل
تھے۔ یہ سب چیزیں خدا کی رضا مندی کے لیے یتیموں۔ ناداروں۔
لولوں۔ لنگڑوں۔ بیواؤں اور مسکینوں کے صرف میں آتی تھیں اور
صرف ایک دمشقی غلام الیعزار ان کا مختار تھا کیونکہ ان کے کوئی اولاد
نہ تھی۔

۸۵ برس عمر کے گزر گئے اور بظاہر اولاد کے ہونے کی
عمر بھی ختم ہوگئی کہ ایک شب جبکہ حضوری خاص میں راز و نیاز
کی باتیں ہو رہی تھیں ان کے دل میں خدا کی اس نعمت عظمےٰ
اور موہبت کبریٰ کا خیال آگیا اور اپنے عاشقانہ و مخلصانہ انداز
میں بطور شکوہ کہنے لگے۔ اے خداوندا تو مجھے کیا دے گا دیکھ
میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار دمشقی الیعزر ہے
پھر ابراہیم نے کہا دیکھ تو نے مجھے فرزند نہ دیا اور دیکھ میرا
خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ توریت کتاب پیدائش باب ۱۵ آیت ۲ و ۳

بارگاہ رب العزت میں صرف مانگنے والی زبان
اُٹھے اور پھیلے ہوئے ہاتھوں اور خلوص و نیاز سے بھرے
ہوئے طلب کرنے والے دل کی ضرورت ہوتی ہے اسباب
و ذرایع اور موانع کا لحاظ نہیں ہوتا صرف ایک لفظ کن سب
کچھ عالم وجود میں لے آتا ہے۔

فوراً ابراہیم کو جواب ملا۔ یہ تیرا وارث نہ ہوگا بلکہ
جو تیرے صلب سے پیدا ہوگا وہ تیرا وارث ہوگا اور وہ اس کو
باہر لے گیا اور کہا کہ آسماں کی طرف دیکھ اور ستاروں کو گن اگر تو گن
سکے اور دیکھ تیری اولاد ایسی ہی ہوگی۔ توریت کتاب پیدائش باب ۱۵
آیت ۴ و ۵۔

اس کے بعد وہ (ابراہیم) ہاجرہ کے پاس گیا اور
وہ حاملہ ہوئی پیدائش باب ۱۶ آیت ۴
اور ہاجرہ ابراہیم کے لیئے بیٹا جنی اور ابراہام نے
اُس کا نام اسمٰعیل رکھا اور جب ابراہیم کے لیئے ہاجرہ سے
اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا پیدائش باب ۱۶
آیت ۱۵ و ۱۶۔

اب ابراہیم کے لیئے ایک نئے امتحان اور آزمایش
کا دروازہ کھل گیا حضرت سارا زوجہ اولیٰ اور حضرت ہاجرہ
والدہ اسمٰعیل میں کچھ کشیدگی پیدا ہوئی اور سارا معصوم بچے اور
اُس کی ماں کے نکال دینے پر تیار ہوگئیں یہ ابراہیم کے لیئے
سخت دشواری اور دقت کا وقت تھا کہ وہ اپنے نور نظر اور
اُس کی ماں کو جدا کریں یا سارا کی نارضامندی برداشت کریں وہ
متامل تھے کہ کیا کریں آخر خدائے قدوس کا حکم پہونچا اور ابراہیم نے
ہاجرہ اور اسمٰعیل کو وادیٔ فاران میں جہاں اب مکہ معظمہ آباد ہے
اور جو اس وقت تک ایک غیر آباد اور بے زرع مقام تھا پہنچایا
اور اپنا یہ دستور مقرر کیا کہ کچھ روز اپنے وطن میں رہتے اور کچھ دن
وادیٔ فاران میں گذارتے۔

ایک رات جبکہ ابراہیم وادی فاران میں تھے انہوں
نے رویا میں دیکھا کہ خدائے قدوس قربانی کا حکم فرماتا ہے یہ
آٹھویں ذی الحجہ کی شب تھی صبح کو اُٹھے اور سو اونٹ قربان کر دیئے
شب کو پھر وہی خواب دیکھا نویں کی صبح کو پھر سو اونٹ اور قربان
کر دیئے پھر شب کو یہی خواب دیکھا تب پوچھا کہ بارالہا میں کیا
قربانی پیش کروں حکم ہوا کہ جو چیز تجھے سب سے زیادہ عزیز ہو
ابراہیم اپنے محبوب اور معشوق کے ادا شناس عاشق تھے سمجھ گئے
کہ یہ اسمٰعیل کی محبت کا امتحان لیا جاتا ہے کیونکہ ماسوا
اللہ میں اُن کو اسمٰعیل سے زیادہ کوئی شئے محبوب نہ تھی۔ ۸۶ برس

کی عمر میں پیدا ہوئے تھے سلسلۂ نسل و اجراء نبوت و رسالت کا ذریعہ تھے اسمٰعیل کے متعلق اُن سے اور ہاجرہ سے وعدے کیئے گئے تھے کہ اس دنیا کے تمام گھرانے برکت پائینگے اور بارہ سردار پیدا ہوں گے اور تمام وادی فاران اور اس کے سامنے کا ملک دریا تک اُن کی ملک ہوگا۔ لیکن کیا یہ امیدیں خدا کے اس جاں باز عاشق کو تعمیل حکم سے روک سکتی تھیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں صبح کو اٹھ کر حضرت ہاجرہ کو حکم دیا کہ اسمٰعیل کو نہلا دُھلا کر عمدہ لباس پہنا دو ہم ان کو اپنے دوست کے پاس لے جائینگے۔ حضرت ہاجرہ نے غسل دیا عمدہ کپڑے پہنائے بالوں میں شانہ کیا آنکھوں میں سرمہ لگایا اور باپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔

ابراہیم سات برس کے معصوم نور نظر کو خوشی خوشی فرمان ایزدی کی تعمیل میں قربانی کے لیئے لیئے جا رہے ہیں۔

انسان کا کھلا ہوا دشمن (ان الشیطان للانسان عدو مبین) شیطان اس کامیابی کے خیال سے دانت پیس رہا ہے اور چاہتا ہے کہ بی بی ہاجرہ کے دل میں خاوند کی طرف سے بدگمانی پیدا کرے مگر دھتکارا جاتا ہے اب اسمٰعیل کو ورغلاتا ہے لیکن کون اسمٰعیل جن کی پیشانی میں فاران سے چمکانے والے آفتاب کا نور دیکھنے والوں کی آنکھوں کو تملا رہا ہے۔ کون اسمٰعیل جس کی نسل سے دُنیا کا وہ سردار پیدا ہونے والا ہے جس سے دنیا کے تمام گھرانے برکت پائینگے (وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین) کون اسمٰعیل جس کی حفاظت اور برکت اور نبوت کا وعدہ ابراہیم اور ہاجرہ سے خود خدائے قدوس نے فرمایا کیا اسمٰعیل پر اس بدبخت کی چرب زبانی یا سحر بیانی اپنا کام کر سکتی ہے نہیں ہرگز نہیں آخر وہاں سے بھی پھٹکارا جاتا ہے اب خود حضرت خلیل کے پاس ایک معمر بزرگ کی شکل میں پہونچکر دھوکہ دینے کی سعی کرتا اور اس مقدس رویا کو اضغاث احلام و وسوسۂ شیطانی بتا کر باز رکھنا چاہتا ہے (ای بسا ابلیس آدم روئے ہست) مگر حضرت خلیل بیک نظر تاڑ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں چل دور ہو اے دشمن خدا و انسان اور قربانگاہ منیٰ میں پہونچ جاتے ہیں اور آپ اپنے نور نظر سے فرماتے ہیں یا بُنیَّ اِنّی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ (اے میرے بیٹے میں نے رویا میں دیکھا ہے کہ میں (بحکم خدا) تجھے ذبح کر رہا ہوں تیری کیا مرضی ہے۔

سعادت مند بیٹا ایک نبی اور رسول کا جگر بند جس کی پیشانی نور نبوت سے جگمگا رہی ہے بالائے سرش زہوشمندی ۔ میتافت ستارہ بلندی)

اپنے نازک ہونٹوں کو حرکت میں لاتا ہے اور خوشی خوشی جواب دیتا ہے یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصّٰبرین

اے میرے باپ اب وہ کام کیجیے جس پر آپ کو مامور کیا گیا ہے انشاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائینگے۔

بیٹے کا جواب سنکر ابراہیم کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے ادائے فرض کے لیئے آستین چڑھاتے ہیں دامن گردانتے جاتے ہیں چھری اور رسی نکال لی جاتی ہے پیارے اسمٰعیل کے ہاتھ پیر باندھ کر زمین پر ڈال دیا جاتا ہے ٹھوڑی پکڑ کر چہرا چھری پھیرنے کے لیے مروڑا جاتا ہے فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ اور بسم اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہکر معصوم کی گردن پر چھری پھیر دی جاتی ہے۔

زمین کا ذرہ ذرہ ابراہیم کی اس جسارت اور ہمت سے لرز جاتا ہے آسمانوں اور زمینوں کے فرشتوں میں ایک طوفان تلاطم برپا ہو جاتا ہے سب کے سب حیرت سے دیکھتے اور

براہیم کے عشق الٰہی کی داد دے رہے

ادھر ابراہیم دیکھتے ہیں کہ اسمٰعیل کے گلے پر خط بھی نہیں آیا اُٹھتے ہیں اور پتھر پر چھری کو تیز کرکے اسمٰعیل کو ذبح کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر بے سود پھر چھری تیز کرتے ہیں اور معصوم اسمٰعیل پر اپنے سارے جسم اور بازو کا زور صرف کر دیتے ہیں لیکن بیکار آخر غیظ و غضب میں چھری کو زمین پر پھینک دیتے اور تند نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہیں۔

چھری کو قوت گویائی عطا ہوتی ہے اور وہ کہتی ہے اے ابراہیم مجھ پر غصہ کیوں کرتے ہو جس طرح میرا کام کاٹنے کا ہے اُسی طرح آگ کا کام جلانے کا ہے یاد کرو کہ تم جب دہکتی ہوئی آگ کے آسمان تک پہنچنے والے شعلوں کے اندر پھینک دیئے گئے ہو تو آگ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور اُس کی طبیعت کیوں بدل گئی تھی۔ اے ابراہیم جس طرح آگ کو یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ کہکر تمہارے لیئے گلزار بنا دیا گیا تھا اسی طرح مجھے بھی گلوئے اسمٰعیل کے کاٹنے سے روک دیا گیا ہے اب تم ہی غور کرو کہ میں کس کا حکم مانوں، تمہارا یا اُس احکم الحاکمین کا جس کے حکم سے تم اسمٰعیل کو ذبح کرنا چاہتے ہو۔

ابھی ابراہیم چھری کی طرف متوجہ ہیں کہ پس پشت سے نعرہ تکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز بلند ہوتی ہے اسمٰعیل اُسی حالت میں زمین پر پڑے ہوئے پکار اُٹھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ خلیل دونوں آوازوں کو سُنتے ہیں اور ایک جوش میں کہتے ہیں واللہ اکبر اللہ اکبر کہ فوراً غیب سے اُس قدوس کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے وَلِلّٰهِ الْحَمْد۔

ابراہیم دیکھتے ہیں کہ ناموس اکبر یعنی جبرئیل امین ایک کیف اور سرور کے عالم میں ایک بہشتی دُنبہ لیئے ہوئے چلے آتے ہیں

اور ندائے فرحت افزا حضرت خلیل کے کانوں میں پہنچتی ہے کہ اے خلیل تو نے اپنی رویا کو سچا کر دکھایا ہم نے تیری قربانی قبول کی اور تحقیق کہ یہ تیری آزمایش تھی۔ ہم نے اسمٰعیل کی قربانی کو ایک بڑی قربانی سے بدل دیا اور اس کو آخر والوں پر چھوڑ دیا۔ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝

جبرئیل امین دنبہ پیش کرتے ہیں کہ اس کو ذبح کیجئے اور خدائے قدوس اور تمام ملائکہ ارض و سما کی طرف سے سلام پہنچاتے اور پیام الٰہی سناتے ہیں ادھر ابراہیم دنبہ کی قربانی کرتے ہیں اُدھر ناموس اکبر معصوم اسمٰعیل کے ہاتھ پیر کھول کر بدن کی مٹی جھاڑتے اور بالوں کو صاف کرتے ہیں اور منجانب اللہ حضرت ذبیح کو زیور نبوت سے آراستہ فرماتے ہیں۔

ابراہیم فارغ ہو کر دیکھتے ہیں تو اسمٰعیل انوار الٰہی سے مجسمہ نور بنے ہوئے ہیں خدا کی رحمتیں اُن پر نثار ہو رہی ہیں، منیٰ میں نور ہی نور پھیلا ہوا ہے پیارے بیٹے کو گود میں لے لیتے ہیں پیار کرتے ہیں اُس کے خط و خال کو بوسہ دیتے ہیں ادھر جبرئیل امین رخصت ہوتے ہیں اور ادھر ابراہیم خوش خوش اسمٰعیل کو لے کر بی بی ہاجرہ کے پاس پہونچاتے ہیں تمام واقعہ بیان کرکے اسمٰعیل کی نبوت کی خوش خبری دیتے ہیں حضرت ہاجرہ اپنے لڑکے کو گلے لگاتی ہیں اور بارگاہ بے نیاز میں سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں

قربانی درحقیقت اپنی خواہشاتِ نفس کی قربانی ہے جس طرح ابراہیم خلیل نے اپنے عزیز سے عزیز بیٹے اسمٰعیل کو قربانی کرنے میں دریغ نہ کیا اور جس طرح حضرت ذبیح نے جان سی عزیز شئے پیش کر دینے میں تامل نہ فرمایا۔

قربانی کا مقصد مسلمانوں کو اس جذبۂ ایثار و قربانی پر تیار کر دینا ہے، جس کا حکم حضرت رب العزت نے وجاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ میں فرمایا ہے اور جس پر عمل کر کے حضرت خلیل نے جو اپنے آپ کو پہلا مسلمان (انا اول المسلمین) کہنا فخر سمجھتے تھے اور حضرت ذبیح نے ہمیں بنا دیا اور ہمیں اس عظیم الشان واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ جو انسان خدا کے حکم کے مطابق اپنے نفس و اپنے مال کو قربان کرنے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے خدا اُس کو کس قدر عزیز رکھتا ہے۔

یہ وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم نے اس کو سنت سے اُجب میں منتقل کر دیا تا کہ ہر مسلمان اپنے مال اور اپنے نفس کی قربانی کے لیئے تیار ہو جائے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا واقعہ ختم ہو جاتا ہے اور اب صرف وفدینٰہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاخرین کا ایک منظر جو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور عبرت خیز اور دلچسپ ہے دیکھنا باقی رہ جاتا ہے۔

یہودی یا عیسائی مذہب کوئی دوسری خیال مابعد ابراہیم اس قربانی کی پیش نہیں کرتا بہشت کا دُنبہ جو جبرئیل امین نے لاکر پیش کیا فدیۂ عظیم نہیں ٹھیرایا جاسکتا کیونکہ وہ نفس ذبیح کے مقابل نہ کوئی وقعت رکھتا ہے نہ اہمیت علاوہ ازیں وترکنا علیہ فی الاخرین سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ محترم اور برگزیدہ ہستی جو حضرت ذبیح کا فدیہ قرار دی گئی انہیں کی نسل آخر اور نوع انسان سے ہو گئی اور اُن خوبیوں کی بلکہ اُن سے زیادہ اور عظیم خوبیوں کی حامل ہو گی جو حضرت ذبیح میں موجود تھیں۔

حضرت اسمٰعیل کے بعد اُن کی نسل میں سلسلہ نبوت و رسالت چلتا رہا یا نہیں اس کا کوئی صریحی ثبوت موجود نہیں ہے لیکن یہ امر مسلم ہے کہ نورِ رسالت جن پیشانیوں میں منتقل ہوتا رہا اپنی تابانی دکھاتا رہا جیسا کہ حضرت عبدالمطلب اور ابرہہ کا واقعہ ہمیں بتاتا ہے۔

حضرت ذبیح کی اولاد میں فاران کی چوٹیوں پر سے چمکنے والے آفتاب ہی کے وہ ذرات تھے جس کی تابانی نے دنیا کے ذرہ ذرہ کو منور کر دیا اور جو دنیا میں وہ آخر ذات ہے جس پہ نبوت اور رسالت کا خاتمہ ہو گیا۔

عبدالمطلب کے پوتے عبداللہ کے نورِ نظر آمنہ کے لاڈلے محمدؐ ہی کی وہ ذات ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور یوسف و یعقوب موسیٰ و ہارون یحییٰ اور عیسیٰ آدم اور شیث سب سے افضل سب سے مقدم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کی مصداق ہے اور جس کی نبوت و رسالت کا اقرار ہر نبی و رسول نے خدائے قدوس اور اپنی امت کے سامنے کیا ہے۔

حضرت ذبیح اُن تمام خصوصیات اور تجلیات کا آئینہ تھے جو اُن کے باپ ابراہیم میں موجود تھیں حضرت ابراہیم کو ہجرت کا حکم ملا اور انھوں نے ہجرت کی مگر زمانہ شعور میں۔ حضرت ابراہیم کی آزمایش خود اُن کی جان کی قربانی سے آگ میں ڈال کر کی گئی مگر وہ بھی جوانی کے زمانہ میں حضرت ذبیح نے ہجرت کی مگر جبکہ وہ بچہ تھے حضرت ذبیح اپنی جان کی قربانی پر آمادہ اور مستعد نظر آئے جبکہ وہ صرف سات برس کے تھے حضرت ابراہیم پر جبرئیل امین نازل ہوئے مگر اُس وقت جبکہ وہ خلعت نبوت سے مخلع کر دیئے گئے تھے لیکن حضرت ذبیح کی تسکین کے لیئے حضرت جبرئیل اُس وقت نازل ہوئے جب کہ وہ وادی فاران میں پانی کے لیئے ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔

حضرت ابراہیم سے جو وعدہ خدائے قدوس نے برکت

دینے اور رحمت نازل کرنے کا اُن کے دوسرے بیٹے اسحاق کے لیئے کیا وہی وعدہ اسمٰعیل کے لیئے کیا بلکہ اسمٰعیل کے وعدے میں بقدر زیادہ تھا کہ اُس کی اولاد سے تمام دنیا رحمت اور برکت حاصل کرے گی حضرت اسحٰق کی ماں حضرت سارہ کو جو خوشخبری حضرت اسحاق اور اُن کی اولاد کے متعلق دی گئی وہ براہ راست جبرئیل نے ہاجرہ کو پہونچائی اس لئے اسمٰعیل اور اولاد اسمٰعیل کو تفوق حاصل ہے۔

اب وفدینٰہ بذبح عظیم پر نظر کرتے ہوئے حضرت ذبیح کا وہ فدیہ جو اُن سے عظیم تر ہو سکتا ہے وہ وہی ذات ہو سکتی ہے جس کی نبوت تمام انبیا کی نبوتوں پر اور جس کی رسالت تمام رسولوں کی رسالت پر فوقیت رکھتی ہو یا اُس کی ذات کے مثل ہو۔

وفدینٰہ بذبح عظیم کا منظر آپ کو کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں سبط رسول حسین کی قربانی سے جو حضرت ذبیح کی قربانی سے پورے تیس روز بعد دسویں محرم کو ہوئی نظر آگیا۔

کون حسین جس کو رسول نے حسین منی وانا من حسین فرمایا۔ کون حسین جس کو خدا نے ابنا ءنا کے حکم سے ابن ٹھہرایا۔ کون حسین جس کو رسول نے سردار جوانان بہشت قرار دیا۔ کون حسین جس کی محبت میں رسول نے اپنے بیٹوں کو قربان کر دیا۔ کون حسین جس نے اپنے بچپن ہی میں اپنی محضر قربانی پر حضرت ذبیح کی طرح اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی کون حسین جو اپنے جد ابراہیم اور اسمٰعیل سے زیادہ آزمائشوں اور امتحانوں میں ثابت قدم رہا۔ کون حسین جس نے ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات کی تفسیر کو اپنے مال اپنی جان اپنے بچوں اپنے عزیزوں اپنے دوستوں کی قربانی سے مکمل کر کے حضرت خلیل اور حضرت ذبیح کی قربانیوں کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔

حسین کی قربانی حضرت ذبیح کی قربانی سے یقیناً عظیم تر ہے اس لیئے کہ نحر ذبیح کے ذبح کرنے والے ہاتھ شمر ذی الجوشن کے ناپاک ہاتھ تھے جس کو رسول نے کتے سے تشبیہ دی ہے۔

حسین کی قربانی حضرت ذبیح کی قربانی سے عظیم تر ہے اس لیئے کہ حسین تین دن کے بھوکے پیاسے تھے اور حضرت ذبیح آسودہ اور سیر حسین کی قربانی حضرت ذبیح کی قربانی سے عظیم تر ہے۔ اس لیے کہ حضرت ذبیح کا دل جوان بیٹے یا معصوم شیر خوار یا برابر کے بھائی یا بھتیجوں اور دوسرے عزیزوں اور دوستوں کی قربانیوں سے زخم خوردہ نہ تھا مگر حسین کا دل شیر خوار اصغر نوجوان قاسم دہ سالہ و نو سالہ عون و محمد قوت بازو عباس کڑیل اور جوان فرزند اکبر حبیب ابن مظاہر اور ایسے ہی دوسرے باوفا دوستوں اور عزیزوں کی شہادت سے پاش پاش تھا۔

حسین کی قربانی حضرت ذبیح کی قربانی سے عظیم تر ہے اس لیئے کہ حضرت ذبیح کے جسم نازک کو قبل قربانی کوئی آزار اور صدمہ نہ پہونچا تھا مگر حسین کے نازک جسم پر بر ولیتے نایداز نوسو اور بروایتے کم از کم تین سو بہتر زخم قبل قربانی موجود تھے۔

حسین کی قربانی حضرت ذبیح کی قربانی سے اس لیئے بھی عظیم تر ہے کہ حضرت ذبیح کو یہ خیال تھا کہ میرے بعد میری ماں ہاجرہ یا میرے بیوی بچوں کے ساتھ برا سلوک کیا جائے گا۔ مگر حسین اپنی قربانی کے وقت جانتے تھے کہ میرے بعد

میرے اہل بیت کے خیمے جلائے جائیں گے اُن کو کربلا سے شام تک ظالمانہ اور بہیمانہ سلوک کے ساتھ یزید کے دربار میں پیش کیا جائے گا حسین کا فدیہ اُن تمام فدیوں سے جو حق و صداقت کی قربان گاہ پر چڑھائے گئے اپنی قربانی کی نوعیت اپنی آزمائشوں اور امتحانوں کے لحاظ سے عظیم تر ہے۔

حسین نے صرف اپنے جد ابراہیم اور اسمٰعیل اور اپنے باپ محمد الرسول اللہ کے پہنچائے ہوئے دین کو قائم رکھنے کے لیئے خدا کے رستہ میں اپنی قربانی پیش کی اور سجدہ کرتے ہوئے اپنے سر کو کٹوا دیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سرحلقہ اربابِ وفا ہست حسین — شاہنشہ اقلیم ولا ہست حسین
درعرصہ ابتلائے تفتیش خلق — باللہ کہ امام دوسرا ہست حسین

(محوی)

جناب امام حسین علیہ السلام اور یزید کا شجرہ نسب

یزید کی پیدائش

اور

اُس کا چال چلن

اتحاف النبلاء میں تاریخ ابن خلکان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یزید خلیفہ عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوا اور اس کی ماں کا نام میسونہ بنت بجدل کلبیہ تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ مخبر صادق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی خبر شہادت سنکر اور اس پر یہ معلوم کرکے کہ وہ ناخلف میرے ہی صلب سے ہونے والا ہے معاویہ ابن ابوسفیان نے عرصہ تک عورتوں سے مقاربت ترک کردی تھی۔ قضائے کار ایک بار ایسی ضرورت واقع ہوئی جس کا دفعیہ مقاربتِ نسوانی کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ وہ سفر کا عالم تھا۔ معاویہ تنہا تھا حکمانے بہت تلاش کے بعد میسونہ کے باپ کو معاویہ کے ساتھ عقد کردینے پر راضی کیا اور اس نے اپنی لڑکی کا عقد اس سے کردیا اُسی کے بطن سے یزید کی ولادت واقع ہوئی۔

میسونہ نہایت حسین وجمیل تھی لیکن چونکہ وہ صحرائی قبیلہ کی اور نہایت غریب تھی اس لئے یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ دارالامارۃ اور قصر شاہی کی آزمائشوں سے خوش ہوگی اور معاویہ کے ساتھ ہشاش بشاش رہ کر اپنی زندگی بسر کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا اور معاویہ اور میسونہ کے فیما بین ان بن ہی رہی اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ آخرکار معاویہ کو اُس سے قطع تعلق اور کنارہ کشی ہی کرتے بن آئی۔

اس قطع تعلق کے اسباب مورخین نے مختلف لکھے ہیں علامہ دمیری نے تو اپنی کتاب حیوٰۃ الحیوان میں اس قطع تعلق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ:۔

"ولما اتصلت میسون ابنۃ بجدل الکلبیۃ ام یزید ابن معاویہ نتقلها من النجد الی الشام و کانت ذات جمال باھر وحسن عامر ناعجب بها معوٰیۃ فانشدت وقالت لمعوٰیۃ علج علوق فلما دخل معاویۃ عرفیۃ من کانت سامعۃ بقولها ھٰذا فقال فارضیتنی جعلتنی علجا عنوقا فھی طالق ثلاثہ ولناخذ جمیع ماھو فی القصر فانہ لها ثم سیرھا الی اھلها بنجد وکانت حاملۃ بیزید فولدتہ وارضعتہ سنتین ثم اخذ بہ معاویہ منها"

یعنی جب میسونہ بنت بجدل الکلبیہ مادر یزید سے معاویہ نے ملاقات کی تو اُس کو نجد سے شام میں بلا لیا۔ میسونہ بہت بڑی صاحب حسن وجمال اور مقبول صورت تھی۔ معاویہ اس پر

زیفیتہ تھا میسونہ نے معاویہ کی نسبت اشعار کہے اور اُن میں اس کو علج علوق (ناک چھدے ہوئے بچھڑے) سے تشبیہ دی۔ معاویہ اُس وقت قصر میں آیا۔ جب وہ یہ اشعار پڑھ رہی تھی اُسی نے ان اشعار کو اُسے پڑھتے ہوئے سُن لیا تو میسونہ سے پوچھنے لگا کہ کیا تو مجھ سے رضامند اور خوشنود نہیں ہو جو مجھ کو ایسے کریہ الفاظ علج علوق سے مثال دیتی ہو۔ پس اُس کو تین طلاق دیئے اور جو کچھ اُس کا اثاثہ قصر میں تھا اُسے دے دیا۔ پس وہ اپنے لوگوں سے نجد میں جا ملی۔ اور اُس کو یزید کا حمل ہو چکا تھا پس وہیں اسی صحرا میں یزید پیدا ہوا اور دو برس تک ماں کے پاس پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد معاویہ کے پاس یزید کو لے آئے۔

اور مؤرخ ابو الفدا نے بھی اس کی نسبت ایسی ہی وجہ ظاہر کی ہے لیکن اس میں تمثیل دوسری دکھائی گئی ہو۔ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

"یزید کی ماں میسونہ بنت بجدل الکلبیہ تھی وہ اپنی ماں کے ساتھ اُس کے کنبہ کے درمیان بادیہ کلب میں رہا کرتا تھا یزید اور اُس کی ماں کے بھیجے کا باعث یہ تھا کہ یزید کی ماں میسونہ مذکورہ ایک روز شعر پڑھ رہی تھی منجملہ اُن کے یہ شعر بھی تھا:۔

وخرق من بنی عمی فقیر احب الیّ من علج عنیف

یعنی کمانش کہ میں بیاہی جاتی اپنے غریب اور نادار چچازاد بھائی کے ساتھ تو اُس کو میں اس گوسالہ کاہ خور کے مقابلہ میں بہتر سمجھتی۔ معاویہ نے کہا کہ میسونہ مجھے گوسالہ کاہ خور سے مثال دیتی ہے۔ اگر تجھ کو میرے گھر میں رہنا منظور نہیں ہے تو جا اپنے کنبہ میں رہ اس لیئے وہ بنی کلب کے جنگل میں جہاں اُس کا ملک تھا چلی گئی۔ یزید کو بھی اپنے ساتھ لیتی گئی۔ اُس نے اپنے نانا کے گھر پرورش پائی (ترجمہ تاریخ ابو الفدا مطبوعہ دہلی صفحہ (۲۴۶)

عرب کے مشہور مؤرخ عبوسی منصوری نے اپنی تاریخ زبدۃ الفکر فی تاریخ الہجرہ میں کہ خاص بنی امیہ کے حالات میں تحریر کی گئی ہے بعینہٖ یہی صورت بیان کی ہے اور میسونہ بنت بجدل الکلبیہ کے یہ اشعار لکھے ہیں:۔

البس عباءۃ تقر عینی	احب الیّ من لبس الشفوف
وبیت تخفق الارياح فیہ	احب الیّ من قصر المنیف
واصوات الرياح بکل فج	احب الیّ من الدنوف
وکلب ینبح الاضیاف منہ	احب الیّ من هر الوف
وبکر تیبع الاضعان صعب	احب الیّ من بر فوف
واکل الصب والیربوع ذابی	احب الیّ من اکل الرغیف
وخرق من بنی عمی فقیر	احب الیّ من علج عنیف

یعنی میری عبا کا یہی موٹا کپڑا میری آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والا ہے اور میں اسی کو لباس ہلئے فاخرہ سے زیادہ پسند کرتی ہوں اور میں ایسے گھر کو جس میں ہوا مشکل سے آتی ہو اس قصر بلند سے زیادہ پسند کرتی ہوں۔ اور مجھ کو ہوا کی وہ آوازیں جو گڑھے میں گونجتی ہیں اُن آوازوں سے زیادہ پسند ہیں جو باجوں میں بھری جاتی ہیں اور میں اُس کتے کو جو مہمان کی پاسبانی کرتا ہے ہزار بلیوں سے کہیں زیادہ پسند کرتی ہوں اور دوشیزہ اونٹنی میرے نزدیک ناقہ بچہ دار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ اور میرے جانوروں کا سوسمار اور دراد گوش کھانا میرے نزدیک روٹی کے ٹکڑوں سے کہیں زیادہ مرغوب ہے۔ میں اپنے بنی اعمام میں سے ایک دلیر شریف النسل جوان کو بمقابلہ اس سانڈ بد رفتار کے زیادہ پسند کرتی ہوں۔

معاویہ نے اپنی نسبت ایسی سخت اور صاف ہجو سُن کر میسون کو طلاق دے کر اُس کے گھر کی طرف بھیجدیا۔

لیکن صاحب ناسخ التواریخ کتاب تجارب السلف سے اس طلاق کا کچھ عجیب باعث بتلاتے ہیں۔ چنانچہ اس کی اصلی عبارت ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"پدر میسون بجدل را غلامے بود کہ سفاح نام داشت میسون با او باب راز و نیاز فراز بود از وے حامل گشت و بسرائے معاویہ آمد چوں دوشیزگی نداشت و حملش ہنوز آشکار نہ بود۔ ایں معنی پوشیدہ نماند تا گاہیکہ بار فرونہاد معاویہ اورا پسر خویش دانست و بنام یزیدش خواند ایں بود تا ایں ہنگام کہ معاویہ از میسون برنجیدہ داورا طلاق گفت او برفت و با اہل خویش پیوست و در حواتین اقامت جست" (ناسخ التواریخ جلد صفحہ ۱۵۵)

بہر حال سبب طلاق کچھ بھی ہو ہمیں تو یہ دکھانا تھا کہ یزید اپنے باپ معاویہ کے گھر پیدا نہیں ہوا بلکہ اپنی ننھیال میں پیدا ہوا۔ یعنی وادی کلب کے لوگوں میں جو اس زمانہ میں علاقہ نجد کے جنگلوں میں رہتے تھے اور یزید نے انہی لوگوں کے ساتھ پرورش پائی۔

مولوی عبدالحکیم صاحب جو شہر آرہ کے مشہور حنفی علماء میں سے تھے مسدس کربلا کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ یزید کے ظالم۔ خونخوار اور شقی ترین ہونے کی وجہ یہی تھی کہ اُس نے شروع ہی سے صحرا میں پرورش پائی تھی۔ ہمیں بھی مولوی صاحب کی اس تحریر سے پورا اتفاق ہے کہ صحرائی آب و ہوا اور وحوش صفت بدوؤں کی صحبت نے یزید کی طبیعت سے انسانیت کے جوہر نکال کر حیوانیت کے تمام اجزا کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے اُسمیں نہ تہذیب تھی نہ شائستگی۔ نہ اخلاق تھے نہ آداب۔ جس کی خاص وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایک عرصہ تک اہل عرب کی اعلیٰ سوسائٹی سے بالکل علحدہ رہا تھا۔ یزید کی ننھیال میں نہ کوئی پڑھا لکھا تھا۔ نہ تعلیم و تہذیب تھی نہ ایسے لوگوں کی وہاں آمد و رفت تھی اور نہ اُس قبیلہ سے مہذب و شائستہ اور با اخلاق لوگوں کے ساتھ کوئی ارتباط و اتحاد تھا جس کی وجہ سے یزید کی تعلیم و تربیت کی کوئی اُمید کی جاسکے۔

یزید سن شعور کو پہونچکر کبھی اپنی ماں کے پاس بھی رہتا تھا اور کبھی کبھی باپ بھی شفقت پدری کے تقاضہ سے اس کو شام میں بُلا لیا کرتا تھا تو یہ چند روزہ عارضی صحبت اُس کے اخلاق و آداب کو کہاں تک درست کرسکتی تھی۔ بہر حال تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یزید اپنی ماں میسونہ کے شاعر ہونے کی وجہ سے اور قبیلۂ بنی کلب کی شاعری کے سبب سے جو اس میں عموماً سب کے ساتھ موجود تھی شاعر ضرور تھا اور شراب و کباب کی رنگین صحبتوں نے اس کے مذاق شعری میں ایک خاص رنگ اور لذت پیدا کردی تھی اور وہ بلا تامل فی البدیہہ شعر نکالنے لگا تھا لیکن جہاں تک غور کیا جاتا ہے یزید کی طبیعت صلاحیت کی طرف مائل نہیں پائی جاتی بلکہ اُس کے اشعار کفر و الحاد کے مضامین سے پُر ہیں۔ اُس کی کوئی نظم ایسی نہیں جس سے کسی محاسن اخلاق یا آداب کی تعلیم حاصل کی جاسکے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں صرف ایک ہی شعر لکھ کر اُس کے چال چلن کی طرف توجہ کرتے ہیں کیونکہ حالات زیادہ ہیں اور جگہ بہت کم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک دن یزید کی صحبت شراب و کباب

گرم تھی۔ خمر کے ممنوع ہونے اور شارب الخمر کے سزا پانے کا ذکر آیا تو یزید نے فی البدیہ یہ شعر تصنیف کر کے پڑھا ؎

ما قال ربک ویل للذین سکروا
بل قال ربک ویل للمصلین

یعنی تیرے خدا نے یہ نہیں کہا ہے کہ جہنم ہے اُن لوگوں کے واسطے جو پیتے ہیں۔ بلکہ تیرے خدا نے یہ کہا ہے کہ جہنم ہے اُن کے واسطے جو نمازیں پڑھتے ہیں (معاذ اللہ)

۱۱ چال چلن

یزید کے چال چلن کی یہ کیفیت تھی کہ ہر وقت صحبت عیش برپا تھی۔ شراب روحی کے دور پر دور چل رہے تھے۔ شاہدان پری پیکر کے ہر وقت جمگھٹ لگے رہتے تھے اور پریوں کے اس اکھاڑے میں خلافت اسلامی کا یہ رنگیلا اور البیلا ولیعہد پورا پورا کنہیا بنا ہوا داد عیش دے رہا تھا۔ یزید کا سن پورے شباب پر تھا اور سمجھو اکیلا اُس کا سن ہی شباب پر نہیں تھا بلکہ اُس کی تمام آرزوئیں۔ تمنائیں۔ خواہشیں۔ اور امیدیں بھی اسی حد تک پہونچی ہوئی تھیں۔ پھر اس کی مجنونانہ دراز دستیوں کا کیا پوچھنا۔ اگر یہ اپنے نشہ کی ترنگوں میں اپنے حاہوں سماں کو چھو لیتا تو بھی کم تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضہ کو غدر کا پیغام

اس مجنونانہ حالت میں اس کی سرکش مغرور اور مرتد طبیعت نے اس کو ایک ایسی ناشائستہ حرکت کے اقدام کی طرف جرأت دلائی جو معاذ اللہ کبھی کسی مسلمان سے تو ہو نہیں سکتی تھی۔ اس کے اسی ایک فعل سے خدا و رسول دونوں کا انکار قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں اس نالائق نے ام المومنین حضرت عائشہ رضہ سے عقد کا پیغام کہلا بھیجا۔ اور ایسی حالت میں کہ اُن کا سن مبارک ساٹھ برس کے قریب پہنچ گیا تھا اور وفات کا تھوڑا ہی عرصہ باقی رہ گیا تھا۔ یہ غریب تو سر پیٹ کر رہ گئیں مگر مسلمانوں میں عام شورش پھیل گئی اور تمام اکابر اسلام نے وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ کی نص صریح دکھلا کر اس بدبخت ازلی کو بہت کچھ لعنت ملامت کی اور جب معاویہ کو اس کی خبر لگی تو اس نے کسی نہ کسی طرح اس بڑھتے ہوئے فتنہ کو روک دیا۔ اور ہر شخص کو اپنے اپنے مقام پر خاموش کر دیا۔

اس واقعہ کا ذکر حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اُس مقام پر کیا ہے جہاں اس کے جوانمرگ مرنے کی وجہیں لکھی ہیں۔ اور اس کے جوانمرگ مرنے کو عذاب الٰہی کا باعث بتلایا ہے۔ اور عذاب الٰہی کے نازل ہونے کی دو وجہیں لکھی ہیں۔ ایک تو یہی حضرت ام المومنین رضہ سے خواستگاری۔ دوسرے سبط رسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام کا خون ناحق۔

امام حسینؑ کو دعوتِ شراب

یزید کی صحبت شراب و کباب ہر وقت گرم رہتی تھی۔ اس کے مجمع ناجائز میں ہمیشہ ایسی ہی چرچے رہتے تھے جن کو نہ انسانی شائستگی سے کوئی تعلق تھا نہ اخلاقی تہذیب سے کوئی واسطہ ع

منم وخیال ساغر منم وخیال خوباں

کا عالم چار سو طرف طاری تھا۔ نہ کسی سے حیا باقی تھی نہ لحاظ شدہ شدہ یہ نوبت پہنچی کہ گھر گھر سفر میں بھی یہ معشوق پری پیکر یعنی دخت رز ہمیشہ بغل میں دبی رہنے لگی۔ یزید کی شراب خواری

کی ایک دلیر مثال نمونہ کے طور پر یہ ہے کہ جس سال معاویہ نے رعایا کی تالیف قلوب کے خیال سے اس کو حج مکہ کے واسطے بھیجا اس سال اس کی تخت نشینی کا مسئلہ درپیش تھا۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس کے اخلاق پبلک کے سامنے پیش کیے جائیں اور اس کے واسطے قبولیت عام حاصل کی جائے۔ مگر ایسے نازک وقت میں بھی اس بدمست نے اپنی شرابخوری کی بُری عادت کو نہ چھوڑا۔ مکہ میں بھی علانیہ پیتا رہا۔ مکہ سے مدینہ آیا تو یہاں بھی سات دن شراب وکباب کی صحبت برپا رہی۔

علامہ ابن اثیر تاریخ کامل جلد چہارم میں لکھتے ہیں:۔

حج یزید فی حیوٰۃ الحیوان فلما بلغ المدینۃ جلس علی شراب لہ فاستاذن علیہ ابن عباس والحسین علیہ السلام فقیل لہ ابن عباس ان وجد ریح الشراب عرفہ فحجبہ واخذ الحسین علیہ السلام فلما وجد رائحۃ الشراب مع الطیب فقال اللہ درّ طیبک وما اطیبہ فما ھذا قال ھو طیب لیصنع بالشام ثم دعا بکاس فشرب ثم دعا باخری فقال اسق یا ابا عبد اللہ فقال لہ الحسین علیہ السلام علیک شرابک ایھا المرء لا عین علیک منی فقال یزید ؎

الا یا صاح للعجب دعوتک ذا فلم تجب
الی الفتیات والشہوت والصھباء والطرب

یعنی یزید نے اپنے باپ کے وقت میں حج کیا۔ جب مدینہ پہنچے تو شراب وکباب کا دور چلا۔ حضرت ابن عباسؓ اور جناب امام حسین علیہ السلام ملاقات کو آئے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یاروں نے کہا اگر ابن عباسؓ آئے اور اُن کو اس کی بو محسوس ہوئی تو پہچان جائیں گے چنانچہ ابن عباسؓ ٹال دیئے گئے اور جناب امام حسین علیہ السلام بلائے گئے۔ جب ان کی ناک میں شراب کی بو آئی تو یزید سے فرمانے لگے۔ یہ کیسی بو ہے یہ کیا چیز ہے۔ یزید بولا یہ ایک خوشبودار شربت ہے جو شام میں تیار ہوتا ہے۔ پھر اس نے ایک قدح مانگا اور پی گیا۔ پھر دوسرا طلب کیا اور جناب امام حسین علیہ السلام کے آگے بڑھایا اور کہا اے ابو عبداللہ پیجئے۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا مجھے معاف کرو۔ تم پیو میں کسی سے کبھی نہ کہونگا۔ تب یزید نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔ اے دوست ہم نے تم کو دعوت دی تم نے رد کر دی۔ میں نے تمھیں عیش وطرب کی طرف بلایا۔ لیکن تم نے قبول نہیں کیا (دیکھو شہادت حسین علیہ السلام صفحہ ۴۹)

یزید محرمات کے ساتھ نکاح جائز سمجھتا تھا

یزید نے شراب خواری ہی کو عام نہیں کیا تھا بلکہ اس نے محرمات شرعیہ کو بھی حلال کرنے کی عام کوشش شروع کر دی تھی۔ اور اُن تمام محرمات کے جواز کا محرک ہوا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر و امام سیوطی یزید کے ذکرہ میں لکھتے ہیں

"کان رجلاً ینکح امھات واولاد البنات وبنات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ"

یعنی یزید ایسا شخص ہو جو اپنے باپ کی بیٹیوں (ماؤں) کے ساتھ اور بیٹیوں کی بیٹیوں کے ساتھ اور حقیقی بھائی اور بہن کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح جائز سمجھتا ہے اور شراب پیتا ہے اور نماز کو ترک کرتا ہے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ اس شہوت پرستی کی کوئی انتہا ہے (اب مرزا حیرت جیسے حامیان یزید فتویٰ دیں کہ حکم لگائیں کہ یزید کیا تھا؟)

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹)

خصوصیات حضرت امام عالیمقام

قرآن مجید سے حسین مظلوم کی شان

آپ بحکم قرآن رسول خدا کے فرزند ہیں

پروردگار عالم نے جناب امام حسین علیہ السلام کو بحکم محکم: فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم ... علی الکاذبین۔

یعنی "پھر جو شخص اس بارے میں تجھ سے حجت کرے بعد اس کے کہ تیرے پاس علم آگیا ہے تو تو کہدے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو (تم) اور اپنی عورتوں کو ہم بلائیں اور تمہاری عورتوں کو (تم) اور اپنے نفسوں کو ہم بلائیں اور اپنے نفسوں کو (تم بلاؤ) پھر دعا مانگیں پس لعنت چاہیں اللہ سے جھوٹوں پر"۔ فرزند رسول مقبول ...

چنانچہ تفسیر حسینی میں اس آیہ مباہلہ کی بابت تحریر ہے کہ:۔

اہل کذب کو جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت رسالت نے ایلچیان نجران کو طلب کر کے کہا ہر چند ہم دلائل زیادہ لاتے ہیں عناد اور منازعت تمہاری بڑھتی ہے اب آؤ تم تو مباہلت میں مشغول ہو دیں ہم ناصادق کا ذب سے اور محق مبطل سے جدا ہو جائے نصاریٰ اس صورت پر راضی ہو کر وقت اور جگہ مقرر کی۔ دوسرے روز حضرت رسالت نے حسینؑ کو گود میں لے کر امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑ کر اور فاطمہ زہراؑ کو عقب میں اور علی مرتضیٰؑ کو ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ خواجۂ عالم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا۔ اس حال میں نصاریٰ نے مباہلہ سے پشیمان ہو کر صلاح کار اپنی صلح میں دیکھی اور باوجود اس کے پیغمبر نے برابر صف کھینچی جب سرداران کے نے حضرت سید کو مع اہلبیت کے دیکھا فریاد برلایا اور کہا اے یارو مباہلہ ان بزرگواروں سے پرہیز کرو قسم خدا کی میں وہ صورتیں دیکھتا ہوں کہ اگر خدا سے درخواست

کریں پہاڑوں کو اُن کی جگہ سے نیست و نابود کر دیں"۔

لہذا صاف ظاہر ہے کہ رسولِ پاکؐ نے تعمیل حکم ابناءنا حسنؑ و حسینؑ کو اپنے ہمراہ لیا۔ پس اس فعلِ حبیبؐ سے ظاہر و باہر ہے کہ منشائے الٰہی کے مطابق حسینؑ کا شمار آنحضرت کے فرزندوں میں ہے۔

تفسیر زاد الآخرت منظوم سے بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جب اس آیت کو حق نے بھجوایا — اُن کو بلوا نبی نے فرمایا
کہ میں ہر چند تم کو سمجھاؤں — حجت صدقہ سے پیش آؤں
ہو خصومت پہ بس کہ مائل تم — ہوتے ہرگز نہیں ہو قائل تم
کچھ نہ بن ابتہال کے ہے علاج — آؤ ہم تم کریں مباہلہ آج
تاکہ معلوم کر لو تم سچ کو — امر باطل سے حق ممیز ہو
سب نے یہ امر کر لیا منظور — ٹھہرا آپس میں ابتہال ضرور
اک مقام اور وقت ٹھہرایا — عزم حضرت نے وہاں کا فرمایا
آئے حسنین کا پکڑ کر ہاتھ — فاطمہ اور علی کو لیکر ساتھ
کہہ رکھا آپ نے یہ اُن کے تئیں — میں دعا جب کروں کہو آمین
قوم ترسا کا وہ جو تھا سردار — دیکھ کر حال سے ہوا بیزار
خوف اور اشتعال میں آیا — قوم کو اپنی منع فرمایا
کہ وہ آگے نبی کے جائیں نہیں — ابتہال اُن سے بن وہ لائیں نہیں
ہے محمد کا اب وہ رتبہ و حال — تہہ و بالا کرے زمین و جبال
صلح کو سب نے اختیار کیا — اور جزیہ اُنھوں نے مان لیا

پس معلوم ہوا کہ خدائے تعالےٰ حسینؑ علیہ السلام کو اپنی توحید کی حجت قرار دیتا ہے۔ حسینؑ اگرچہ ابھی بچے ہی تھے مگر نانا کے ساتھ توحید کی تبلیغ میں شامل کیے گئے۔ اور توحید و اسلام کی صداقت پر فدا ہونے کے لیے مباہلہ میں پیش ہوئے۔

حسین بحکم خدا اہلبیت رسول میں شامل ہیں

صحیح مسلم میں ہے:۔

ان علیا و فاطمۃ و حسنا و حسینا جاؤ فادخلہم النبی علیہ السلام فی کساء من شعر اسود کان علیہ ثم قال انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس الآیۃ

یعنی کہ تحقیق علی اور فاطمہ اور حسن و حسین (علیہم السلام) رسول کے پاس آئے۔ رسول اللہ سیاہ بالوں سے بنی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے تھے ان سب کو رسولؐ نے اُس چادر میں لے لیا اور فرمایا کہ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس الخ سوائے اس کے نہیں کہ خدائے جلیل نے تم سے رجس و ناپاکی کو دور فرمایا ہے اور تم کو پاک و پاکیزہ کر دیا ہے۔

مسند امام احمد حنبل میں بروایت صحیحہ ام المومنین حضرت ام سلمہ سے منقول ہے:۔

"انہ علیہ السلام کان فی بیتہا فجاء علی و فاطمۃ و ابناہما و جلسوا عندہ علی کساء خیبری فانزل اللہ ہذہ الآیۃ فاخذ فضل الکساء و غطاہم بہ ثم اخرج یدہ و الوی الی السماء و قال اللہم ہؤلاء اہل بیتی فاذہب الرجس عنہم و طہرہم تطہیرا قالت فادخلت راسی البیت فقلت و انا معکم یا رسول اللہ

فقال انک الی الخیر واحادیث التی ھی اصرح فی ھذا المعنی کثیرۃ"

یعنی جناب رسالت مآب ام سلمہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے پس علی اور فاطمہ اور اُن کے دونوں بیٹے آئے اور رسول اللہ کے پاس بیٹھے آنحضرت ایک خیبری چادر اوڑھے ہوئے تھے پس خدا نے اس آیت کو (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا) نازل فرمایا رسولؐ نے چادر اُن کو اُڑھائی اور آسمان کی جانب رخ کر کے فرمایا۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب الرجس عنھم وطھرھم تطھیرا۔ خدایا یہی میرے اہل بیت ہیں پس ان سے رجس کو دور فرما اور اُن کو پاک و پاکیزہ گردان۔

ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنا سر داخل کر کے عرض کی یارسول اللہ میں بھی آپ حضرت کے ساتھ ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا تو خیر پر ہے۔ تو خیر پر ہے۔

(زیادہ تفصیل اور دیگر حوالجات کی ضرورت ہو تو مناقب احمد حنبل صحیح ترمذی صفحہ ۵۴۰۔ صحیح مسلم صفحہ ۲۸۳ باب فضائل حسنین۔ تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۱۴۳۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۶۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۰۷۔ مودۃ القربیٰ صفحہ ۳۸۔ فصول المہمہ علی ابن محمد ابن صباغ المالکی صفحہ ۹ و ۱۱۔ مطالب السؤل ابوطلحہ شافعی صفحہ ۲۵۔ تفسیر حسینی ملاحسین کاشفی صفحہ ۱۶۱۔ ہدایت المسائل نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم بھوپالی صفحہ ۳۵۔ کتاب الشافی حقوق المصطفےٰ" قاضی عیاض جلد دوم صفحہ ۴۱ نیز ابن جریر وطبرانی ملاحظہ فرمائیے۔

امام حسین کا نام "حسین" رسول خدا نے رکھا

امام احمد بن حنبل نے "مناقب" میں اور طبرانی نے "معجم ثلاثہ"

میں اور علامہ دار قطنی نے اپنی "سنن" میں اور امام حاکم نے مستدرک میں اور امام بیہقی نے "سنن" میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:۔

قال علی علیہ السلام لما ولد الحسن سمیتہ حربا فجاء رسول اللہ فقال ارونی ابنی ما سمیتموہ قال حربا قال ھو حسن۔ فلما ولد الحسین سمیتہ حربا فجاء رسول اللہ فقال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلنا حربا فقال ھو حسین وقال انما سمیتھم بولدی ھارون شبر وشبیر۔

جناب امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حسن پیدا ہوئے تو میں نے اُن کا نام "حرب" رکھا پس آنحضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے میرے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے ہم نے عرض کیا "حرب" آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا نام "حسن" ہے پھر (جناب) حسین پیدا ہوئے تو ہم نے اُن کا نام بھی "حرب" رکھا پھر آنحضرت صلعم تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ میرے بیٹے کو دکھاؤ تم نے اُس کا نام کیا رکھا ہے میں نے عرض کی "حرب" آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا نام "حسین" ہے۔ میں نے ان دونوں کے نام ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کے نام پر رکھے ہیں۔

امام حسین لعاب دہن رسول خدا چوستے تھے

جلاء العیون میں علامہ ابن ضحاک حضرت ابوہریرہ کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ عن ابی ھریرۃ قال رایت رسول اللہ

یمتص لعاب الحسین کما یمتص الرجل تمرۃ

یعنی ابو ہریرہ رضؓ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت کو دیکھا کہ جناب امام حسین علیہ السلام کے لعابِ دہن کو اس طرح چوستے تھے جس طرح سے آدمی کھجور کو چوستا ہے۔

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حسین علیہ السلام کس درجہ عزیز تھے۔ ایڈیٹر)

امام حسینؑ جناب سرورِ کونین کی ہم شبیہ تھے

جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا امام حسین علیہ السلام کو کھلانے اور سلانے کے وقت لوری کے طور پر یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں ؎

أَنْتَ شَبِيهٌ بِأَبِي   لَسْتَ شَبِيهًا بِعَلِيّ

تو میرے باپ سے مشابہ ہے   تو (اپنے باپ) علی سے مشابہ نہیں

ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۰۔ ترمذی صفحہ ۶۲۵۔ سر الشہادتین صفحہ ۳۶۔ شہید اسلام۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۵۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۶۵ ملاحظہ فرمایئے)

امام حسینؑ کو کھلانے کے وقت آنحضرت کی دُعا

ناسخ التواریخ میں ہے:۔

جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم با ہر دو دست کتف امام حسین علیہ السلام را می گرفت و قدم ہائے او بر قدم رسول می ماند پس آنحضرت می فرمود حزقہ حزقہ ترق عین بقہ اللھم انی احبہ فاحبہ واحبب من یحبہ اے کوچک اندک خطوہ اے کوچک چون چشم پشہ بالا بیا۔ بالا بیا آنگاہ می فرمود الٰہی آنرا دوست می دارم تو ہم آنرا دوست دارد دوست دار تو او را کہ حسینؑ را دوست دارد"

طبرانی نے معجم میں اور امام ابو عمر نے اسی مضمون کو ابو ہریرہ کی اسناد سے لکھا ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:۔

عن ابی ھریرۃ قال ابصرت عیناي وسمعت اذنای رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم وھو اخذ بکفی حسین وقدماہ علی قدمی رسول اللہ وھو یقول حزقہ حزقہ ترق عین بقہ فرقی الغلام حتی وضع قدمیہ علے صدر رسول اللہ فقال افتح فاک ثم قبلہ، ثم قال اللھم انی احبہ فاحبہ"

یعنی ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دونوں کانوں سے سُنا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم دونوں ہاتھ امام حسین کے پکڑے ہوئے تھے اور امام حسین کے دونوں قدم سینہ مبارک پر تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ اے مچھر کی سی آنکھ کی طرح ننھے سے بچے! آگے بڑھ! آگے بڑھ! سہج سہج (راوی کا بیان ہے کہ) شاہزادہ اتنا آگے بڑھا کہ اُس کے دونوں قدم حضور کے سینۂ مطہر پر رکھے گئے پھر آپ نے فرمایا کہ اپنا منہ کھول اور آپ نے اُن کے منہ کو چوما۔ پھر فرمایا۔ پروردگارا! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ۔

افسوس ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تو جناب امام

حسنین علیہ السلام کو اپنا محبوب اور اپنا بیٹا فرمائیں اور یزید باوجود اپنے پدر بزرگوار حضرت معاویہ کی وصیت کے کہ حسین کو مت ستائیو وہ جہاں چاہیں جائیں اور جہاں چاہیں رہیں تو ان سے تعرض مت کیجیو اور ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیو۔ حسین کا خون اپنی گردن پر لے کر خدا کے سامنے نہ جائیو اور حسین کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیجیو کیونکہ وہ رسول خدا کا فرزند ہے " تین روز کا بھوکا پیاسا شہید کرادے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

رسول خدا حسینؑ کو اپنے کندھوں پر سوار کیا کرتے تھے

ایک دن حضرت عمرؓ خدمت رسول معظم میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حسینؑ آنحضرت کے کندھوں پر سوار ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے امام حسین علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا نعم الجمل جملک یا اباعبد اللہ

یعنی اے اباعبد اللہ (حسین) آپ کی سواری کا اونٹ کیا اچھا ہے۔ یہ سنکر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نعم الراکب ھو" اے عمرؓ! یہ سوار بھی تو دیکھو کیسا اچھا ہے۔

(دیکھو ناسخ التواریخ۔ کشف المحجوب۔ وسیلۃ النجات ملا مبین فرنگی محلی صفحہ ۲۶۶ وصفحہ ۲۶ و ینابیع المودۃ صفحہ ۱۶۴)

جو حسینؑ کا دشمن ہے وہ رسول خدا کا دشمن ہے

جناب رسول خدا نے فرمایا ہے من احب حسنا و حسینا فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی

یعنی جو حسن و حسین کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔

(ملاحظہ ہو صحیح ترمذی صفحہ ۲۱۸۔ تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی بحوالہ صحیح بخاری و صحیح نسائی۔ صواعق محرقہ۔ احمد حنبل ابویعلی۔ ابن ماجہ۔ امام حاکم۔ حافظ ابونعیم۔ طبرانی۔ دیلمی۔ ناسخ التواریخ مدارج النبوۃ جلد اول۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۲۶ وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۲۶۲)

امام حسینؑ سیّد اور سیّد کے بیٹے اور امام ابن امام ہیں

ینابیع المودۃ صفحہ ۱۶۸ اور مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی میں ہے:۔

حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا حسین رسول اللہ کے زانو پر بیٹھے ہیں اور رسول حسینؑ کے رخساروں اور منہ کو چومتے ہیں اور فرماتے ہیں "انت السیّد وابن السیّد واخو السیّد انت امام ابن امام واخو الامام وانت حجۃ وابن الحجۃ واخو الحجۃ ابو تسعۃ حجج تاسعھم قائمھم

یعنی اے حسین تو خود سید و سید کا بیٹا اور سید کا بھائی ہے۔ تو خود امام، امام کا بیٹا اور امام کا بھائی ہے۔ تو حجۃ خدا حجۃ الٰہی کا بیٹا حجۃ خدا کا بھائی اور نو حجۃ الٰہی کا باپ ہے کہ نواں ان میں قائم آل محمد ہے (یعنی حضرت محمد مہدی آخر الزمان عجل اللہ ظہورہ)

(اسی حدیث کی مطابقت میں ہم نے جناب امام حسینؑ کی

اولادیں سے نواموں کے نام شجرہ میں دے دیئے ہیں جو اخبار ہذا کے دوسرے صفحہ پر درج ہیں۔ اور تاوقتیکہ حضرت امام مہدی کو حسینؑ کی اولاد میں نہ مانا جائے و امام پورے نہیں ہو سکتے (ایڈیٹر)

حسینؑ کے رونے سے آنحضرتؐ بے چین ہوتے تھے

ایک روز جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر سے نکلے کہ فاطمہؑ کے گھر سے حسینؑ کے رونے کی آواز آئی۔ بے قرار ہوگئے اور حضرت فاطمہؑ کے پاس جاکر فرمایا اے فاطمہ! اے نور دیدہ! حسین کو بہلاؤ۔ خاموش کرو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ حسینؑ کے رونے سے میں بے چین ہو جاتا ہوں۔

(ملاحظہ ہو ینابیع المودۃ شیخ الاسلام قسطنطنیہ علامہ قندوزی ص۱۸۱ نزل الابرار علامہ بدخشی۔ سعادت الکونین فی فضائل الحسنین صفحہ ۳۰ مفتی اکرم الدین نبیرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ایک دوسری روایت میں حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ

"وقتے در نزد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم در غیر وقت انگور خوشۂ انگور دیدم۔ فقال لی یا سلمان ائتنی بولدی الحسن والحسین لیاکلا معی من هذا العنب۔ جناب رسول خدا فرمود اے سلمانؓ فرزندان من حسنؑ و حسینؑ را حاضر کن تا با من ازیں انگور بخورند من شتابیدم و بسرائے فاطمہ علیہا السلام رفتم ایشاں را نیافتم بخانۂ ام سلمانؓ شتافتم۔ ایشاں را نہ دیدم ولاجرم بحضرت رسول آمدم و خبر باز دادم پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مضطرب شد و برخاست و گفت "واولداہ واقرۃ عیناہ من یرشدنی علیہما فلہ علی اللہ الجنۃ پس پیغمبر دریغ خود بر فرزندان خود و فرمود کسے را کہ دلالت کند مرا بر ایشاں بر خوست کہ او را جا در بہشت بدہم۔ (ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ)

یہ تو ظاہر ہے کہ بچوں کی محبت اُن کے ماں باپ کے دل میں کس قدر ہوتی ہے۔ ماں باپ کا شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو کہ وہ اپنی اولاد کے پھولنے پھلنے اور پروان چڑھنے کی خدا سے دعا نہ مانگتے ہوں لیکن جناب رسول مقبولؐ روحی لہ الفدا کو حسنینؑ سے جیسی محبت تھی اُس کا اندازہ ہماری مندرجہ بالا روایات سے ہو سکتا ہے۔ فی الحقیقت آپ کو کچھ ایسی محبت تھی جس کا اظہار آپ بسا اوقات اس غرض سے فرمادیا کرتے تھے تاکہ اُمت بھی اس سے سبق حاصل کرے۔ ان بچوں کی کوئی ایسی آرزو نہیں جس کا اظہار انھوں نے اپنے پیارے نانا سے کیا ہو اور آنحضرت کی طرف سے بغیر پوری ہوئے رہ گئی ہو جناب فاطمہ زہراسے آپ کی برابر یہی تاکید ہتی تھی کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے ان کا دل میلا ہو۔ کیا یہ انتہائے محبت نہیں اور کیا اس سے آپ کے قلبی تعلقات اور دلی جذبات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ جب آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے سنا کہ حسنین علیہ السلام کا پتہ نہیں ملا تو آپ بے چین ہو کر کھڑے ہوگئے اور درد بھری آواز سے بیٹا بیٹا پکارنے لگے اور جب اس پر بھی اطمینان نہ ہوا تو دوسروں کو اُن کی تلاش میں مدد کرنے کے لیئے طلب فرمایا اور ارشاد فرمادیا کہ جو کوئی ان کی خبر لائے اُس کے لیئے میں جنت کی بشارت دیتا ہوں ماشاءاللہ اکبر محبت اسی کا نام ہے

کاش اسی حسین کو میدان کربلا میں مثل گوسفند ذبح کرنیوالے بھی کی محبت کا کچھ بھی خیال کرتے۔

حضورؐ کی نماز اور حسنینؑ

امام نسائیؒ اور ابن ابی الفراتؒ تحریر کرتے ہیں

عن انس ابن مالک قال کتب النبی صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم لرجل عھدا فدخل الرجل لیسلم علی النبی وھو یصلی فرای الحسن والحسین یرکبان علی عنقہ مرۃ وعلی ظھرہ مرۃ ویمران بین یدیہ وخلفہ فلما فرغ قال لہ الرجل ما یقطعان الصلوٰۃ فغضب النبیؐ وقال ناولنی عھدک فاخذہ فمزقہ ثم قال من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا ولا انا منہ۔

یعنی انس بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کے واسطے پروانہ لکھا تھا وہ حضور میں سلام کے لئے حاضر ہوا حضور صلعم اُس وقت نماز میں تھے اُس نے دیکھا کہ حسنینؑ کبھی آپ کی گردن پر اور کبھی آپ کی پشت اقدس پر سوار ہو جاتے ہیں اور کبھی آگے پیچھے سے ہوکر گزر جاتے ہیں جب حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو اُس شخص نے کہا کہ ان صاحبزادوں نے آپ کی نماز کو کیسا خراب کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غضب میں آکر اس شخص سے کہا اپنا پروانہ ہمیں دے اور اُس سے وہ پروانہ لے کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا نہ وہ ہمارا نہ ہم اس کے۔

جناب ابوالاعلیٰ مودودی ایڈیٹر اخبار الجمعیتہ دہلی

اس حدیث سے سبق لیں جنھوں نے "بنی فاطمہ" پر ریویو کرتے ہوئے شباب قندھاری (مرحوم جو قاآنی کے ہمعصر اور مشاہیر شعراء میں سے ہیں) کے ایسے اشعار پڑھکر جن میں علی و اولاد علیؑ یعنی اہلبیت کی تعریف کی گئی ہے اول تو اُن کو از سرتا پا بے معنی فرمادیا اور لکھدیا کہ ۲۰ شعروں میں سے ایک بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ دوسرے باوجود ادعائے سیادت جناب امیر اور بنی فاطمہ کی تعریف سے ایسے مشتعل ہوئے کہ دروغگوئی کی نجاست سے بھی اپنے دامن صداقت کو محفوظ نہ رکھ سکے اور زبردستی کی کھینچ تان کر کے محض عامتہ الناس اور غیر بنی فاطمہ مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے لکھ مارا کہ "جب پہلے ہی پرچہ میں رسول اللہ کے تمام صحابہؓ پر حضرت علی کی فضیلت کا عقیدہ پیش کیا جارہا ہے، غیر فاطمی مسلمانوں کو مخالفین کہکر یاد کیا جاتا ہے رسول اللہ کی رحلت کے بعد بنی فاطمہ کے ساتھ دشمنی کیئے جانے کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو نہ معلوم آئندہ اور کیا گل کھلائے جائیں گے"۔ ہمارا دعویٰ ہے اور ہم بہانگ دہل اپنے تمام فاطمی و غیر فاطمی بھائیوں سے کہتے ہیں کہ وہ ہمارے پہلے پرچہ میں سے کوئی بھی عبارت ایسی پیش نہیں کرسکتے جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت صحابہ کرام پر ثابت ہوتی ہو۔ یا بقول ہمارے دعوئے سیادت رکھنے والے کرم فرما مدیر الجمعیتہ صاحب کے شیعیت کے مسلک کی پوشیدہ تبلیغ کی گئی ہو۔

جائے غور ہے کہ اگر ہمیں شیعیت کے مسلک کی تبلیغ کرنی ہوتی تو ہم پوشیدہ طور پر کیوں کرتے علانیہ اور ڈنکے کی چوٹ شیعیت کی تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں کونسا امر مانع تھا۔ اور جناب مدیر الجمعیتہ صاحب کے پاس ایسی کونسی قوت ہے جو اُسے روک سکتی؟ لیکن افسوس کہ مدیر الجمعیتہ

صاحب کے تبصرہ سے ہمیں ثابت ہو گیا کہ صاحب موصوف اُن لیم مُلّاؤں میں سے ہیں جو سُنی و شیعہ فرقوں میں بغض و عناد اور فتنہ و فساد قایم رکھ کر اپنے حلوے مانڈے میں فرق نہیں آنے دینا چاہتے۔ ورنہ ہم اُن سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا دنیا بھر میں جس قدر بنی فاطمہ ہیں وہ سب کے سب شیعہ ہی ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہمارا تمام بنی فاطمہ کو جگانا۔ اُنکی گئی ہوئی حمیّت کو واپس لینے کی تحریک کرنا، اور اُن کو کھوئے ہوئے حقوق کے حصول کی ترغیب دینا اور اسی سلسلہ میں اُن کے آبا و اجداد یعنی اہل بیت علیہم السلام کے کارنامے کھانا اُن کے علم و فضل کی تعریف اور اُن کے مدارج سے باخبر کرکے اُن کے قدم بقدم چلنے کی ترغیب و تحریص کرنا شیعیت کی "خفیہ" یا "پوشیدہ" تعلیم کیونکر ہوا؟ ہم بکرات و مرات تمام دنیا کے سامنے بے دریغ یہ کہنے کے لیئے تیار ہیں کہ ہم اپنے بنی فاطمہ بھائیوں اور

غیر بنی فاطمہ مسلمان بھائیوں اور اسلام کے شیدائیوں کو جو تعلیم دے رہے ہیں بالکل یہی تعلیم ہمارے آباء صالحین و علمائے راسخین و صحابۂ صادقینؓ کی ہے۔

اگر آپ کی دانست میں حضرت علی یا اہل بیت کی تعریف ہی کا نام شیعیت ہے تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سب سے پہلے تو اس شیعیت کو رسول مقبولؐ نے اختیار فرمایا جس کے لیئے کسی دلیل کی چنداں ضرورت نہیں اور وہ اظہر من الشمس ہے۔ اور دوسرے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شیعیت کے شرف کو اس طرح اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت بیان کرکے حاصل کیا ہے۔

عن ابی بکر الصدیق قال رایت رسول اللہ خیم خیمۃ وھو متکی علی قوس عربیہ وفی خیمۃ علی وفاطمۃ والحسن والحسین قال یا معشر المسلمین انا سالم لمن سالم اھل ھذہ الخیمہ وحرب لمن حارب بھم وولی لمن والاھم لایحبھم الا سعید الجد طیب الولادۃ ولا یبغضھم الا شقی الجد ردی الولادت۔

یعنی ابوبکر صدیقؓ ارشاد فرماتے ہیں ہم نے دیکھا رسول اللہ کو ایک خیمہ لگائے ہوئے ہیں اور آپ ایک عربی کمان پر تکیہ لگائے ہوئے تھے اور اس خیمہ کے اندر علیؓ۔ فاطمہؓ حسنؓ و حسینؓ موجود تھے رسول اللہ نے فرمایا ای مسلمانو! جو لوگ اس خیمہ میں ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ صلح رکھے میں اس کے ساتھ صلح رکھنے والا ہوں اور جو شخص ان سے جنگ کرے اُس کی جنگ مجھ سے ہے۔ جو ان کو دوست رکھتا ہے میں اُسکو دوست رکھتا ہوں اور ان کو وہی دوست رکھے گا جو نیکبخت سعید یا پاکیزہ ولادت والا ہے اور ان سے دشمنی نہ کرے گا مگر وہی جو شقی بدبخت ناپاک ولادت کا ہوگا (محب طبری ریاض النظرہ)

تیسرے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسی اظہار فضیلت علی کی شیعیت کو یہ ارشاد فرما کر اختیار فرمایا ہے کہ "لولا علیؓ لھلک عمرؓ" (یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا) اور یہ کہکر بھی کہ "اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابوالحسن" یعنی پناہ مانگتا ہوں اس امر مشکل و دشوار سے جس کے حل کرنے کے لیئے ابوالحسن علی نہ ہوں۔

مدیر الجمعیۃ صاحب شرمائیں نہیں کہ سوائے ان کے تمام علمائے معتبرین اہل سنت نے فضیلت اہلبیتؓ کے اظہار

کی تبعیت سے اعراض نہیں کیا لیکن صاحب موصوف نہ معلوم کیسے سید اور کیسے مسلمان ہیں کہ وہ اس قدیمی و دیرینہ سلسلۂ اظہارِ فضائل و مناقبِ اہلبیت کو "جدید اقدام" قرار دے کر سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ جس گناہ (امتناعِ اظہار فضائلِ اہلبیت) کے خود مرتکب ہیں اُس میں دوسرے مسلمانوں اور خصوصاً سادات کرام کو بھی (حمایتِ بنی فاطمہ کو معاذ اللہ حمیت جاہلیت کی دعوت بتاکر) ملوّث ہو جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔

مدیر الجمعیۃ صاحب ہمیں معاف فرمائیں کہ ہم اور تمام دنیا کے بنی فاطمہ اُن کے اس قعرِ مذلت میں ڈھکیلنے والے ہی نہیں بلکہ اُن کے منشا کے مطابق تحقیر و تضحیکِ اہلبیت کے ارتکاب کا اقدام کر کے جہنم کے راستہ پر ڈال دینے والے مشورہ کی قبولیت سے دور ہیں۔ اور خدائے علام الغیوب سے دست بدعا ہیں کہ وہ "اخبار بنی فاطمہ" کی عبارتوں کو اُن کے اصلی معانی و مطالب میں سمجھنے کی توفیق کرامت فرمائے "اور مخالفین" وغیرہ فقروں سے "مخالفین اسلام" مراد لینے کی ترغیب دے اور ایسے تفہم سے مامون و محفوظ رکھے جس سے دینِ اسلام یا پیروان و ملقہ بگوشانِ اسلام یا بنی فاطمہ کو نقصان پہونچتے اور اُن میں فیمابین دلی رنج و ملال یا باہمی اشتعال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور جو شیعہ سُنی کے ناخوش گوار مباحث کو متحرک کر کے ہمارے نزدیک "اصول اتحادِ شیعہ و سنی" پر کاری ضرب لگانے کا باعث ہو۔

آخر میں ہم مدیر "الجمعیۃ" دہلی کی اُس تکلیف کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو اُنھوں نے "اخبار بنی فاطمہ" پر تبصرہ کرنے میں (خواہ اُس کا کچھ اثر ہو یا نہ ہو) گوارا فرمائی۔ ایڈیٹر

(نوٹ :- ملک میں شیعوں کی فساد کے واقعات اس مقالہ سے بہت پیشتر پیش آچکے ہیں اور [illegible] کا ذریعہ کسی دوسری تحریک کو قرار دیں۔ [illegible] اسلام کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ (مدیر))

حضرت عمرؓ کے دل میں حسینؑ کی قدر و منزلت

ریاض النظرہ۔ صواعق محرقہ وسیلۃ النجاۃ مولوی محمد مبین صاحب فرنگی محلی صفحہ ۲۷، ۱۰۱ اور سعادت الکونین فی فضائل الحسینؑ مولانا مفتی اکرام الدین صاحب صفحہ ۳۵ میں ہے کہ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے پاس امام حسینؑ ملنے کے لئے تشریف لے گئے وہاں ان سے پہلے حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ موجود تھے ان کو اجازت حاضری نہیں دی گئی تھی (بروایت مسند خطیب معاویہ سے تخلیہ تھا) حسینؑ یہ دیکھ کر خود ہی بلا اطلاع کرلے اس خیال سے کہ مجھکو بھی اجازت نہیں ملے گی واپس چلے آئے۔ اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ہوئی کہ حسینؑ آئے تھے اور واپس چلے گئے تو آپ نے خود حسینؑ کی جستجو کی اور حسینؑ سے مل کر فرمایا۔ یا ابن اخی! آپ کیوں واپس چلے آئے؟ آپ کو اجازت لینے کی ضرورت کب ہے؟ فھل نبت الشعر علیٰ رؤسنا یعنی کیا ہمارے سروں پر یہ بال آپ کی بدولت نہیں اُگے؟ یہ عزت۔ یہ شرف۔ یہ اسلام کیا آپ ہی کے گھر سے ہم کو نہیں ملا؟

نوٹ:- ملک میں عام بے چینی کی وجہ سے رسالہ وی۔ پی نہیں بھیجا جا رہا ہے اُمید ہے کہ ہمدردان اسلامی دنیا اپنا اپنا چندہ براہ کرم بذریعہ منی آرڈر پہلی فرصت میں روانہ فرمائینگے ورنہ دوسرا پرچہ بذریعہ وی۔ پی بھیجنے کی دفتر کو ضرورت نہ ہوگی۔ جن حضرات کو خریداری منظور نہ ہو وہ براہ کرم ایک کارڈ کے ذریعہ سے اطلاع فرماویں ورنہ سکوت بمنزلہ منظوری متصور ہوگا۔ اور [illegible]

* وصول نہ ہونیکی صورت میں آئندہ پرچہ وی۔ پی بھیجا جائیگا۔ (مینیجر)

حضرت امام حسین علیہ السلام پر کون کون رویا

(جناب سرپرست مدظلہ العالی)

رونے کا تعلق انسان کے دل سے ہوتا ہے جب تک کسی شخص کے ساتھ دلی ہمدردی نہ ہو اُس وقت تک اُس کی مصیبت پر رونا نہیں آسکتا۔

امام حسین علیہ السلام پر سب سے پہلے جناب رسول خدا نے گریہ فرمایا ہے اور آپ کے اہل بیت کرام نے معہ ملائکہ مقربین تاسی کی ہے۔

جس وقت امام علیہ السلام پیدا ہوئے جناب سرورِ عالم دولت سرائے جناب سیدہ پر تشریف لے گئے اپنے پیارے فرزند کو آغوش مرحمت میں لیا۔ پیار کیا۔ اور رونے لگے۔

جناب معصومہ باباجان کو روتے دیکھ کر بے چین ہوگئیں اور عرض کی کہ حضور کے گریہ فرمانے کا کیا باعث ہے؟ آپ ضبطِ گریہ نہ فرماسکے بے اختیار رونے لگے۔

معصومہ نے پھر بہ اصرار سبب گریہ دریافت کیا حضور نے فرمایا کہ مجھے حسین کے قاتل کا خیال آگیا یہ دشتِ غربت میں تین شبانہ روز کا تشنہ و گرسنہ شہید کیا جائے گا جناب معصومہ نے پوچھا "بابا آپ ہوں گے"۔ فرمایا نہیں۔ پوچھا میں ہونگی۔ علی ہونگے۔ حسن ہونگے۔ حضور نے جواب دیا کوئی نہ ہوگا۔ معصومہ رونے لگیں۔ عرض کیا بابا پھر میرے حسین کو کون روئے گا۔ کون اس کی صفِ ماتم بچھائے گا حضور نے ارشاد فرمایا اے فاطمہؑ تو غم نہ کر تیرے فرزند کو رونے کے واسطے خداوند عالم ایک نسل کو دوسری نسل کے بعد خلق فرمائے گا۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مرد تیرے مردوں کے حال پر روئیں گے اور عورتیں تیری بیٹیوں اور دوسری عزیز بی بیوں کے غم میں روئینگی۔ صفِ ماتم بچھائینگی جناب سیدہ یہ سن کر خوش ہوئیں اور حسین علیہ السلام کے رونے والوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

تاریخ عالم پر نظر فرمائیے مصیبت اور دکھ خاصانِ خدا نے ہر زمانہ میں سہا ہے طرح طرح کی ایذائیں اُن کو پہنچائی گئی ہیں لیکن کسی مذہب کے پیرو اپنے ہادیانِ طریق کی مصیبت کا ذکر کرکے اشک حسرت بہاتے نہ اُن مصائب کے ذکر کو اپنا ذریعۂ نجات خیال کرتے ہیں، نہ کسی واقعہ غم کی یادگار قایم کی جاتی ہے۔ اگر کسی مذہب میں کوئی واقعہ ذکر بھی کیا جاتا ہے تو محض روایت اور قصہ کے طور پر۔ اس سے کوئی اخلاقی سبق نہیں حاصل کیا جاتا امام مظلوم کے واقعات نے اسلام اور اہل اسلام میں ایک تازہ روح پھونکدی ہے۔

محض اہل اسلام میں یہ خصوصیت ہے کہ اُس فدیۂ راہِ خدا کے غم میں صرف اپنی آنکھوں سے ہی آنسو جاری نہیں کرتے۔ بلکہ ہر سال عشرہ ماہ عزا میں جان و مال قربان کرنے کے واسطے آمادہ رہتے ہیں اور عملی طور پر ایسا ثابت کرتے ہیں۔ چالیس دن تک صفِ ماتم بچھاتے ہیں اور ایسا غم مناتے ہیں کہ گویا آج حسین شہید ہوئے ہیں قریب تیرہ سو برس گزرنے آئے لیکن ہر روز جب ذکر مصائب کیا جاوے

عاشورِ محرم معلوم ہوتا ہے۔ یہ کیوں؟ جناب سرورِ کونین
کی پیشین گوئی کی تصدیق ہو رہی ہے۔ امام حسینؑ فرزند جنابؐ رسول الثقلین
تھے۔ اور محافظت دین خدا میں جان دی۔ وہ شہید ہو گئے۔
لیکن اُن کو خداوندِ عالم نے حیاتِ ابدی عطا فرمائی ہے
اور وہ زندہ ہیں۔ ہم لوگ ماتم و غم حسین میں شریک ہو کر
اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اگر ہم میدان بلا میں آقائے
نامدار کے ہمراہ ہوتے تو ہرگز جاں نثاری سے دریغ نہ کرتے
جناب معصومؑ کی دعاؤں کا یہ اثر ہے کہ عزاداران شہید کربلا
کی تعداد روز افزوں ترقی کرتی ہے اور غم امام مظلوم میں منہمک
رہنے سے اُن کو دنیا کے غم و الم سے نجات مل جاتی ہے کیسی ہی
مصیبت کا سامنا کیوں نہ ہو عزاداران مظلوم کربلا اُس کو
مصیبت نہیں سمجھتے اور راضی بقضائے الٰہی رہتے ہیں۔ ہر
حالت میں صبر و شکر سے کام رکھتے ہیں۔

اگر کسی کا جوان بیٹا مر جائے تو وہ جوانی علی اکبرؑ کو
یاد کر کے روئے گا۔ اپنے بیٹے کے غم کو دل میں جگہ نہ دے گا
اور سالانہ اُس جوان مرگ کے انتقال کے دن عزائے شہید
کربلا برپا کرے گا گویا اپنے غم کو غم فرزند رسول کے مقابل بھول
جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی خانہ ویرانی ہو جائے۔ مکان جل جائے
مال و املاک تلف ہو جائے تو ہر لحظہ خاندان رسالت کی تباہی
اُس کے پیش نظر رہے گی اور اپنی تباہی کی یاد دل سے بھلا دے گا

اہل دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کا عزیز مر جاتا ہے
تو صاحبِ عزا کے پاس رسم تعزیت ادا کرنے دوست و دشمن
سب جاتے ہیں ایسے موقع پر دشمن کی مخالفت کا لحاظ نہیں
کیا جاتا بلکہ اُس کے اظہار ہمدردی پر شکرگزاری کی جاتی ہے۔ اور
دوستوں کے خلوص کا اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس اعتبار پر جب ہم فرزند رسول کے غم میں آنسو جاری
کرتے ہیں اور غم مناتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں
ہم جناب حبیب خدا کی نظروں میں محبوب نہ ہوں گے۔

خوشی میں ہر شخص شریک ہو جاتا ہے
خواہ کچھ تعلق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اور غم اور مصیبت میں سوائے
دوستوں کے غیر شریک نہیں ہوتے جو لوگ فرزند جناب سرور
عالم کے غم میں شریک نہیں ہوتے وہ تیار رہیں کہ جناب
شافع محشر کو منہ نہ دکھا سکیں گے اور انشاء اللہ تعالےٰ اُن کو
حشر میں روسیاہی نصیب ہوگی۔

جناب رسول خدا کا ہر فعل سنت ہے حسین علیہ السلام
کو رونا بھی تاسی اور پیروی جناب سرورِ عالم کی ہے۔ جب
خداوند عالم کے روبرو اُس فدیۂ خاص کے رونے والے
جائیں گے سب سے آگے شافع یوم محشر ہوں گے اور اُن کے
ہمراہ جناب امیر المومنین جناب سیدہ۔ حضرات معصومین
اور اہل بیت کرام علیہم السلام ہوں گے حسینؑ مظلوم کے
عزاداروں میں چند بزرگوار ایسے ہوں گے جن کے حال
پرملال کو دیکھ کر اہل محشر نالاں و گریاں ہوں گے ایک جوان
ضعیف و نحیف ہوں گے جن کا چہرہ مثل ماہ شب چاردہ
چمکتا ہوگا یہ کون؟ امام زین العابدین علیہ السلام جو بعد شہادت
مظلوم کربلا غریب نینوا قتیل خنجر ظلم و ستم فرزند دلبند جناب
نبی اکرم چالیس سال تک اپنے پدر مظلوم کو روئے جس وقت
ظرفِ آب سامنے آتا اس درجہ روتے کہ پانی بہہ جاتا اور
وہ ظرف آنسوؤں سے پر ہو جاتا۔ جب وضو فرماتے تاباں
سے پانی کے مثل آب چشمانِ مبارک جاری ہوتا۔ جب کوئی
گوسفند نظر آتا غش فرما جاتے۔ یہ کیوں؟ کبھی خیال آتا تھا

کربلا کنارِ آب تشنہ شہید ہوئے۔ علی اصغر کی دودھ بڑھائی حرملہ کے تیر سے ہوئی۔ چچا عباس کے شانے سقائی کی بدولت کاٹے گئے۔ کبھی اس عاشقِ خدا کی نماز نہ یاد آتی تھی کہ کنارِ آب وضو کرنا میسر نہ ہوا تیمم سے نماز ادا کی۔ اور کبھی یہ خیال آتا تھا کہ یزید ملعون کے دربار میں طشت طلا میں سرِ حسینؑ رکھا گیا تھا۔

یہ قافلہ سالارِ اس لٹے ہوئے قافلہ کے تھے جس میں چند بی بیاں اور کچھ بچے تھے یہ وہ بزرگوار ہیں جو فرماتے تھے اقاد ذلیلاً فی دمشق کانی من الزنج عبداً غاب عنہ نصیر و جدی رسول اللہ فی کل مشہد و شیخی امیر المومنین علیاً امیرا۔

چند بی بیاں ہونگی جن کی حالت دیکھی نہ جا سکے گی جو داورِ محشر کے سامنے دادخواہی کو آئیں گی۔ ان میں ایک وہ معظمہ ہونگی جن کی بابت یہ مشہور ہے کہ جب یزید اپنے کردار نامنزا پر پشیمان ہوا اور اہل بیت امام علیہ السلام کو رہا کرنا چاہا۔ امام زین العابدینؑ کو طلب کیا اور معذرت کی۔ کہا جو چاہو وہ مجھ سے لو اور مدینہ کو با عزت و شان واپس جاؤ۔ مجھے معاف کر دو آپ نے فرمایا مجھے کچھ درکار نہیں ہے۔ پس اس کے اصرار پر اپنی پھوپی جناب زینب خاتون کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا اے عمہ یزید پشیمان ہوا ہے کہتا ہے جو چاہو وہ مجھ سے لے لو اور مجھے معاف کر دو۔ دخترِ جناب سیدہ نے رو رو کر فرمایا۔ اے بیٹا حسین شہید ہو گئے۔ علی اکبر اٹھارہ برس کے نامراد اس دنیا سے گزر گئے۔ قاسم۔ عون و محمد۔ عباس۔ علی اصغر سب تشنہ و گرسنہ شہید جفا ہو گئے ہم کو اب کچھ درکار نہیں ہے البتہ تم واقف ہو جب سے بھائی شہید ہوئے ہم کو رونا نصیب نہیں ہوا یزید سے رونے کی اجازت حاصل کر لو۔ یہ وہ مخدرۂ علیا ہیں جن کو پیارے بھائی کی شہادت کے بعد نعش بے سر پر رونا بھی نصیب نہیں ہوا۔

ہم گناہگار بھی پیچھے پیچھے ہوں گے۔ اگرچہ دیگر اعمالِ حسنہ میں ہم پوری تاسی اور پیروی ان حضرات کی نہ کر سکے لیکن مصائبِ حسین پر رونے میں ہم جناب سرورِ عالم اور اہلبیت کرام کے ہم آہنگ اور ہم نوا ہیں یہ قطعی ناممکن ہے کہ فرزندِ رسولؐ کے غم میں ہم اپنی چشمِ گریاں سے اشک خونیں جاری کریں اور یومِ محشر جناب رحمۃ للعالمین ہماری شفاعت نہ فرمائیں، سب سے پہلے عزادارانِ مظلوم کربلا داخلِ جنت ہوں گے اور ان کے اعمالِ حسین کی عزاداری کی بدولت اعمالِ حسنہ قرار دیئے جائیں گے۔

کسی بادشاہ جلیل القدر کے دربار میں حضوری ہونے اور باریابی پانے کے واسطے ایک ساعی کافی ہوتا ہے جو مقرب بارگاہ ہو۔

ہماری سفارش کے واسطے سب سے پہلے جناب رسولِ خدا موجود ہوں گے فرمائینگے بار الٰہا میرے فرزندِ مظلوم کے عزادار ہیں۔ اگرچہ گناہگار ہیں ان کے قصور سے درگزر فرما۔ جناب ساقیِ کوثر ساعی اور مددگار ہوں گے۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا قائمۂ عرشِ الٰہی کو پکڑ کر فریاد کرینگی۔ خداوندا اشقیائے امت نے میری بیٹیوں کو تیرے حسین کے غم میں رونے نہ دیا۔ تازیانوں اور نیزوں سے خوف دلایا۔ صفِ ماتم نہ بچھانے دی یہ تیرے بندے ہر سال غم مناتے اور غم کرتے رہے ہیں ان پر رحم فرما اور حسین کی شہادت کے صدقہ میں ان کو جنت کا پروانہ عطا فرما۔

کیوں حضرات! کیا ہمارے آقا امام مظلوم بھی نہ فرمائیں گے نانا جان والدہ محترمہ اور پدر عالی مقدار کی سفارش کے بعد

باسر بریدہ وجسم پارہ پارہ حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے خداوندا تیری خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کے لیئے ان لوگوں نے میرے غم میں آنسو بہائے ہیں۔ میرے دوستوں کو بخش دے۔

ملا امین صاحب لکھنوی نے بسند معتبر اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا:-

من دمعت عیناہ علی الحسین او قطرت قطرۃ تا بواہ اللہ فی الجنۃ ومن بکی علی الحسین فقد احسن باالنبی و فاطمہ"

جب ایک قطرہ اشک غم حسین میں جاری کرنے پر بشارت جنت ملتی ہے اور باکیان غم الحسینؑ محسن جناب رسول خدا و جناب سیدہؑ قرار پاتے ہیں تو یقیناً ہم نعمات بہشت سے بہرہ ور ہوں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ بہشت ہماری جاگیر ہوگی۔

یہ گوہر آبدار جو ہماری آنکھوں سے غم امام مظلوم علیہ السلام میں جاری ہوتے ہیں۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ حشر کے دن ہوگا۔ اس کے قدردان خدا و رسول اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام ہوں گے ان کی قدردانی جناب معصومہ فرمائیں گی۔

جن آنکھوں سے غم امام میں آنسو جاری ہوں کیا یہ ممکن ہے کہ ان کو یوم محشر کی پریشانی دیکھنا پڑے ہرگز نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جد امجد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت فرمائی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کل عین باکیۃ یوم القیامۃ الا عین بکت علی الحسینؑ فانہا ضاحکۃ مستبشرۃ بنعیم الجنۃ" یعنی حشر کے دن تمام آنکھیں گریاں ہونگی سوائے اس آنکھ کے جس نے غم حسین مظلوم علیہ السلام میں اشکباری کی ہو وہ شاداں وفرحاں ہوگی اور اس کو نعمات بہشت کی بشارت دی جاوے گی بغیر عشق ومحبت کے دل پر کسی کی تکلیف اور خوشی کا اثر نہیں ہوسکتا۔ ہمیشہ محبوب او معشوق کی تکلیف اور آرام کو انسان اپنی تکلیف اور آرام سمجھتا ہے " القلب یھدی الی القلب" جب ہم حسین مظلوم کے غم میں آنسو بہاتے ہیں اور اپنے عشق کا ثبوت دیتے ہیں تو یہ قطعی ناممکن ہے کہ وہ عاشق صادق جناب رب العزت ہم سے بے پروا رہے۔ ہم کو قطعی یقین ہے کہ یوم محشر کی پریشانی کا اثر ہونے سے قبل ہمارے آقا بہترین آرام وآسائش کا انتظام اپنے غلاموں کے واسطے فرماویں گے جبکہ عاشق ومعشوق خدا ہیں۔ اور ہم عاشق ومعشوق خدا کے ساتھ دلی محبت رکھتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی خوشی میں۔ خوش ہوتے ہیں۔ غم میں غم کرتے ہیں۔ ان کے دوستوں سے الفت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزاری تو کیا وجہ ہے کہ اپنے محبوب کی خوشی کے لیئے خداوند عالم ہم کو نہ چاہے گا۔

یہ قدر ہے ہمارے گوہر اشک کی اور یقیناً اس کی قیمت خدا کی جنت ہے۔ جس کی اطلاع جناب رسول خدا نے متعدد مقامات پر فرمائی ہے ٭

معذرت

چونکہ رسالہ کی اشاعت میں پھر غیر معمولی تاخیر ہوگئی ہے بنا بر نظم کا حصہ دوسرے پرچہ میں مع دیگر مضامین کے شائع کیا جاوے گا۔ انشاء اللہ

(مینجر)

٭ دشمنان آل محمد ہر سال ماہ محرم میں بلکہ اس سے قبل و بعد بھی اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح عزاداری مظلوم کربلا بند ہو جائے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے
چراغے را کہ ایزد برفروزد ۔۔ کسے کو تف زند ریشش بسوزد (خاکسار حیدری)

میدان جنگ میں حضرت قاسم کی آمد

(از حضرت محوی صنفی بدایونی)

ساقی کہاں ہے جلد مے لالہ فام دے	جس سے فزوں ہو نشۂ جرأت وہ جام دے
وہ مے جو دل کو لذت شرب مدام دے	ہاں آج مجھ کو صبح سے مے تابہ شام دے

دورہ میں تیرے سیر اٹھوں سرخرو اٹھوں
مجمع میں اہل علم کے باآبرو اٹھوں

ساقی کدھر ہے بادۂ حُبِّ امام لا	مینائے اختری سے مے لالہ فام لا
دونا ہو جس سے زورِ طبیعت وہ جام لا	چھا جائے جس سے نشۂ رنگِ کلام لا

ساقی مجھے وہ بادہ سرجوش چاہیئے
جس کے خمار کو بھی بڑا ہوش چاہیئے

ہاں زورِ طبع شوکتِ ابن حسن دکھا	رنگِ وغائے دلبر خیبر شکن دکھا
ضرب حسام صف شکن و تیغزن دکھا	زور نبرد جان و دل پنجتن دکھا

غل ہو کہ سب شکوہ و جلالت علی کی ہے
اخلاق ہیں حسن کا شباہت علی کی ہے

خیمہ سے جب وہ یوسف گل پیرہن چلا	دینے کو جان جان و دل پنجتن چلا
غازی چلا دلیر چلا صف شکن چلا	حسن شباب ساتھ لئے بانکپن چلا

کیا آن بان دلبر شبیر غدا کی ہے
تصویر ہو بہو حسن مجتبےٰ کی ہے

ڈیوڑھی پہ منتظر تھے شہنشاہ تشنہ کام	حاضر تھے پاس اکبر و عباس نیکنام
قاسم نے جھک کے سب کو کیا رخصتی سلام	حاضر کیا غلام نے شبدیز خوش خرام

رکھا قدم رکاب میں اُس رشکِ ماہ نے
دی فتح کی دُعا شہِ عالم پناہ نے
ضیغم صفوں سے آنکھ ملاتا ہوا بڑھا — شیرِ خدا کی شان دکھاتا ہوا بڑھا
فوجوں کو اپنے رعب میں لاتا ہوا بڑھا — رانوں میں بادپا کو دباتا ہوا بڑھا
غل تھا کہ ہیں یہ ٹھاٹ شہِ قلعہ گیر کے
آثار سب ہیں جنگِ جنابِ امیر کے
چاؤش دے رہے ہیں صدا بڑھ کے بار بار — اے سرکشانِ دہر خبردار و ہوشیار
نکلا ہے شیرِ بیشۂ حیدر پئے شکار — ہلتا ہے جس کے خوف سے میدانِ کارزار
آثار ہیں عیاں غضبِ ذوالجلال کے
ہو جاؤ لیس اپنی کمانیں سنبھال کے
سننا تھا یہ کہ چلنے لگے ناوکِ ستم — قاسم نے بھی نیام سے لی تیغ برق دم
ہونے لگے تنوں سے جو سر دم بدم قلم — ہر صف میں رونما ہوئی تشویش بیش و کم
ابتر ہوئے رسالے۔ پرے ٹوٹنے لگے
نام آوران فوج کے دل چھوٹنے لگے
پھیلی ہوئی تھی فوج جفاکار ہر طرف — تھا گرم جست و خیز وہ رہوار ہر طرف
بجلی سی کوندتی تھی جو تلوار ہر طرف — میدان میں سروں کے تھے انبار ہر طرف
دیکھے جو رنگ ضرب شہِ ذوالفقار کے
رعشہ بدن میں پڑ گیا ہر نابکار کے
اللہ رے جوش ضربتِ شمشیرِ حیدری — بھولے تھے صفدرانِ جہاں اپنی صفدری
بھاگڑ مچی تھی ہر رسالے میں۔ ہر صف میں ابتری — تھی برق شعلہ بار۔ کہ اُڑتی ہوئی پری
کوندی جو رن میں۔ زور لعینوں کا گھٹ گیا
ثابت ہوا کہ دفترِ ہستی اُلٹ گیا
اُلٹی تھی غیظ میں جو دلاور نے آستیں — تھرا رہی تھی خوف سے اُس دشت کی زمیں
دہشت سے کانپ کانپ کے کہتا تھا ہر لعیں — اب تک سلف سے ایسی لڑائی سُنی نہیں
کیونکر اماں ملے غضبِ ذوالجلال سے

کس کو خبر دیں اپنی مصیبت کے حال سے

سر تھے جدا تنوں سے۔ سروں سے جدا تھے خود
شانوں سے ہاتھ الگ تھے۔ جدا ہاتھ سے عمود

بڑھتی تھی مثلِ سیل۔ تو چڑھتی تھی مثلِ رود
بھر دی سروں سے اپنے عروسِ اجل کی گود

ہر سمت رن میں کشتوں کا انبار ہو گیا
ہیبت یہ تھی شمار بھی دشوار ہو گیا

گرنے لگے پروں پہ پرے۔ اور دلوں پہ دل
کٹنے لگیں صفوں پہ صفیں اور ریلوں پہ ریل

سر ویں سروں پہ گرتے تھے جیسے پھلوں پہ پھل
ساعت پہ ساعتیں تھیں پڑی اور پلوں پہ پل

مجبور ہر طرح سے سپہ تیرہ بخت تھی
آفت کی جو گھڑی تھی وہ پہلی سے سخت تھی

اک وار میں تھا جسم جدا اور سر جدا
شانوں سے ہاتھ۔ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا

پہلو سے دل جدا تھے۔ دلوں سے جگر جدا
گردن جدا تھی صدر جدا تھا کمر جدا

تلوار تھی غضب کی قیامت کا کاٹ تھا
کوشش سے جو کھلا نہ کسی پر وہ گھاٹ تھا

تلوار تھی کہ صاعقہ قہر ذو الجلال
سرعت میں بے نظیر روانی میں بے مثال

چال اس کی تھی قیامت کبریٰ دمِ جدال
سر تا بپا بھری ہوئی غصہ میں رنگ لال

معشوق کج ادا تھی مگر بے وفا نہ تھی
دل سے ملی نہ تھی تو گلے سے جدا نہ تھی

باقی آئندہ

اختر و محوی بدایونی

نوائے فردوس

(از شحات قلم جناب شیخ واحد علی صاحب عشرت بی۔ اے ڈپٹی تحصیلدار)

جوشِ غم سے دل مرا ہنگامہ گستر ہو گیا
ایک ذرہ پھیل کر میدان محشر ہو گیا

لذتِ غم نے مجھے بخشیں ہزاروں جنتیں
ذرہ ذرہ قلب کا فردوس پیکر ہو گیا

نو بہار غمزۂ ناوک فگن تیرے نثار
زخم دل گلزار جنت کا گل تر ہو گیا

خنکیٔ قلبِ محبت سوزشِ دل ہو گئی   نالۂ پُر سوز میرا نغمۂ تر ہو گیا
یادِ ساقی میں تڑپ اُٹھے ہیں جب قلب و جگر   آنکھ سے آنسو ٹپک کر جام کوثر ہو گیا
دیکھئے رنگینیٔ خونِ شہیداں دیکھئے   مقتلِ اہلِ وفا جنت سے بڑھکر ہو گیا

(مطلع)

سجدہ گاہِ قدسیاں تبیر کا در ہو گیا   اب تو فرش و عرش کا رتبہ برابر ہو گیا
جو غلامِ حضرتِ شبیر و شبر ہو گیا   دین و دنیا بن گئی سلمان و قنبر ہو گیا
کیا بتاؤں جوشِ اُلفت میں کہاں ہی دل کی حد   ایک قطرہ بڑھتے بڑھتے نہر کوثر ہو گیا
رہروِ فردوس کی دشواریاں جاتی رہیں   کربلا سے خلد تک رستہ برابر ہو گیا
ابتدا کی تھی خلیل اللہ نے جس کام کی   خاتمہ اُس کا حسین ابنِ علی پر ہو گیا
سکہ فرمائے محبت نام نامی حسین   جب زباں پر آگیا اک نقشِ دل پر ہو گیا

سنبلستانِ جناں عبرت ہی اس کیواسطے
جو اسیرِ گیسوئے سبطِ پیمبر ہو گیا

سلام از کلیم ہند حضرت سیماب اکبرآبادی

اک دورِ سلامی دنیا کا صدیوں میں پیا آتا ہی   جب کوئی پیمبر اُٹھتا ہی، یا کوئی شہادت پاتا ہے
جب کوئی نوحہ کہنے والوں کا دردِ کر کوئی سناتا ہی   سینہ میں روح لرزتی ہی، جینے سے جی گھبراتا ہے
تسلیم و رضا کی منزل میں ہر گام پہ لاکھوں خطرے ہیں   دریا سے آگ اُبلتی ہی، بادل شعلے برساتا ہے
ہی زندگی جاوید کمائی یہ زندگی اسکو ملتی ہے   جنگل کی تپتی ریتی پر جو اپنا خون بہاتا ہے
مردانِ خدا خوش ہو ہو کر تلوار کا پانی پیتے ہیں   اور زخم وہ نعمت ہی جس کو غازی ہنس ہنس کر کھاتا ہے
اے قہرِ خدا اس دنیا پر گرتی نہیں کیوں بجلی تیری   گھر سے وہ اک پورا کنبہ جنگل میں لوٹا جاتا ہے
انسان تیرے پتھر دل میں کیوں درد نہیں انسانوں کا   دکھ دیتا ہی مظلوموں کو معصوموں کو ترساتا ہے
اے نہرِ فرات اے نہرِ فرات! افسوس کر اپنی قسمت پر   کوثر کا ساقی آج ترے ساحل سے پیاسا جاتا ہے
زخموں سے چور بدن سارا، ہر زخم میں پھر اک زخم نیا   یوں بھی کوئی مظلوموں پر تیروں کا مینہ برساتا ہے
سجاد اسیر ہوئے صد حیف کسی نے یہ نہ کہا   یہ پاؤں ستونِ کعبہ ہیں، زنجیر کسے پہناتا ہے
نزدیک قیامت آپہونچی کیا صبحِ شہادت آپہنچی   اے صبح کے تارے کچھ تو بتا کیوں پھیکا پڑتا جاتا ہے
یہ شام کے میداں میں یارب کیا آج تباہی آئی ہی   ہی ظہر کا وقت ابھی باقی اور سورج ڈوبا جاتا ہے *

سیماب نظر آتی ہی مجھے ہر چیز اُداس و آزردہ   فطرت غمگیں ہو جاتی ہی جب ماہِ محرم آتا ہے

* یہ حقیقت ہی لیکن محبانِ یزید کو کچھ بھی نظر نہیں آتا وہ تو یزید اور اس کے امثال کی محبت میں اندھے ہیں۔ (مدیر)

he expressed his displeasure at Obaidullah and said that he never meant that Hazrat Husain should have been killed. This may have only a diplomatic gesture to avoid sensation among his subjects, or it may be that Obaidullah did so of his own accord in order to gain favour with Yazid as many overenthusiastic officials may do even now. It failed in either ways—neither Obaidullah received any rewards nor the sensation could be averted. Indeed this incident was one of the chief factors which ultimately led to the fall of the Bani Umayyas. And while Yazid has left no admirers the whole Islamic world sings songs of the glory of the martyrdom of Hasan Husan. In his own family the reaction of this event was such that Yazid's son Muawiyah condemend his father's actions and his grandson Khalid refused to nominate his successor in opposition to the method initiated and designed by Muawiyah. It may be true to say "Is ghar ko ag laggai ghar ke chirag se."

NEW YEAR BEGINS WITH MOURNING

The whole episode connected with this event took place between the 1st. and the 10th of Moharram, the first Islamic month, and such overwhelming has been the feeling of grief among the Muslims in this connetion that they lost all idea of gaiety of a new year for ever. Before this these days were used to be celebrated from Hebrew times as days of rejoicings. They were so observed during the time of the Prophet too and later till the sad event of Kerbala. Since this even these ten days are reserved for mourning. The duty of neighbours on this occasion is obvious. A friend is one who sympathises on occasions of gloom.

In India the mourning is observed in a variety of ways which are almost all of them typically Dravidian or Aryan. A class of them prepares a mock lashkar of Husain with almost all Indian symbols and takes them in procession along with the tabut or tazia, for example, like the lashkar of the ancient royal princes we find a representation of standard called "alams" and a long line of elephants, horses, camels and bullock carts, etc. At certain places "Mahee and Maratib" are

(*Continued Title Page 2.*)

quite and ignore the injunction of "Jahidoo Fi Sabi lillah." In that spirit of self sacrifice he started with his family as was customary in those days and was accompanied by his brother Abbas, a few devoted followers and a timorous retinue of women and children.

ARRIVAL NEAR BABYLONIA

On his arriving at the confines of Babylonia he found himself accosted by one Hurr who had been sent out by Obaidullah, with a body of horsemen, to intercept his approach. While Hazrat Husain was proceeding further towards Kufa with Hurr who afterwards became his friend, the latter received a letter from the Governor ordering him to lead Hazrat Husain and his men, if he found them, into a place where was neither town nor fortification, and there leave them till the Syrian forces should surround them. On receiving the news of Hazrat Husain's coming the Governor commanded Amr to go against Hazrat Husain with a body of four thousand men! But one and all dissuaded Amr:— "Beware that you go not against Husain, and rebel against your Lord, and out mercy from you; for you had better be deprived of the dominion of the whole world than meet your Lord with the blood of Husain upon you.'' Amr was feign to acquiese, upon Obaidullah renewing his command with threats, he marched against Husain. When Amr came near Hazrat Husain a few words were exchanged between Hazrat Husain and Amr, in which the former emphasised his mission and was willing to return home in case the people did not realize the importance of the principle that the leader of the nation should have the confidence of the people and adhere to the law of the Quran. All remonstrances fell flat and the struggle ensued in which almost the entire family of Hazrat Husain including himself and his retinues were butchered mercilessly at a place called Kerbala. A few remnants like his sister Zainub and the ailing Zainul Abidin, a son of Hazrat Husain, etc, were taken to Obaidullah, along with the head of Hazrat Husain, who in turn sent them to Yazid.

Ibu-i-Khalladun says that when Yazid saw Hazrat Husain's head

His rule was that of a despot rather than that of a Khalifa—the head of a democracy. In the words of the author of the Historians' History of the world "with Muawiyah introduced the luxury and splendour so liked with our notions of oriental pomp, and proverbially designated the insignia of a Caliph, which had succeeded to the stern and frugal simplicity of the early Islam." What was left of the elective principle was totally set at naught by Muawiyah when he declared his son Yazid as his successor. It is stated that before his death Muawiyah convened the Chief Officers of his army and made them take the oath of fealty to his son. This was Yazid's only title to the throne. But for the intriguing situation thus created there is no doubt that Hazrat Imam Husain (Peace be on him), son of the Prophet s daughter Hazrat Fatima (Peace be on her) would have been chosen as the Khalif by virtue of his popularity among all classes of Muslims, his moral fibre and his dignity due to relationship with the Prophet.

Soon after assumption of power at the death of his father, Yazid became unpopular because both his life and his method or rule were un-Islamic. The people of Iraq were so dissatisfied that they sent innumerable letters and messages to Hazrat Imam Husain (Peace be on him), inviting him to come to Kufa and take up the leadership of the Muslims. But in the words of the famous poet Farazdak, "while their hearts were with him (Imam), they were so afraid of Yazid's Government that their swords could not be unsheathed against that." The Imam sent his cousin Muslim as his embassador in order to envisage the situation. Hazrat Muslim succeeded in securing a following of about 18,000 men and this so encouraged him that he wrote to Hazrat Husain to come there In the meantime the Government of Yazid was perturbed at this success and Obaidullah Bin Ziyad—the Governor of Kufa was ordered to watch the arrival of Hazrat Husain and see that he did not step forward beyond the borders of Iraq. On Hazrat Husain's side he was repeatedly advised not to take the risk but the un-Islamic ways of Yazid had created such an adverse impression upon him that it was impossible for a true descendent of the Prophet as he was to remain

fort which the great majority do cheerfully undergo. But, as I have said, they are a people with a natural genius for religion.

They are a childlike, primitive and uneducated folk to whom Allah is ever present in their lives, far more so than in our own. He is a God to be feared and to be prayed to from afar, but their prayers are full of praise and little else. That this praise is offered more often than not in the spirit of propitiation is I think certain. His Name occurs in almost every sentence—in the ordinary etiquette of greeting, after bathing after washing, in short in most of the activities of daily life. The Name is ever before man in his waking consciousness, and yet, who can love this God ? Therefore the universal desire of love towards Him who, as revealed by their very faith, is unlovable, must be appeased by extravagantly expressed devotion to those whom they believe to be His Saints. It is only in times like Muharram and Ramadhan that we can catch glimpses of the real fundamentals of the Arab character and of its sterling worth

THE TRAGEDY OF KERBALA

ITS MEANING & SIGNIFICANCE

(By Allama Dr. S. N. A. JAFRI, Hanafi Sunni, Bar-at-Law.)

ISLAM has been by common consent a pioneer for democracy, and its early leaders were renowned for their pride of simplicity. Both the democratic element and the virtue of simplicity, however, waned when the prominent Bani Umayya Muawiyah, the sixth Khalifa was seated to the throne. His election itself was of a dubious character. The tribal partisan spirit dominated his election as the caste influence does sometimes in elections in India.

We have here a people who not only have a natural genius for religion, but are at the same time aching to express themselves, while hampered by a system of faith that hems them in with restrictions and limitations. It is not surprising that at such times as Muharram we find them letting themselves go in a way which to the superficial observer is only extravagant and ludicrous. The pathos of it is profoundly moving.

And even in Muharram it is the people themselves who have forced this concession from their religious leaders. These extreme exhibitions of grief and mortification are absolutely "haram" (forbidden). It was the Chief Mujtahid himself who, in a confidential moment, confessed to me with regret that in this matter he could not control his people. It would be easier to hold back the waves of the sea than to curb so fundamental a primitive emotion of the human race as its devotion to God; for this is the underlying principle of all the Muharam ceremonies, though none of the participants have the least idea of the fact.

I asked one of the head-cutters why he did it. He laughed and said he didn't know. As he was a person of rather greater intelligence than the average, I pressed him for a reason, and he finally said he thought that "everything was better" as the result. He could not make himself any clearer; but he explained to me that, though by acting in this way he thought there was a good chance of his own shortcomings being overlooked, he could not be sure of forgiveness. Still it certainly pleased God and " every thing was better."

This certainly bears a close resemblance to the Law of Mystical Substitution; and there is not, I think, any doubt that the vast majority of the human race does actually attach great value to suffering voluntarily endured, not merely as discipline to the individual sufferer, but because of a vague consciousness that as a result "everything is better." Many Arabs, especially among the children, have a truer knowledge of real religion than hundreds of pious Anglo-Saxons who attend their Sunday service and peruse the CHURCH TIMES on Friday mornings. For every Arab knows that religion means a certain amount of discom-

the balconies surrounding the yard we could just distinguish the huddled-up forms of some women of the household. We sat in absolute silence on a raised coveredin dais at one end. Now and again would be heard the dull thuds from a party of breastbeaters in some part of the city. A man comes in to tell us that they are on the way, and fades away into the darkness. A few minutes later we hear the approach of a large crowd, that curious, silent approach characteristic of a large body of men actuated by some deep religious motive. Lights begin to flicker on the wall, reflections from the torches without. Gradually the courtyard fills. There are four torches, immense braziers on the ends of long poles, and round each brazier a dim group of Syeds. Many of them were personally known to me, and others I knew by reputation. They were of all ages, some mere boys of twelve years, others bearded and bowed men well past sixty. The only mark distinguishing them as descendants of the Prophet was the small green turban that each was still wearing. All were stripped to the waist. Suddenly a young child, not more than thirteen years old, stood up on the dais. At a sign from the Killiddar I also stood up, keeping well in the background. The child began to read the story of the Passion of Hussein.

I have always thought that Arabic was a most musical language, and this child had been chosen for the beauty of his reading. He showed little emotion, reading the simple facts in his childish treble, clearly and slowly. At each pause came the dull blow—a curious effect of restrained intensity. In the smoky glow of those torches I saw hundreds of arms flinging themselves up to heaven, I saw those two hundred and fifty men and boys, the majority of them so hypocritically respectable in their everyday life, now stripped to the skin, fervently striking their breasts in honour of their martyrs while from above could he heard the passionate grieving of the women.

Here was no wildness, no lack of control. And I felt, and still feel, that at that moment I had touched upon all that is good and vital in Islam, that potential devotion and religious fervour which, directed along right channels, would move the world.

cutting at themselves with pocket-knives or any sharp instrument they can get hold of, and have to be restrained by force. Relatives of each headcutter accompany the procession and, the moment one drops unconscious from loss of blood. pick, him up and carry him to the nearest "hammam" or bath, while another carries a new outfit of clothes. In the bath, his wounds are washed and covered with what I believe to be. bitumen. He slowly recovers. By three o'clock in the afternoon he is completely restored, and can be seen galloping to and fro on horseback, taking part in the famous Passion Play, which is the representation of the Battle of Kerbela. This latter spectacle ends the day, and completes the more important ceremonies. It is a very respectable performance after all that has gone before, but in some parts is intensely realistic. The audience behave as though the real battle were being enacted before them. He who takes the part of Yazid must be a man of iron nerve, so threatening is the audience. Small Arab children are enlisted as supers. They represent the children of Hussein and his followers. A horseman. dressed in marvellous armous of a special colour, gallops towards them bearing an earthenware mug of water, which he gives to them, and gallops away. At once from the other side rides out a warrior who knocks the mug out of their hands with his spear, just as they are about to drink. The children cry, "Atshan, atshan ! " (thirsty, thirsty). and members of the audience weep bitterly at the memory of the pangs of thirst which brought about the downfall of the gallant little band under the leadership of Husain.

On one occasion I was invited by the Killiddar (Treasurer) of the Shrine at Najaf to be present in the Sahan to witness the arrival of the band of Syeds, the Servants of the Shrine referred to above. It was about 10.30 p m. on the night before the tenth. The Sahan is the building adjoining the mosque in which the treasure is said to be stored.

We sat waiting for them in the courtyard, without light of any kind. The house rose up dimly in the darkness all round us. Above could be seen a few stars on a cloudless. moonless sky; ard high up on

ceremonial and prayed for me, led by their Raudha Khan or preacher, while all the crowd responded, "Amin, amin, amin."

I confess to being not a little touched.

However, we will return to our Turkomans. Having procured their white garments and completely shaved their heads, they pass the whole night in the coffee shops, sharpening their swords, eating vast quantities of dates, and drinking an incredible amount of tea, in order, as I was informed, to raise the bloodpressure. At about 6 a. m. they all foregather at the shrine, and there, discarding their ordinary dress, they put on the new white grave-clothes. Sword in hand, they form up into a large circle in the vast outer court of the mosque, each one linked to his neighbour and all facing inwards. In the centre of the circle stands the leader, whose passionate exhortations are skilfully directed to work them up to the necessary pitch of enthusiasm.

Under the guidance of this leader, the circle will begin to move round, ever faster and faster. He watches for the psychological moment; and suddenly, with a shriek of "Sheikhasan" he brings his sword down on his own head. The blood spurts up and falls, covering his white robe with a crimson stain. The sight of the blood removes all restraint and all order. Shouts of "Hasan, Hussein, Ali !" and the dull blow of the swords mingle with the shrieks, groans, and sobs of the onlookers.

Then, forming in pairs, this ghastly band leaves the mosque and proceeds round the town, slashing themselves every few yards. As their frenzy mounts, so they grow wilder in their actions, drawing the swords across their breasts, which they have bared by tearing their robes, that are by this time no more than dripping masses of blood. Blood is everywhere—in the gutters and splashed on the walls of the houses. The roof of every house is crowded with spectators as this horrid spectacle winds its shrieking way through the city—spectators who by their moans and tears, only add horror to the scene. At times the sight is too much for one or two, who suddenly start

The climax comes on the morning of the tenth day with the head-cutting. In Najaf, which is full of Persians, this ceremony is largely confined to them, more particularly to the Turcoman tribe, the cruellest race of a cruel people. For ten days they adopt every conceivable device for working themselves up to a pitch of frenzy, tenderly nursing their swords and vying with each other in sharpening them. They are to be met occasionally parading the town with their own peculiar "sideways" step : the long line of perhaps two hundred and fifty men each holding on to his neighbour with his left hand, the right hand grasping the sword, shouting in unison, "Hasan, Hussein, Ali !—Ali, Hasan, Hussein. !"

As they march, the right foot is placed in front of the left, the left takes a pace to the left, and the right repeats the first movement. With the movement of the right foot, the right hand swings the sword across the body to the left, the point upwards. As the left foot makes its step, the hand swings back, and as the right foot comes forward once more the sword is brought across the body and upwards, as though to cut the head with an upward movement.

This slow progress is regularly maintained through the narrow and tortuous streets of the City during the four or five nights immediately preceding the tenth.

On the ninth of Muharram, yards and yards of new white linen or cotton are bought, and made up into long robes which come down to the feet. It was the custom in the Holy Cities and in the villages around to approach the representative of Government for money to purchase this material. During the Turkish REGIME, the motive underlying this was probably some subtle desire to force the hated Sunni into vicarious participation in the commemoration of those who were martyred by his detestable forbears. But under British rule, I can only imagine that it was the desire to save money at the expense of the "kafir." And yet, on the evening before the tenth a crowd of at least a thousand persons came and formed up outside my office, in all the picturesque panoply of their

is composed entirely of "Servants of the Shrine"—all Syeds—the others admit the lowest strata of the city to their ranks. The Syed band numbers about two hundred and fifty persons. Each band forms a kind of choir, for, wherever it stops, the masses flock round and in their turn begin beating their breasts, led by the trained band. The sound produced is quite unique and curiously threatening and uncanny. On a still night I have heard the dull thud of the breastbeating in Najaf, from a point in the desert over three miles distant.

It must be realised that these ceremonies do really involve a great capacity for endurance. Self-sufficient and inobservant Europeans often declare that it is all done for show, and that there is no real pain attached. They clearly overlook, or forget, that the mortification is practised at least twenty times nightly for ten nights in succession; that whenever the band stops each man strikes himself not less than a hundred times, and that each blow must fall on exactly the same spot. As a matter of fact, many of these men's chests present a ghastly sight on the tenth day.

To acquire the knack of back-beating with chains is more difficult. Three chains nearly a third of an inch thick and about fourteen inches long are fastened together at one end, and grasped in the right hand. Then the arm is flung up to its full height, and the chain allowed to fall over the head, striking between the shoulder blades. No force beyond the actual weight of the chain is used at first, until near the close of the ten days, as strength to endure to the end must be preserved, though, on the other hand, the final blows are often delivered with the man's whole strength. Every band, whether of back or chest-beaters, is accompanied by its Reader, its Torches—in large brasiers carried on poles, its Banners—among which that of Ali* is conspjcuous, and a motley crowd, who contribute to the illuminations by carrying household lamps. They are joined by musicians and others whose business it is to make as much noise as possible on instruments it would be hard to identify.

* An open hand on a stick, the fingers representing the five members of the Prophet's family—Muhammad, Fatima, Ali, Hasan, and Hussein

to the genuineness of his grief. I could never have believed that an Arab could show such depth of genuine emotion. It could not have been done for effect, to impress the crowd, as we were alone on the roof. I walked a little away from that sobbing figure, until the procession had passed on and he came across to me. I could detect no sign of any lasting effect. As we walked back he was once more as gay and voluble as he had been earlier in the evening. He told me that he was always affected in that way by hearing the story, and gave me some further details of the tradition with completely restored cheerfulness.

Again, if on the night of the tenth an unbeliever happens to meet the procession of the head-cutters, each armed with a murderous looking sword and calling upon Ali, Hasan and Hussein, he will be greeted with a friendly smile. The general attitude may be summed up in the word "God's in His Heaven, all's right with the world." But at the actual time of the performance of any mortification it is well for the 'kafir" (i. e. unbeliever) to keep clear, or—if he be well known to the performer—to preserve an attitude of reverential and respectful sympathy. For the emotion of the moment is genuine and true—an expression of utter devotion and loyalty to Ali and his sons Hassan & Hussein. I am not prepared to say whether it is the same of all Islam, but as to the Iraqi there is no manner of doubt that his whole phenomenal life is one kaleidoscope of changing emotions—uncontrolled and, while they last, absolutely sincere. I will return, however, to the actual ceremonies.

The bands already mentioned are all carefully drilled. For example, the beating of the chest must be done in a special way. Both arms are flung upto their full extent and then allowed to fall almost limp. As they pass the chest they strike it with the hands, and then the arms fall to the side. Each band is accompanied by a boy "reader" of about fourteen years old, who has been chosen for his skill in elocution. It is his duty to read or recite to the band, pausing at every ten or twelve words—when the blows must be heard; so that he plays the part of conductor. The bands of breastbeaters are the most numerous: one

commission or omission committed during the past year. The Ulema stoutly deny this, though they admit that such action is meritorious. But those who take part—the ordinary folk—are convinced that their souls are wholly purged. This largely accounts for the intense desire of the choicest sinners to take their share in this self-inflicted mortification!

Before describing these ceremonies in detail let me try to explain what seems to be the psychology of the people at this time. Their emotions are stirred to a high pitch, but they have no "sense of sin,' as we understand it. As the culminating tenth day approaches they grow more and more excited. The work in Government offices becomes steadily less efficient. They are keyed up, bursting with something they cannot analyse. Often the men have come to me for a day's leave, that they may join the head-cutting procession. Far from showing signs of grief, they have been wild with the joy of anticipation—the anticipation of a real emotional orgy. The event they are celebrating is not, until the actual moment, by any means uppermost in their minds. Happiness and joy in life are never more evident in their ordinary conduct than during these days.

I remember one instance which is typical. On the fifth evening of Muharram I was talking to a young Arab of about eighteen years old. He was far in advance of the average in intelligence, but, as a rule, languid and torpid. This particular evening he was one scintillating mass of exuberance—amusing and witty. We went out together to a large village about three miles off, climbing to the roof of a house from which to see one of the processions which soon after stopped just below us. A small boy stood up and recited the story of the battle of Kerbela. The dead silence of the crowd, the deep nightsky of the tropics, the soft waving of the palms in the background, and the childish voice telling a story that to any ears is tragic in the extreme, all made up a picture that I shall never forget. Suddenly my companion collapsed. He sank to his knees, his head buried in his arms leaning against the parapet, sobbing as though his heart would break. There could be no doubt as

THE MUHARRAM AT NAJAF

Extract from "The Ins & Outs of Messopotamia"

(By Mr. THOMAS LYELL.)

The desire to express religious conviction by external observance is well shown during the first ten days of the month of Muharram* and during the month of Ramadhan.

Their intensely strong emotional life finds full outlet during the first ten days of Muharram Much has been written of this, but nothing I think, of the actual observances at the fountainhead of the Shia' sect, the Shrine of Ali at Najaf.

Muharram is the first month of the Muslim year, and the tenth day is most holy for all Islam, for on it God created "Adam and Eve, His Throne, Heaven, Hell, the Seat of Judgment, the Tablet of Decree, the Pen, Fate, Life and Death." † The observance of the first nine days, however, is peculiar to the Shia' and this annual event keeps at fever heat the animosity and hatred between them and the Sunni. It is with the Shia,' the commemoration of the martyrdom of Hussein and his companions on the battlefield of Kerbela.*

For several weeks before the actual month of commemoration of the tragedy, bodies of men and boys about a hundred strong form themselves into bands under a chosen leader. Each band specialises in some particular form of physical asceticism. Some are composed of breast-beaters, others scourge their backs with chains. It is generally believed, though not officially laid down, that by taking an active part in these observances the faithful obtain a plenary absolution for all sins of

---

* The Sunni only observe the 10th day of the month.

† Sell, FAITH OF ISLAM

* Sunnis bith commorate the Martyrdom of Imam Hosain but for some years past in India The shias and Waha bes now called Ahrars try their utmost to cause disturbance in connection with Moharram all over the country

piercing the heart of the child. Then followed an all-night battle when men fought like beasts and tore at each other's throat. At last a way was cleared to the water's edge. When Husain came to fill his bottle it was day and he saw the water ruddy with blood."

"The price of a drink is blood" he said, throwing away his bottle. Then he cried with a great cry to Allah. As he prayed a javelin flew across the water bringing swift death and found a sheath in Husain's breast—and so died the Prophet's descendants and with them died the true meaning of religion."

Vaguely I knew he was a Shia to speak so.

"But even to-day," said the dreamvoice, "we commemorate the murder of the great brothers; so they did not die after all but live for ever in our hearts."

The procession had turned the corner, the noise was like a hushed murmur of waves on a distant shore. The old face before me, so alive a minute ago, was still and inscurtable as of marble. The light from the single taper fell on his unseeing eyes. As I thought what a model he made for a sculpture's chisel he broke the charm by turning his head quickly towards the sound of a footfall.

'Mushkil asan,' he intoned, "charity to an old man and the great Allah will bless you always."

Unfortunately the Printing Machine failed and we had to wait for its repair till the end of April 1939—hence the delay

Manager.

"After the Prophet's death," flowed the ghostly sound, "the believers fell out." Some wished to make Hasan and Husain, the Prophet's grandsons, Caliphs, others averred that the most worthy should fill that exalted position and not the brothers just because they were of his blood. A long struggle followed and many fierce battles were fought before the grim tragedy of the Karbala. Ali, the fourth Caliph since the Prophet's death, was killed while saying his prayers in the mosque. Hasan, his son, was elected Caliph under certain conditions. He lived quietly in Medina in order to avoid discord and bloodshed. But Muaviya, the leader of the independent party, feared the followers of Hasan and induced his wife to poison him. In return he promised to marry her to his son. When on the death of Hasan she came for her reward, Muawiya had her executed saying she who could not be faithful to the Prophet's grandson could not be faithful to anyone else.

"Many battles were fought after this till Husain, the brother of Hasan, was invited to be Caliph. Husain was aware of the bitter struggle ahead yet had no choice but to accept the invitation and go to battle with the forces of Yazeed, the pretender to the Caliphat. In order to save the sacred city of Mecca from destruction he left it with his whole family on the third of Zib Haj and marched to wards Kufa. But he was overcome on the way by the enemy and driven back into the desert. After retreating many leagues he encamped near Karbala with his small army and many women and children. Soon water shortage was acute for the enemies' forces guarded the waters of Karbala day and night. Husain decided to make a dash for the river but Obedullah's army stood in the way. To return to the desert meant death—so fight he must or perish of thirst.

"A grim battle followed. Husain's brave men fought their way through to the water but there they were beset from both banks. Whenever Husain s men reached the water to fill their casks the enemies' flying javelins laid them low. Husain's little son was dying of thirst. In despair he came out of the camp, held the boy up and begged for truce that he might get a drink for him. The reply was a swift-flying javelin.

neighbour. On his white head was a fez that had seen better days—his thick white eyebrows met in a bushy tangle in the middle, his eyes, denuded of all lashes, looked helpless and unprotected. His beard was an untidy mass. Before him stood a long "chirag" stand with a single taper burning in oil.

"Mushkil asan," he intoned turning to me, "give the old man a pice and the great Allah will bless you."

"Have you come to see the procession?" I asked putting a coin on the plate at the base of the "chirag" "you are too old to be out on such a night."

"I have not come to see," he said, "the finger of Allah touched my eyes ten summers ago and put out the light. But when the hot blood flowed in my veins I also carried a tazia to the tank or played with firebrands. Now I come to hear."

I sat looking at the passing procession—some struck their breasts as if in agony, some waved swords and sticks and torches, some danced in ecstasy. The noise was deafening.

"He was a brave man," said the old man, the light of his 'chirag' flickering on his pale face, "ah yes, a brave man."

"Who"? I said, hardly listening.

"Why Husain—who else?"

"Look," I cried, forgetting his blindness, "they are now leading two riderless horses by their bridles."

"Ah," he sighed, "those are the war horses of Hasan and Husain. That was a terrible battle, son, at which Hussain fell."

"Why did they fight?" I asked.

His voice deepened into a whisper—it was hardly a voice It was like the soul of the panoramic procession made audible

MUSHKIL ASAN

(By Madhuri Dutt, Calcutta.)

ALL day the drums had been insistent—the din and clamour, as procession after procession passed down the street—was like a long-drawn wail calling people out to mourn the death of the two valiant brothers—Hasan and Husain.

All day I sat at my desk fidgeting for I was a born prowler. Always as a boy I deplored the lack of imagination in school authorities who considered a feast day or a fast day subservient to education and held classes when a procession passed below the school. Always on such occasions I took the law in my own hands and followed it for miles. Whether it led me to the Pareshnath Temple or to the river ghat or to the Karbala Tank did not worry me at all. The thrilling adventure was to belong to a crowd—to be part of it.

So to-day as soon as I could get out of doors, I mingled with the throng and at once the current of fervour and excitement that ran high quickened my pulse. But soon I discovered regretfully that my palmy days as a toe-crusher were over. As a school boy I knew the whole art—how to shoot back an elbow hard into the solar plexis of an enemy pressing you from the back—or how to close your fist knuckle upwards and bring it up sharp against the rib of the five foot tenner who stood in front. But I was no good at it now. As the crowd swirled around me I stood helpless, like a sacrificial lamb and let the enemy elbow and knuckle me and stand on my toes, Suddenly the noise increased—the drums were more importunate than ever—the vanguard af a fresh procession approached waving lighted torches aloft. In their lurid light the faces of the men, mostly bearded, looked weird and unearthly. Drawn by an irresistible fascination, I moved towards it. What happened next I am not quite sure, For a few minutes I was borne along as on the crest of a wave, then flung aside like so much flotsam against the stone balustrade of a house, As I sat there panting, I saw I had a neighbour, a strange

The good and pious Husain, the son of Ali and the grandson of the Prophet had only one natural course to adopt and he chose it.

He refused submission to Yezid and accepted death for himself and his near and dear ones. For the sake of his people he gave his all.

The supreme sacrifice had its reward; the drowsy people were awakened and their enthusiasm was roused when their dear Husain and the family of their Holy Prophet were massacred. They could now see Yezid in his true colours. No amount of propaganda could hide Yezid's guilt. He was condemned, the religion was saved. Years have rolled on, centuries have passed, but the zeal and enthusiasm of the Muslims has not abated and recognition of Husain's great sacrifice and the homage to the Hero has taken a definite shape. His praise is sung by one and all Muslims and every sect of Islam honours him for saving their religion from being polluted by Yezid. Each sect honours him in its own way and hence the processions. The Shias or the Shiayan-e-Ali, to give them their full name, which means the partisans of Ali mourn for their lost leader and his band, for most of them are his descendants or the descendants of his partisans. Black-robed, bare-footed, beating their breasts in unison they walk through the streets carrying the replica of Husain and the prophet's Standard and Dulduls which represent the chargers of the hero, his son and brother. The Sunnis, who also join these processions, take out "Akharas" also, in which demonstration of their skill in the weapons of war and athletics are given meaning that they are prepared to meet the foes of Husain.

The scheming Yezid turned his attentions upon this kind and pious soul, calculating upon the forced subjection of Husain, which would then get him accepted by the rest of Arabia, But little did he know that Islam's stalwart, Husain, the Champion of truth would put up such a desperate defence. This great Imam foreseeing Yezid's nefarious intentions decided upon quitting Mecca so that the Holy of Holies may not be desecrated by bloodshed and on the invitation of the people of Kufa proceeded there.

Yezid persisted in his evil designs and sent an army under Obaidulla-ibn-Ziad to Kufa to force Husain into subjection or remove him from his path. Muslim, cousin-german of Husain was brutally murdered by Yezid's general at Kufa. With his riches Yezid had bought over the greedy chiefs to his side. The populace was completely demoralised by the chiefs and by Muslim's brutal death and the manner in which his corpse was dragged through the streets when he had reached near Kufa ,Husain was informed of the sudden change of the Kufan attitude and the assassination of his cousin . He changed his route and a little apart from the direct road to Kufa encamped at Kerbala , a desert village on the banks of the Euphrates; here he was not allowed to remain in peace for, immediately, he was pounced upon by Obaidullah and his huge army.

Husain was accompanied by 72 followers only, his kith and kin, the majority of whom were the direct descendants of the Holy Prophet. This small band was subjected to the worst kinds of torture that can be conceived of. Worst of all, these innocent people, these budding and blossoming flowers of the garden of the Holy Prophet were deprived of water for three days and nights. One can imagine what it means to be without water in the sandy deserts during the hottest part of the Arabian summer. After three days and three nights of unbearable suffering Husain had to choose between hurling his people into paganism under the misguidance of Yezid, ruining his grandfathe'rs life-work or awakening them to the state of affairs prevalent and rousing them from the sleep they had fallen into.

democratic spirit and the right of the individual—the essence of Islamic teachings. His martyrdom opened the eyes of each and all and as is rightly said, the blood of such martyrs is never shed in vain, people began to realise their blunder, and through that realisation came the desire to purge themselves of it. Imam Husain's life is unique in the history of the world, a tremendous sacrifice in the cause of righteousness. If only we Muslims were to try and learn the lesson it teaches us and act upon it. Live only for your principles, swerve not from the path of righteousness let nothing deter you from acting according to the dictates of your conscience, be ready to sacrifice your all if need be in doing your duty. Do not hesitate to give your life and that too happily for the sake of "Truth". Such a lesson is not meant for Muslims only, it is for the whole world.

THE TRAGEDY OF KERBALA

(By M. M. Begg.)

IT will be interesting for our readers to know the significance and cause of the many processions that are seen in Calcutta during Moharrum. Moharrum is only the name of a month in the Arabic Calendar, but to-day it is synonymous with the great tragedy of Kerbala. This tragedy occurred on the 10th day of this month, hence the name.

Yezid the son of Amir Mouawiyah, was all-powerful at the time and his ambitions knew no bounds; not satisfied with the temporal power and the regal splendours that he enjoyed, he desired to be the Spiritual head or Caliph of all the Muslims. He made full exercise of his influence and riches and got many adherents; but all Muslim Arabia still looked upon Hazrat Imam Husain, the surviving of the two grandsons of the Holy Prophet Mohamed as their Spiritual guide and religious head.

help feeling disappointed that the picture of a person, laden with sorrow and grief and appealing to his relentless enemies for any mitigation of their cruelty, has been incorrectly drawn, and does not do justice to the true character of which every Arab nobleman, particularly an Ahl-i-bait, was always proud. One only hopes that some great historian of the future will do justice to the true spirit which pervaded the battle field of Karbala and which guided the undaunted course of action of the grandson of the Holy Prophet.

The Greatest Martyr of Islam

By Begum J. A. Shah Nawaz.

'For God's sake do something for the child. I have not a drop of milk and he is dying of thirst', said the wife of the greatest Martyr of Islam. He, who had seen his little band of followers cut down by the swords of the murderers, what could he say? At last, he said, 'Give him to me. I will take him to them, their hearts might soften after seeing an innocent child suffering like this' He went out of the tent and faced the thousands before him with Ali Asghar in his arms and their reply was a shower of arrows. One struck the little neck and the child breathed his last. Qasim, his beloved nephew, son of Imam Hasan, comes to him and begs of him to let him go into the field of battle. The heart of the Imam bleeds, yet he cannot withhold his consent. That worthy son of a great father proceeds to the battle field to give his life for the sake of Truth, and ultimately lays down his life.

Ah! The Karbala tragedy is full of such tragic incidents and there is not a single Muslim, who does not feel for that greatest of martyrs and his family.

Imam Husain (Peace be on him) lived and died for the vindication of the Islamic principles, for truth, justice, purity, simplicity, for the

But all this is only one side of the picture. The painting has been overdone, with a determined idea to appeal to the tender side of human feelings and affection. What has been unfortunately forgotten is that there was also a sterner side of that picture—something which would depict the iron will, the strong character and the firmness of the Arab mind. The true Hashmi character has not been properly portrayed at all. The unalterable resolve to fight for the cause of Islam at all costs, the unflinching determination to stand by its high principles to the last drop of blood, the fearless resolution to sacrifice life without flinching from duty and the stern resoluteness not to submit to wrong or yield to evil, have not been sufficiently emphasised. It cannot for a moment be imagined that the bravest of the warriors of his time, with full knowledge of the inexorable death, staring him in the face, with the certainty of humiliation and insult being offered to the dearest of his relations and yet with the grim determination not to bow down before incalculable odds, would stoop to make any piteous appeal to the ferocious men surrounding him. It is almost inconceivable that such a bold determination could have been fixed in his mind without that iron will and that steel heart, which are the necessary accompaniments of a brave soldier. Hazrat Imam Husain saw life after life being sacrificed on the burning sand of Karbala, but any feeling of utter helplessness that might creep into his mind did not make him swerve from his firm stand not to submit. When in the face of inevitable death there was not a wavering mind, there could have been no place for a tear in his eyes or any fear of his enemies in his heart. Buoyed up by an undaunted heart, strengthened by an unalterable faith in the ultimate triumph of Islam, assured of the immediate attainment of eternal bliss, he could not have stooped to appeal to his enemies for mercy or climb down and ask for quarter. He set an inimitable standard of courage and bravery in that unequal fight. One need only visualise in one's mind's eye what chivalrous spirit must have filled that brave mind. His bravery and boldness were demonstrated by his valiant conduct and the memorable deeds of valour performed by him. When one bears these considerations in mind, one cannot

The true aspect of the Great Catastrophe

By the Hon'ble Dr. Sir S. M. Sulaiman, Kt., M. A., L. L. D.

THERE is not a single Muslim who is not deeply moved on recollecting the heart-rending scenes of the Karbala Tragedy. It is even a matter of religious belief that to shed tears for those who sacrificed their lives in the way of Allah on that memorable occasion is a highly meritorious act. Accordingly, poets and prose-writers have vied with each other in depicting the horrifying details of that tragic event in history in the most pathetic language possible. The degree to which graphic descriptions of that melancholy incident can evoke the deepest emotions and move devout hearts to tears has been considered to be the measure of literary excellence. In particular, Marsiyas, which, in their very essence, must be couched in a strain full of pathos, have excelled in producing the greatest effect that frantic grief and sorrow can produce. Recourse has been had to the most exaggerated forms for expressing high sentiments of paternal love for children about to be left behind, the affection and anxiety of husbands for their beloved consorts, the worried mind of the Patriarch for the members of his family, and the regard of the master for his followers and servants. We have also had, in plenty, expressions of the reciprocal feelings of ladies, tender youths, devoted relations and faithful followers, when brought face to face with the grim realities of an inevitable fate. The literature is full of the most harrowing and gruesome accounts of the heartless cruelty and the merciless tyranny shown by the callous and mercenary assailants to that pious band of true Mussalmans, who were completely surrounded and hopelessly outnumbered, and were also tortured by thirst. Our most classic Marsiyas reproduce the weeping, the wailing and the crying of Muslim ladies and children when realising that there was no escape from the inevitable assassination of one whom they loved, honoured and respected.

zone at that time, or in order to save his own life along with the lives and honour of his near and dear ones he might have accepted the terms of peace proposed by Yezid's lieutenants when their soldiers had surrounded Husain and his small band of followers on the plain of Karbela. But the son of Ali preferred to die than to surrender to the rule of the despot. No worldly temptations, nor physical pain, or mental worries, could shake the firmness of Husain. He refused to accept the son of Muawiya as the "Commander of the Faithful," even at the point of sword, and by dying such a cruel death, the like of which has never been seen or heard, he showed the whole world that one who fears God, shall be afraid of nobody else. To fight in the path of God and to die for the sake of His pleasure, should be the sole aim and object of every man of religion. He must always be ready to sacrifice every thing for the cause of Truth. Neither the thought of the safety of his beloved ones, nor the cares and anxieties for the honour of his womanfolk would become obstacles in the path of his struggle for the truth. Husain's predecessors, Abraham and Ismael had showed their intention and determination to sacrifice their best for the pleasure of the Divine Will, while he himself, being quite aware of the noble heritage, actually sacrificed every thing that he possessed in order to save the prestige of Islam. His very actions showed the entire world of Mankind that those who love God, they live only for Him and they die for His cause. The good intentions of Abraham and Ismael bore fruit in the shape of the Divine commandment which made the celeberation of the anniversary of their "Sacrifice" compulsory for us all; while the sacrifices of Husain, which gave out practical proofs of his Godly intentions through his very noble actions, appealed to the sentiments and religious instincts of the people in such a way, that inspite of the fact that there was neither any Quranic injunction, nor any prophetic command, to commemorate the Tragedy of Karbela, men and women of every time and clime, of all shades and colour, keep themselves in mourning during the first forty days of the Muslim calender, and deny themselves all pleasure of life, only to remember the sufferings of Husain and his fellow martyrs, which happened centuries before. "Thus does God reward the doers of the good."

(T. Rezwi)

importance to, simply on account of the fact that they have connections with the pious lives of Abraham and Ismael, the two dutiful and obedient servants of Allah, who never hesitated in their determination to sacrifice all that was dear to them in the path of their Master, for the cause of Truth. Their very actions showed that they were ever prepared to give away their very souls for the sake of their religion. They set examples to be followed by all creatures of God, on the face of Earth. And thus, the anniversary of the illustrious deeds of Abraham and Ismael is celebrated every year with all pomp and grandeur, in the form of Pilgrimage to Kaaba, so that people may not forget them at any time.

Let us now turn to another incident in the history of Mankind in general and of the Muslim world in particular. After the death of the Prophet of Arabia, circumstances had changed to such an extent that those who were the avowed enemies of Muhammad and his Islam, became the leaders of the Mussalmans. Yazid, son of Muawiya, son of Abu Sufyan, of the notorious Omayyad tribe, a drunkard, a debauch, and a tyrant, got himself appointed as the "Commander of the Faithful," and began to destroy the very institution of Islam, through his misdeeds. We need not go into the details of the history of that period, as every thing is well-known to all. We have only to see as to how Husain, a descendant of Abraham and Ismael, actually sacrificed his life along with the lives of his kith and kin, in order to save God's religion, which had so painstakingly been reformed and re-established in the deserts of Arabia, by his illustrious grand-father, Muhammad. We have also to find out as to how the services of Husain to Islam, have been duly rewarded by God, and his name along with the names of all those who suffered with him, has been given perpetual existence in the history of mankind, while the anniversary of Husain's sacrifices is celebrated every year with solemnity and enthusiasm, not only on the spot where Husain died, rather every where on the face of the earth, and not only by those who are Shias and Mussalmans, rather even by those who are outside the sphere of Islam. Husain could have easily stayed out of the danger-

paying homage to the Almighty, which the father and the son had recited on that particular day. They have to enter the holy boundary of the *Kaaba* in the same fashion as that done by Abraham and Ismael on the very first day of their entering the House of God after building it. They have to perform prayers within the *Kaaba* in almost the same manner as had been the practice of those two great and illustrious messengers of Allah. Nay, the pilgrims to *Kaaba* have to do certain other things too, in course of their holy pilgrimage. They have not only to slaughter an animal, like a camel or a sheep or a goat, in order to commemorate the practice of Prophet Abraham, rather they have also to follow in the foot steps of his wife, Hager, the mother of Ismael, and to perform certain things which had been done by her in her miserable plight during the childhood of her son. It is said that while Hager was making a journey away from her home, along with her child Ismael, she entered the desert land between the hills of Safa and Marwa, in the territory of the Hedjaz. Both she and her son felt thirsty and quite desperately she began to run up and down between the two hills in search of water. Her vision used to prove false to her as occasionally during her attempts the *Mirage* of the desert appeared before her in shape of water. Her many disappointments even led her to throw stones at long distances before her eyes in order to assure herself that the watery-like surface which appeared in front of her would give out the sound of water through her stone-throwing.

Now, this minor incident too. connected with the childhood of Ismael, Son of Abraham, became pleasing to the eyes of God and He ordained that the pilgrims to Mecca must also run between the hills of Safa and Marwa, in the same manner as Ismael's mother had done. They are required to throw stones as well, following closely into the footsteps of Hager. In the Holy Quran, the followers of Muhammad are desired by God to honour the above mentioned two hills, while the animals for "Sacrifice" are to be regarded as *Sanctified*. Even the color-straps and the ropes with which such animals are tied up, should be treated as holy. All these things have been given religious

simply for the pleasure of God; and when he narrated his dream to Ismael, who was then only a boy, the latter at once told him: "Father! Do whatever you have been desired by the Almighty, and you will find me patient and submitting to the will of God." Abraham led his beloved son out into a lonely place, and there he wanted to slaughter Ismael with his own hand. By his intention and determination, the Prophet of God had already shown that he was prepared to sacrifice even his dearly beloved son only to please his creator, and that he was ever ready to face the worse in the path of God. Abraham's fidelity to his Master had been tested and now the Divine Mercy caused a *ram* to be slaughtered by him in the place of his son. But this was not the only reward from God that Abraham saw the face of his dear son again in full bloom of life, for his sincerity towards his Maker. And though Abraham had not actually slaughtered. Ismael, yet the actions of the father and the son, in showing their full submission to the Divine will, became so much weighty in the eyes of God that the entire career of Abraham and the whole active life of his son Ismael, along with even a few actions of the latter's mother, Hager, were made compulsory to be commemorated, every year, by all who believed in the Divine Mission. Muslim pilgrimage to *Kaaba*—a four-walled small house of bricks, built by Abraham and Ismael—is nothing but revival of the practice of both these father and son, who on account of being residents of a distant place, used to repair to Mecca, at least once in a year, to pay homage to God near that very spot where He had accepted their "Sacrifice", and to pay thanks to Him for the favours He had bestowed on them at that time.

Pilgrimage to *Kaaba* is compulsory for all the followers of Islam. Only those are excepted who are unable to perform it on account of certain material reasons. But even these latter are required to commemorate the "Sacrifice" of Abraham, at their own native places on that particular day of pilgrimage. The actual pilgrims at Mecca, on the other hand, have to move towards the holy *Kaaba* in that very kind of garb which had been worn by Abraham and Ismael on that *first* day of "Sacrifice". They have to utter only those holy verses, while

he would not have taken up the challenge of Yazid single handed and alone, if he would have submitted like others, the religion of God and the Holy Prophet would have been doomed. Hossain came as a saviour of Islam when it was in the greatest danger. He left an example not only for the Moslems but for the whole world. Self-determination, the rights of the minorities, religious freedom etc. which are the slogans of the civilised world of today were all taught and proclaimed by H. I. H. through his one set which has no parallel in the pages of history. The immortal couplet of the Saint Moinuddin Chishti * shows in a nutshell what Hossain did for Islam and for humanity at large. It is only fit and proper that all Moslems to whatever creed they may belong should respect the memory of this great reformer and grandson of the Prophet, but for whom God knows what would have been our condition to-day !!

---

* شاہ است حسین و بادشاہ است حسین　　دین است حسین و دین پناہ است حسین
سرداد و نداد دست در دست یزید　　بالله که بنائے لااله است حسین

Prophet Abraham & Imam Husain

Sacrifices for the cause of Truth.

By Professor Taher Rezwi, M. A., Gold Medalist, Presidency College, Calcutta.

HISTORY always repeats itself, though mostly in a vague manner but sometimes very much forcefully. Abraham, the Prophet of the Israelites and fore-runner of the Reformer of Islam in Arabia, once saw in dream that he was sacrificing his son, Ismael,

the Head of the State? No! He knew that this would be equally useless, as the wealth and savage use of force by Yazid had corrupted and paralysed the senses and souls of the people to such an extent that these mild forms of protest would not stop the rot. Should he raise arms against Yazid? As a true Hashemite and a moslem he could not do this and cause civil war and bloodshed of the Moslems. He could not do any of these things and the only and the best course left open to him was to hold fast to his birthright, uphold the torch af Islam and refuse to submit to Yazid's demand of spiritual surrender. The great Imam had no radio to broadcast his message or appeal. He had no press to carry on his propaganda. He had no gold to buy support on behalf of the true cause of Islam. He was alone with his band of faithful followers and relatives to fight the full might of Yazid. But like his grandfather, the Holy Prophet he never wavered. He knew that he had the right on his side and under the most tragic circumstances he stood firm like a rock, majestic, grim and sublime, never yielding to worldly consideration, never retreating for cover when overwhelmed.

The tragic events of Kerbala as they happened on the 10th of Moharram are too well known to be recounted in detail. It is enough to say that the Great Imam had no broadcasting station to proclaim to the world the injustice of Yazid and the enormity of his crime. He offered his sacrifice for the cause of Islam in a desert far from human habitation. But God knew his work. Every precious drop of the blood of the innocent martyrs which was shed on, and mixed with the sands of Kerbala was wafted on the wings of the winds to the remotest corner of the world, and the cry of young children in that wilderness has been vibrating all these centuries through space and reaching the ears of those who mourn the martyrdom of Hossain and his little band at the hands of Yazid and his followers.

The greatness of H. I. H. and the magnitude of his sacrifice can be judged only by contrast. We know what was at stake for which he laid down his life. It was nothing less than Islam itself. If

bring to a swift close the chapter of the Spiritual greatness of the Hashemites which started with the Holy Prophet and which still continued to remain with them in spite of the Omayads having all the temporal power in their hands. It was this vile ambition more than anything else which egged Yazid on to perpetrate the great crime

The fate of Islam hanged in the balance. The great Imam saw that if he submitted to Yazid and recognised him as the spiritual head of Islam, it would mean destruction and annihilation of the whole structure of Islam and all the work and sacrifice of his Grandfather the Holy Prophet.

Now gentlemen, could you think the Imam doing anything like this and aid and abet Yazid in his vile scheme? Could a Hashemite ever do such an act? No! H. I. H. had no option. His duty was clear. He rebelled, and refused to submit to Yazid's demand. Yes, H. I. H. rebelled. He rebelled against oppression and cruelty, against irreligion, against sin and debauchery, which was undoing all the good work of his Grandfather, the founder of Islam.

The Khalifa who was supposed to be the personified glory of Islam and who was supposed to be the embodiment of all the virtues and a fitting example to his followers was himself the worst offender on every head. He rebelled against all this and much more. He saw the great structure of Islam being pulled down brick by brick. The very foundation was giving way. He knew he could not allow the vandalism to proceed any further. There was no time to be lost. The position was critical and delay would have been fatal. If Islam was to be saved something urgent and drastic had to be done. But what that something should be? Should it be advice to khalifa? He knew it would be of no avail. It will not filter into the khalifa's head which was more often than no filled with wine. Should it be a call to the people to rally round the hold fast to the original teachings of Islam as laid down in the book of God and as preached by the Holy Prophet and to be misled by the example of

him? Can any champion of Yazid say that H. I. H. forfeited his life because he no more remained a Moslem or he had sinned and broken the canons and laws of Islam? His worst enemy did not and dare not say so. No, there was nothing wrong with the great Imam, but there was everything wrong with the man who was dragging the true faith into perdition along with his own corrupted self. Yazid wanted H. I. H. to recognise him as the spiritual as well as the temporal head of Islam. Naturally H. I. H in the light of Yazid's misdeeds and debauchery could not recognise him as a fit spiritual representative of the Holy Prophet. The Hashemites ever since the death of the Holy Prophet had never interfered in the work of the State. They allowed others to carry on as best as they could the work of conquests and annexations, while they remained the true torch-bearers of the Islamic faith in all its purity and were the recognised living authorities on all ethical and spiritual questions. But Yazid could not tolerate to see that there should be anybody else who could have any say even in religious matters in his State. He was intoxicated with power. Threats and promises, the two most powerful weapons of State-craft were freely used by him to get himself recognised in the manner he liked by all the provincial Governors and Viceroys.

An interesting question now arises. Why Yazid was so keen for the submission of H. I. H? Was he also one of the provincial Governors, or the recognised leader of any army which could have been potential danger to his Government at some future date? We know it for certain that it was not so. H. I. H. was leading the retired life of an ordinary citizen with his kith and kin and never gave by his actions or words any grounds for anxiety to Yazid. Yazid was fully conscious of this, but he also knew that as he (Yazid) was breaking and violating all the social and religious laws, a recognition of his being the spiritual head of Islam, by Hossain the Grandson of the Prophet and the living leader of the Hashemites was essential to give him the necessary license before the eyes of the world to go ahead with impunity with the programme of destruction of all the Islamic laws and teachings and to

vice. (vide Maderijul Nubuwat Vol. 11 by Sh Abdul Haq of Delhi). It is needless to go into the painful details of Yazid's character and misdeeds. People interested to know full particulars should refer to the standard authors like (Dizi's History of Persia etc). We should also remember that when Yazid came to the throne Islam was still very young. A good number of the faithful and true followers of the Holy Prophet who had the honour of seeing him and listening to his preachings were still alive. There were also living, those whose fathers, brothers, and uncles, in their repeated and fruitless assaults on Islam in its early days had met their doom at the hands of the great champion and Lion of the True Cause, Hazrat Ali. These survivors, though they professed Islam, never forgave the Hashmites for the death of their relatives and, like the true primitive Arabs who carried the blood feuds from generation to generation, they marked their time for years and when chance came wreaked their vengeance on the Hashemites on the plain of Kerbala. The incident on the 10th of Moharram when H. I. H. in his last appeal to the army of Yazid asked them why they were so keen to murder him and his Ahlebait, and their reply that they wanted to avenge death of their own relatives at the hand of his father Ali, will amply support the above statement and will further conclusively prove that the people had already forgotten a good deal of the teachings of the Prophet and they were relapsing into the social and mental degradation from which the Holy Prophet had pulled them out.

Can anybody now say that Yazid and his followers represented the true spirit of Islam? Was it this that the Holy Prophet had preached and practiced? Is it not a fact that the life and property of the most bigoted idolator and atheist became secure and sacred on all Moslems once he admitted the Unity of God and recognised Hazrat Rasool as his true Prophet? Did Islam preach unprovoked murder of Moslems by Moslems? Did the Prophet leave any set of State Laws behind him in which he had said that the life and property of the common citizens in the Islamic world was to be a pawn in the hands of the unscrupulous kings and autocrats who may be ruling the destinies of Islam after

The tragedy of Kerbala is a proof in itself that the virus of sin and corruption was eating away the very vitals of Islam. The soul force of Islam was giving way before the lust and greed of Mammon. Otherwise how could one count for the massacre of the grandson of the Prophet by the very people who were reciting the Kalema of the great teacher. If anybody has any doubt about this, let him study Yazid and his court.

The Kholafas brought a great part of Asia and some parts of Africa under the banner of Islam, by conquest. This no doubt extended the boundaries of the Islamic world but in its wake it brought about bad results. The successors of the Prophet were no prophets. They were ordinary human beings and natura ly they could not follow the teachings of the Holy Prophet in its pure and true spirit. Invitations and persuasions gave place to ruthless wars of annexations. Empires brought wealth and wealth brought power and all the evils that go with it. Justice was at a discount. Piety and honesty gave place to sin and license. Islam which started as a universal brotherhood became a full-fledged autocratic institution by the time Yazid succeeded the throne of his father as the 6th Khalifa (Vide Izalatul Khifa Maqsad II, by Sh. Waliullah of Delhi).

The Spiritual glory of Islam had gone down in dust and the decomposed, worm eaten and tottering skeleton of Islam was personified in Yazid.

The majority of writers on Islamic history agree that Yazid was a complete failure even as an ordinary human being, much less as a khalifa of Islam and a successor of the Holy Prophet. His personal weaknesses were such as to create disgust in any rational human being. Every conceivable vice was present in him and we can well imagine the fine example that he would have made of Islamic simplicity, purity and virtue to the whole world and to the whole posterity if he would not have been challenged by one man who alone saved Islam from annihilation and who had the courage to defy all the forces of corruption and

great Soul Power (Sir D. Ross). Among the millions of idolators who had their idol gods in every home and for every day of the year, the Holy Prophet with a handful of his faithful followers proclaimed the Unity of God and by his own example united the people and showed the way to salvation. It was the truth, the sincerity and sublimity of his call that brought together the sons of the desert under the banner of Islam, and though at times things looked gloomy and some of his camp-followers wavered in their faith and support, the Holy Prophet never halted. He fully knew the truth of his mission and he marched forward with the message of God on his lips and achieved the impossible. He left the Arabia united, sane and monotheistic.

As has been written above his mission was not to create an empire by a series of conquests, because that would have been a direct negation to his preachings and his invitation to the whole world to come under the fold of Islamic brotherhood, and it was his greatest wish that after him the great mission should be taken and continued on the same lines and his successors should follow his teachings and the laws of God as put down in the Holy Quran.

The Holy Prophet kept Islam scrupulously clean of all temporal impurities. He made a universal brotherhood in which there was no place for kings, courts and Empires. This universal brotherhood of Islam which the Holy Prophet created and left behind him was miles ahead of the most benevolent democracy which the world had ever seen and which history could show us

Now let us for a moment pause and think whether Islam retained this intrinsic purity and characteristic after the death of the Holy Prophet, or whether deterioration at once set in, a deterioration which was imperceptible to the common eye but which all the same was serious enough to change the outlook, the mind nay, the very Soul of the major part of its followers to such an extent that it reached its climax in the most inhuman massacre that the world has ever seen.

the catastrophe that overtook him (Vide Minhajul Sunnat Vol. 11). There are also those who condemn, in the most vehement manner, and in the strongest language possible, the sacrilegious act of Yazid in harming the person of the grandson of the Holy Prophet and the inhuman massacre of Kerbala (Vide-Musheerul Ahzan).

The deplorable and unfortunate divisions in the body principal of Islam which came into existence after the death of the Holy Prophet with the natural contradicting and conflicting statements and writings which flowed in abundance from the supporters and writers of the two rival camps give a person no chance to settle this or any allied question by arguments, as after 1300 years of arguing and wrangling the issue today is as undecided and vague as ever.

Let us therefore try and approach the subject from a new angle. As far as the actual tragedy of Kerbala is concerned in itself, nobody denies it. The whole moslem world agrees and many non-moslem research Scholars confirm that H. I. H., his kith and kin and companions were butchered at Kerbala by the forces of Yazid under his direct and definite orders. We have also before us historical truths giving us full details of the result of this tragedy and its effect on the Soul and Spirit of Islam. Now let us for a moment suppose that if there would have been no tragedy of Kerbala, what would have happened to Islam, and in what form and shape it would have reached us. We can have a rough idea of this if we take the trouble to study, on purely historical basis, Islam as it existed in the person and at the court of Yazid.

To begin with, the Holy Prophet came with a sublime mission. His mission was not to create an empire based on wars of annexations but to create a federation of unity, brotherhood and toleration among the divided and savage Arabs of the desert. He preached Unity as the basis of Islam. Unity of God and unity of men who believed in the divinity of the creator. This the Great Teacher achieved not by the force of Sword as some critics of Islam have wrongly stated but by his Divine and

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 3. MARCH 1939. Nos 12.

The following is a contribution from an educated lady who has not permitted us to mention her name. This thesis will go to show that Western education cannot keep one aloof from religion. On the other hand it will be evident that an educated lady can have better regard for her religion than an ignorant or the educated and the cultured one, be she an Indian or an Iranian.

Editor.

Islam Without Kerbala.

SINCE the massacre of Kerbala some 1300 years back thousands of volumes have been written by men of different religions and beliefs and by Moslems of different schools of thought on this tragic event. Some have dealt with the subject as an ordinary event of war, and a rightful punishment which a rebel deserved at the hands of an established Government (Vide Minhajul Sunnat Vol. 1 by Shaikh Ibn-I-Taimiyah, born 661, died 728 A. H. He is called Saikhul Islam and Imam by those Moslems who believe in the Imamat of Yazid) Others more liberal in their views have admitted that the butchery was unjustified, but they do not hold Yazid responsible for the tragedy of Kerbala and say that the Imam was to be blamed to a certain extent for

fastened to the "alams" and are decorated with "tash, badla," and other costly cloths. These " alams" are considered to be facsimilies of Hazrat Husain's banner and the crest which is in the form of the hand is called "Punja-i-Hyderi" or "Punja-i- Husain,' etc. Mock fights are conducted through swords or stick,—the technical names for fighting with the stick are 'Binwat" or "Lakri." Like old lashkars drums accompany the procession. This manifestation of martial spirit is all to the good if unfortunately it had not become a 'tamasha.'

Another class emphasises in shedding tears, wearing mourning clothes, expressing sorrow by reciting elegies and conducting matums before tabuts or tazias with the help of chains or by standing in rows on either side of the tabut or by means of fire called "Angara Matum." Some of these methods are the same as were adopted in ancient times on the deaths of important personages. The mourning is very natural but too much defeatist mentality is visible all through.

No event in the world has led the people to shed so many tears as have been shed in this connection ;and similarly hardly any event has had such an effusion of pathos, and sentiments as this had in one way or the other, but it is regrettable that real spirit which prompted the great Husain to combat the evil of despotism jobbery and deviation from the path of Islam has had no lesson for us. We forget that it is by such service that men live. The poet truly says, "Hargiz namirad anke dilash zinda shud ba Ishq, sabt ast bar jarida-i-alam dawam-i-ma."

No. *SPECIAL FEATURES.* *Page No.*

Regd. No. A [illegible]

UNDER THE KIND PATRONAGE OF

H. E. H. THE NIZAM OF HAYDERABAD AND BERAR.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

HUSAIN NUMBER.

UNDER THE SUPERVISION OF HIS EMINENCE MAULANA L. A. HAIDARI.

Vol. 3 MARCH & APRIL 1939. Nos. 1 & 2

The Golden Tomb of Imam Hosen, The King of Mrtyrs, at Karbala

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA Rs. 4/-
FOREIGN Rs. 6/-

SINGLE COPY SPECIAL NUMBER -/12/-
POSTAGE EXTRA.

Publisher :— ALI ASHRAF, Kazi Tola Budaun.

Printed by Ahid Uddin at the Nizami Press, Budaun.